صفاتِ باریِ تعالیٰ

اور

اکابر علمائے اُمت کے عقائد

مؤلف

حضرت مولانا ابو حفص اعجاز احمد اشرفی

فاضل جامعہ اشرفیہ لاہور

لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ ۚ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ (الشوریٰ: ۱۱)

ترجمہ: کوئی چیز اس کے مثل نہیں ہے اور وہی ہے جو ہر بات سنتا سب کچھ دیکھتا ہے۔

صفاتِ باری تعالیٰ

اور

اکابر علمائے اُمت کے عقائد

تالیف

حضرت مولانا ابوحفص اعجاز احمد اشرفی غفرلہٗ

فاضل جامعہ اشرفیہ لاہور

دار النعیم

اردو بازار لاہور 0301- 4441805

انتساب

پیرِ طریقت، رہبرِ شریعت، امامِ اہلِ سنت، محی السنۃ

شیخ الحدیث والتفسیر حضرت مولانا

محمد سرفراز خان صفدرؒ

(متوفی ۲۰۰۹ء)

کے نام

اے اللہ! اس کتاب کو ان کے بلندیٔ درجات کا باعث بنادے۔ آمین!

ابو احمد اشرفی

تقریظ

حضرت مولانا سجاد الحجابی دامت برکاتہم العالیہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ وکفی وسلام علی عبادہ الذین اصطفی۔ وبعد:

کتبِ وحی کا سب سے بنیادی دعویٰ عقائد کی تصحیح کا ہے۔ اس مقصد اعلیٰ کے لئے اللہ عزوجل نے لاکھوں کی تعداد میں برگزیدہ ہستیاں بھیجی ہیں، جنہوں نے یک جہتی سے توحید باری تعالیٰ کی طرف بھرپور دعوت دی۔ اس منزل اعلیٰ کے پانے کے لئے سب نے کس قدر تکالیف برداشت کیں اور قربانیاں سرانجام دیں کہ قرآن کریم اور سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم ان کے تذکروں اور واقعات سے الحمد للہ بھرا پڑا ہے۔

علامہ عبدالعزیز بن بزیزہ (جو علم الکلام کے امام ہیں) نے **"الاسعاد شرح الارشاد"** میں کیا ہی خوب لکھا ہے کہ: "قرآن کریم کی سورتوں میں چھ ہزار سے اوپر آیات کریمہ ہیں جن میں تقریباً پانچ ہزار آیات صرف عقیدہ توحید کے متعلق ہیں"۔

یہی وجہ ہے کہ اس علم کا پڑھنا پڑھانا شریعت اسلامی میں سب سے اونچا مقام رکھتا ہے۔ "صاحب النبراس" علامہ عبدالعزیز فرہاروی h نے لکھا ہے کہ علوم دینیہ کی چھ قسمیں ہیں:

1 علم التفسیر 2 علم الحدیث 3 علم الفقہ 4 اصول الفقہ 5 علم الکلام 6 علم التصوف۔

پھر فرمایا کہ ان علوم میں "علم الکلام" سب کا سردار اور رئیس ہے۔

ہمارے مذہب حنفی کے مرکزی رہنما امام اعظم امام ابوحنیفہ h کا علم العقیدہ والکلام سے جو لگاؤ تھا وہ کسی سے ڈھکی چھپی بات نہیں۔ بندہ عاجز نے امام صاحب h کی علم عقیدہ کے حوالے سے خدمات اجاگر کرنے کے لئے مستقل مقالہ تحریر کیا ہے جو اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے ششماہی رسائل و جرائد میں چھپ چکا ہے اور اہل علم نے اس کو قدر کی نگاہ سے دیکھا ہے۔

دارالعلوم دیوبند کے مؤسس **حجۃ الاسلام** حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی h تو اپنے

زمانے کے متکلمین کے امام تھے، ان کی تک بھگ ۲۸ کتابوں میں تقریباً ۲۰ کتابیں و رسالے تو صرف عقیدہ، کلام اور مناظرہ کے متعلق ہیں۔ انہوں نے اپنی کتابوں میں خاص کر ''تقریر دلپذیر''، ''قبلہ نما''، ''آبِ حیات''، ''ہدیۃ الشیعۃ''، ''انتصار الاسلام'' جیسی کتابوں میں کلام و عقائد کے نئے نئے دریچے وا کئے ہیں۔ جدید استنباطات و تفریعات کئے ہیں۔ اس بات کی اہمیت صرف اسی شخص پر واضح ہے جنہوں نے حجۃ الاسلام کے ان نادر شہ پاروں کا غور سے مطالعہ کیا ہو۔

کہنے کی غرض یہ ہے کہ جو علم ہمارے اکابر و اسلاف کا اوڑھنا بچھونا تھا، آج افسوس اسی علم سے نہایت بے اعتنائی برتی جا رہی ہے۔

اللہ تعالیٰ کی توحید اور حقوق کا جاننا ہر مسلمان پر فرض ہے۔ توحید کے حقوق جاننا اور اس کی جستجو میں لگنا عظیم عبادت ہے۔ قطبِ وقت امام وردی رحمہ اللہ سے نقل ہے کہ بعض علماء کرام سے منقول ہے کہ ہم نے چار سو علماء کی صحبت کو غنیمت جانا، ان سب سے چار باتوں کے متعلق پوچھا۔ کسی نے بھی جواب نہیں دیا۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خواب میں زیارت ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''پوچھو! جو بھی پوچھنا چاہتے ہو؟'' ہم نے کہا توحید کی حقیقت کیا ہے؟ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ''کلُّ ما خطر ببالك فهو هالك والله بخلاف ذلك''۔

پھر میں نے کہا کہ عقل کی حقیقت کیا ہے؟

فرمایا: ''أدناه ترك الدُّنيا وأعلاه ترك التفكر في ذات الله''۔

میں نے کہا فقر کی حقیقت کیا ہے؟

فرمایا: ''الا تملك شيئا ولا يملك شيء وأنت على الحالين راض عن الله''۔

میں نے عرض کیا تقویٰ کی حقیقت کیا ہے؟

فرمایا: ''ترك الدعاوى وكتمان المعاني''

بعض اولیاء سے اللہ رب العزت کے متعلق پوچھا گیا۔ تو انہوں نے سب سے جامع جواب مرحمت فرمایا: کہنے لگے کہ اگر تم اسماء باری تعالیٰ کے متعلق پوچھتے ہو؟ تو اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے: ''ولله الأسماء الحسنى''۔ اگر تم صفاتِ باری تعالیٰ کے متعلق پوچھتے ہو؟ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: قل هو الله أحد الله الصمد لم يلد ولم يولد ولم يكن له كفوا أحد. اور اگر تم اللہ تعالیٰ کی

پیشِ لفظ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد لله المتوحد بجلال ذاته وكمال صفاته، المتقدس في نعوت الجبروت عن شوائب النقص وسماته. والصلاة على نبيه محمد المؤيد بساطع حججه وواضح بيناته، وعلى آله وأصحابه، هداة طريق الحق وحماته. وبعد: فإنّ مبنى علم الشرائع والأحكام، وأساس قواعد عقائد الإسلام، هو علم التوحيد والصفات الموسوم بالكلام، المنجي من غياهب الشكوك وظلمات الأوهام.

أَمَّا بَعْدُ: فَأَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ. بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ. لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ ۚ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ. (الشوریٰ:۱۱)

اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو دینِ حق دے کر بھیجا۔ دینِ اسلام اللہ تعالیٰ کا آخری دین اور قیامت تک کے لیے پسندیدہ دین ہے۔ حق تعالیٰ خود فرماتے ہیں:

اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَامُ۔ اسلام کے سوا اب کسی بھی دین میں نجات نہیں۔ کوئی بھی اہلِ کتاب ہو، چاہے وہ یہودی ہو یا عیسائی، ان کو بھی نجات تب ملے گی، جب وہ دینِ اسلام کو تسلیم کریں گے۔ اس کے بغیر کسی بھی مذہب پر چلنے والے کے لیے نجات نہیں ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

وَمَنْ یَّبْتَغِ غَیْرَ الْاِسْلَامِ دِیْنًا فَلَنْ یُّقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِی الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ. (آل عمران:۸۵)

ترجمہ: جو کوئی شخص اسلام کے سوا کوئی اور دین اختیار کرنا چاہے گا، تو اس سے وہ دین قبول نہیں کیا جائے گا، اور آخرت میں وہ ان لوگوں میں شامل ہوگا جو سخت نقصان اٹھانے

اہل السنت والجماعت درحقیقت ایسے لوگوں کو کہا جاتا ہے جن کے اعتقادات اور فقہی مسائل کا محور قرآن حکیم، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت صحیحہ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے آثار مبارکہ ہوں اور وہ اپنے عقائد اور اصول حیات اور اخلاق و عبادات میں اسی راہ پر چلتے ہوں جس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تمام عمر چلتے رہے۔ اس راہ کے مخالف راستہ کو بدعت اور اس پر چلنے والوں کو بدعتی کہا جاتا ہے۔

یقیناً صحیح عقیدہ وہی ہیں جو اہل السنت والجماعت کے عقائد ہیں۔ اس لیے کہ یہی جماعت نجات پانے والی اور حق پر ہے جیسا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نجات پانے والی جماعت کے متعلق خود ارشاد فرمایا: **ما أنا عليه وأصحابي**-الحديث (جس طریقہ پر میں ہوں اور میرے صحابہ ہیں)۔ اہل السنت والجماعت کے عقائد و نظریات کا ماخذ قرآن و سنت نبویہ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تعلیمات ہیں۔ ان تعلیمات کو اپنے اپنے زمانہ میں اکابر علماء کرام بیان کرتے آئے ہیں اور علم کلام و عقائد کی کتب میں موجود ہیں جو صدیوں سے متواتر طور پر ایک نسل سے دوسری نسل تک منتقل ہوتے آرہے ہیں اور قیامت تک (ان شاء اللہ) یہ سلسلہ یوں ہی جاری رہے گا۔

توحید: وحدت سے مشتق ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنی ذات و صفات میں فرد اور یکتا ہے۔ ذات اور صفت میں کوئی اس کا شریک اور سہیم نہیں اور علم اور قدرت میں کوئی اس کا ہم پلہ نہیں۔ ایک وہی معبود برحق ہے۔ اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ تمام صفات کمال کے ساتھ موصوف ہے اور بے مثل اور بے مثال۔ اللہ تعالیٰ سے صفات کمال کی نفی کرنا یہ تعطیل ہے اور اللہ تعالیٰ کو مخلوق کے مشابہ بتانا تشبیہ اور تمثیل ہے اور تعطیل اور تشبیہ دونوں کی نفی توحید ہے۔

علامہ عبد القاہر بغدادی فرماتے ہیں:

فَقَالَ أَهلُ السنة: قد جاءت السنة الصحيحة بأن لله تعالى تسعة وتسعين اسماً وان من احصاها دخل الجنة ولم يرد باحصائها ذكر عددها والعبارة عنها فان الكافر قد يذكرها حاكيا لها ولا

يكون من اهل الجنة وانما أراد باحصائها العلم بها واعتقاد معانيها من قولهم: فلان ذو حصاة واصاة كنا اذا كان ذا علم وعقل.

(الفرق بين الفرق وبيان الفرقة الناجية، ص ٣٢٦۔٣٢٧، تألیف: عبد القاهر بن طاهر بن محمد بن عبد الله البغدادي التميمي الأسفراييني، أبو منصور (المتوفى ٤٢٩ھ)۔ الناشر: دار الآفاق الجديدة، بيروت، طبع ١٩٧٧ء)

ترجمہ: اہل السنت فرماتے ہیں: صحیح حدیث میں ہے: "اللہ تعالیٰ کے ننانوے (۹۹) نام ہیں جو ان کو یاد کرے گا، وہ جنت میں داخل ہوگا"۔ مطلب یہ ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کو جانے۔ اس کی ذات کو قدیم، ازلی اور یکتا مانے اور اس کو موصوف بجمیع اسماء وصفات جانے اور یہ عقیدہ رکھے کہ اللہ تعالیٰ ان تمام صفات کاملہ کے ساتھ موصوف ہے، وہ مؤمن ہے اور جنت میں داخل ہوگا۔ ایمان کے لیے یہ ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ان تمام صفات کاملہ پر ایمان لائے جن کا اس حدیث میں ذکر ہے۔

علم العقائد میں سب سے زیادہ اہم درجہ توحید ذات وصفات کا ہے۔ جس کو سمجھنے اور یقین کرنے کے لیے کمال علم وعقل ضروری ہے۔ اس لیے جو لوگ علم وعقل کے لحاظ سے کم مایہ تھے، وہی اس گتھی کو سلجھانے سے زیادہ عاجز رہے۔

عقائد کی درستی وصحت کا تعلق صرف علم صحیح سے ہے۔ اگر علم صحیح اور عقل بھی سلیم ہے تو عقائد کے بارے میں کبھی غلطی نہ ہوگی۔ پھر یہ کہ حق تعالیٰ نے اس کا علم اتنا آسان کر دیا ہے کہ کم سے کم سمجھ والا بھی اس سے بہرہ ور ہو سکتا ہے اور غلط عقیدے سے ضرور بچ سکتا ہے، ورنہ حق تعالیٰ اپنے بندوں کو اس کا مکلف ہی نہ فرماتا۔

غرض اعمال کی کوتاہیاں تو بہت ہیں، خصوصاً اس زمانے میں کہ شر کا غلبہ بہت ہی زیادہ ہے اور جتنا قرب قیامت کا زمانہ ہوگا، شرور وفتن زیادہ ہی ہوں گے۔ اس لیے **تصحیح عقائد** کی فکر بھی سب سے زیادہ ضروری ہے۔ عقائد کے صحیح کرنے اور رکھنے کی کوئی دقت نہیں ہے۔ سب سے اول حق تعالیٰ کی ذات وصفات، علم، قدرت، مشیت، تقدیر خیر وشر، برزخ

ایک منصف کے لیے لائق قبول ہے کہ اس سے صرف نظر و انکار ہو ہی نہیں جا سکتا ہے، کیونکہ جو احادیث دوسری جانب سے پیش کی گئی ہیں، وہ سب نقد و رجال کی کسوٹی پر رکھتے ہی اپنی قدر و قیمت خود بتا رہی تھیں۔

صفات باری تعالیٰ کا مسئلہ نازک ترین مسئلہ ہے۔ اس میں تھوڑی سی افراط و تفریط سے بھی آدمی گمراہیوں کی اتھاہ گہرائیوں میں گر سکتا ہے۔ اسی لیے بغیر ضرورت شدیدہ کے کلام کرنا علمائے کرام نے ناجائز ٹھہرایا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بعض لوگ مسئلہ صفات میں اثبات کی طرف اتنا غلو کر گئے کہ مشبہ اور مجسمہ بن گئے اور دوسری طرف بعض لوگوں نے تاویل میں اتنا غلو کر دیا کہ معطلہ، جہمیہ اور معتزلہ بن گئے۔ اہل السنت والجماعت نے ہمیشہ شریعت کے ہر مسئلہ میں اعتدال کا دامن تھامے رکھا۔ لہٰذا مسئلہ صفات میں احتیاط کی بہت ضرورت ہے۔ لیکن ستم ظریفی یہ ہے کہ بعض نادان لوگوں نے عقیدہ اور صفات کے ہر مسئلہ میں اپنی طرف سے خوب خامہ فرسائی کی جس کی وجہ سے اہل حق مجبور ہوئے کہ اس مسئلہ میں اپنا موقف واضح کریں۔ یہ کتاب کسی کی تردید و تغلیط اور بحث و مناظرہ کے لیے نہیں بلکہ اس غرض سے ترتیب دی گئی ہے کہ عام مسلمان جو علم یا فرصت کی کمی کے باعث براہ راست عقائد اور حدیث کی بڑی کتابوں کی مراجعت نہیں کر پاتے۔ اس کتاب کے مطالعہ سے انہیں یقینی طور پر معلوم ہو جائے کہ صفات باری تعالیٰ کے بارے میں ان کا عقیدہ قرآن کریم، احادیث رسول اللہ ﷺ، خلفائے راشدین ؓ اور فقہائے صحابہ کرام ؓ کے عقائد کے موافق ہے۔ خیر القرون میں اسی پر تعامل رہا ہے۔ لہٰذا بلا شبہ یہی حق اور صحیح ہے۔ راہ حق کو تلاش کرنے والوں کے لیے یہ کتاب "مینارۂ نور" ثابت ہوگی۔ ہر مسلمان کے پاس اس کتاب کا ہونا ضروری ہے۔

یقیناً صحیح عقائد وہی ہیں جو اہل السنت والجماعت کے عقائد ہیں۔ اس لیے کہ یہی جماعت نجات پانے والی اور حق پر ہے جیسا کہ حضور اکرم ﷺ نے نجات پانے والی جماعت کے متعلق خود ارشاد فرمایا: «ما أنا عليه وأصحابي» الحدیث (جس طریقہ پر میں ہوں اور میرے صحابہ ؓ ہیں)۔ اہل السنت کے عقائد و نظریات کا اصل ماخذ تو قرآن و سنت ہی ہیں اور صحابہ کرام ؓ کی تعلیمات ہیں۔ ان تعلیمات کو اپنے اپنے زمانہ میں اکابر علمائے کرام بیان کرتے

آئے ہیں وہ علم کلام وعقائد کی کتب میں موجود ہیں جو صدیوں سے متواتر طور پر ایک نسل سے دوسری نسل تک منتقل ہوتے آرہے ہیں اور قیامت تک (ان شاء اللہ!) یہ سلسلہ یوں ہی جاری رہے گا۔

اس لیے اس کتاب میں خلیفہ راشد حضرت علی رضی اللہ عنہ (المتوفی ۴۰ھ) سے لے کر شیخ الحدیث والتفسیر حضرت مولانا حافظ محمد ادریس کاندھلوی (المتوفی ۱۳۹۴ھ) تک کے بیان کردہ صفات باری تعالیٰ کے عقائد کو بیان کیا گیا ہے۔ اس کتاب کا نام: ''صفات باری تعالیٰ اور اکابر علمائے امت کے عقائد'' تجویز کیا گیا ہے۔ خیر القرون سے لے کر آج تک جمہور علمائے امت کے یہی عقائد ہیں مگر اس کتاب میں ان اکابر علمائے امت کے عقائد کو بیان کیا گیا ہے، جنہوں نے صفات باری تعالیٰ کے بارے میں عقائد کو یکجا بیان کیا ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ تمام مسلمانوں کو عقائد صحیحہ پر قائم رکھے اور توحید کا دامن تھامنے کی توفیق عطا فرمائے اور شرک سے کامل طور پر محفوظ رکھے۔ تمام مسلمانوں کو حق وصداقت پر قائم ودائم رکھے اور ہمیشہ سواد اعظم کی معیت واتباع نصیب فرمائے اور اہل حق کے ساتھ تعصب وعناد اور ہٹ دھرمی سے جملہ اہل اسلام کو مامون ومحفوظ رکھے۔

آمین بجاہ النبی الکریم وسید الانبیاء والمرسلین

وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وعلیٰ

من اتبعھم باحسان الیٰ یوم الدین.

اعجاز احمد اشرفی

اتوار، یکم ربیع الاول ۱۴۳۳ھ بمطابق ۱۲ دسمبر ۲۰۱۱ء

مقدمہ

توحید دینِ اسلام کی اصل واساس ہے۔ توحید پر ہماری دونوں جہان کی فوز وفلاح کا مدار ہے۔ توحید ہماری نجاتِ آخرت کی ضمانت ہے۔ عقیدۂ توحید کی صحت کے بغیر انسان عذابِ جہنم سے بچ نہیں سکتا۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت اور جنابِ رسول اکرم ﷺ کی شفاعت کا مستحق نہیں ہو سکتا، اور جنت میں داخل نہیں ہو سکتا۔

1:۔ عقیدہ کی اہمیت

1 عقائد پر کفر وایمان اور آخرت کی نجات وعذاب کا مدار ہے۔ اور عقائد ہی اصلِ دین وایمان ہیں، بلکہ ایمان کہتے ہی عقائد وتصورات کو ہیں۔ عمل صالح کو عموماً اسلام سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ آخرت کی نجات اور فوز وفلاح ایمان پر منحصر ہے نہ کہ اعمال پر۔

2 اعمال وکردار کی صحت وسلامتی اور دین کی درستی وراستی کا دارومدار عقائد وایمان پر ہے۔ عقائد ہی اصلِ دین واساسِ ایمان ہیں۔

2:۔ عقیدہ کا ماخذ

1 تعلیماتِ دین کی اصل واساس کتاب وسنت ہے۔ لہٰذا بمصداق "الأصل بالأصل" عقیدہ کتاب اللہ اور سنتِ متواترہ سے ثابت ہوگا۔ یہ آیاتِ محکمات سے ماخوذ ہوگا، یا احادیثِ صریحہ متواترہ سے۔ خبرِ واحد (حدیث) خواہ صحیح ہو، اثباتِ عقیدہ کے لیے کافی نہیں۔ حدیثِ صحیح سے عمل تو ثابت ہو سکتا ہے، عقیدہ ثابت نہیں ہو سکتا۔ شرح عقائد کی مشہور کتابوں میں ہے کہ خبرِ واحد سے صرف ظن کا فائدہ ہو سکتا ہے، علمِ یقینی فقط حدیثِ متواترہ سے حاصل ہوتا ہے۔

2 افادة خبر الرسول للعلم اليقيني إنما يكون في المتواتر فقط.

وأمّا إذا كان منقولاً بالآحاد فلا يفيد إلّا الظن كما تقرر في أصول الفقه. (شرح لشرح العقائد (نبراس) ص ۸۷)

ترجمہ: علم یقینی کا فائدہ فقط وہی حدیث رسول دے سکتی ہے جو متواتر ہو، رہی خبر واحد سو وہ صرف مفید ظن ہو سکتی ہے جیسا کہ اصول فقہ سے ثابت ہے۔

3 خبر واحد ظن کے لیے مفید ہے۔ اس سے یقینی اور قطعی علم حاصل نہیں ہوتا۔ اس لیے اس سے عقیدہ ثابت نہیں کیا جا سکتا۔ چنانچہ علامہ پرہاروی رقم طراز ہیں:

ومعرفة العقائد عن أدلتها .... وقيد الجمهور الأدلة بالقطعية لأنّ اتباع الظن في العقائد مذموم.

("نبراس" شرح لشرح العقائد ص ۲۴)

ترجمہ: جن دلائل سے عقائد ثابت ہوتے ہیں، جمہور نے قید لگائی ہے کہ وہ دلائل قطعیات سے ہوں (کتاب اللہ یا احادیث متواترہ سے، نہ کہ خبر واحد سے جو مفید ظن ہے) کیونکہ عقائد کے بارے میں ظن کا اعتبار اور اتباع مذموم ہے۔

4 شیخ الاسلام علامہ محی الدین نووی (المتوفی ۶۷۶ھ) فرماتے ہیں:

فَالَّذِي عَلَيْهِ جَمَاهِيرُ الْمُسْلِمِينَ مِنَ الصَّحَابَةِ وَالتَّابِعِينَ فَمَنْ بَعْدَهُمْ مِنَ الْمُحَدِّثِينَ وَالْفُقَهَاءِ وَأَصْحَابِ الْأُصُولِ أَنَّ خَبَرَ الْوَاحِدِ الثِّقَةِ حُجَّةٌ مِنْ حُجَجِ الشَّرْعِ يَلْزَمُ الْعَمَلُ بِهَا وَيُفِيدُ الظَّنَّ وَلَا يُفِيدُ الْعِلْمَ .... وَأَمَّا مَنْ قَالَ يوجب العلم فهو مكابر للحس.

(المنهاج شرح صحيح مسلم بن الحجاج، ج ۱ ص ۱۳۱، المؤلف: أبو زكريا محيي الدين يحيى بن شرف النووي (المتوفى ۶۷۶ھ)، الناشر: دار إحياء التراث العربي، بيروت. الطبعة: الثانية ۱۳۹۲ھ)

ترجمہ: حضرات صحابہ کرامؓ، تابعینؒ اور ان کے بعد محدثین، فقہاء کرام اور اصحاب اصول جمہور مسلمانوں کا اس بات پر اتفاق ہے کہ خبر واحد صحیح شرعی دلائل میں سے ایک دلیل ہے جس سے عمل واجب ہوتا ہے اور یہ ظن کا فائدہ دیتی ہے، علم (یقینی) کا فائدہ نہیں دیتی (لہٰذا اس سے عقیدہ ثابت نہیں ہو سکتا)۔ جس نے یہ کہا کہ اس سے علم (و عقیدہ)

واجب ہوتا ہے وہ ظاہر حقیقت کا مخالف و منکر ہے۔

5 خلاصہ یہ ہے کہ عقیدہ کتاب اللہ سے ماخوذ ہونا لازم ہے یا پھر احادیث متواترہ سے، جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی صراحت کے ساتھ تعلیم دی ہو بار بار تاکید فرمائی ہو اور ساری عمر اس کی تبلیغ فرماتے رہے ہوں۔

6 پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کرام رضی اللہ عنہم اور ان کے بعد حضرات تابعین، تبع تابعین اور ائمہ مجتہدین رحمہم اللہ جمہور امت کا اس پر اتفاق و اجماع ہو۔

3 صفات باری تعالیٰ کی اقسام

1 اہل السنت والجماعت کا صفات متشابہات میں واضح اور معتدل عقیدہ ہے، اور وہ یہ ہے کہ ان صفات متشابہات کو ثابت مان کر ان کے معانی کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کرنا کہ وہی ان کے معانی اس کی شان کے لائق اور زیادہ بہتر جانتا ہے، اور اس کے ساتھ ہر قسم کی کیفیت و مشابہات مخلوقات کی نفی کرنا۔ اس عقیدے کو اہل حق یوں تعبیر کرتے ہیں:

التفويض مع تنزيه الله تعالى وصفاته عن مشابهة المخلوقات مع نفي الكيفية عنه.

2 جب کہ اہل سنت متاخرین نے مجسمہ کے باطل عقائد سے عوام الناس کو بچانے کیلئے ضرورت و احتمال کے درجے میں تاویل کو بھی مناسب سمجھا ہے۔ چنانچہ بسا اوقات مثلاً صفت ید کی تاویل: قدرت و نعمت، صفت عین کی تاویل: حفاظت، صفت نفس کی تاویل: ذات اور صفت نزول کی تاویل: نزول رحمت سے کرتے ہیں۔ بعض اہل بدعت کو یہ اشکال ہے کہ صفات میں ہر قسم کی تاویل کرنا جائز ہے، کہ یہ معتزلہ وجہمیہ کا مسلک ہے، لیکن محققین نے تصریح فرمائی ہے کہ اہل السنت ایسے انداز سے صفت میں تاویل کرتے ہیں کہ جس سے اصل صفت باقی رہتی ہے۔ اور اس کی تعطیل لازم نہیں آتی۔ اور اس کو تاویل بدرجہ احتمال سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اور معتزلہ وجہمیہ بدرجہ جزم و یقین ہی صفات کے اندر تاویل کرتے ہیں جس سے اصل صفت باری

تحویل جسم کو معطل ہو جاتی ہے۔

3 اللہ تعالیٰ کی صفات جو قرآن و حدیث میں مذکور ہیں، وہ دو قسم کی ہیں:

۱ ایک وہ جن کے معنی واضح اور ظاہر ہیں، جیسے علم، قدرت، ارادہ، کلام وغیرہ۔ ایسی صفات کو صفاتِ محکمات اور واضحات کہتے ہیں۔ اس بارہ میں اہلِ حق کا اتفاق ہے کہ ان صفات کے ظاہری معنی پر اعتقاد رکھنا ضروری ہے۔ اس قسم کی صفات میں کسی قسم کی تاویل جائز نہیں۔

۲ دوسری قسم وہ ہے جس کے معنی میں خفا اور ابہام ہے۔ محض مدلول لفظی اور معنی لغوی سے کوئی علم قطعی اور یقینی حاصل نہیں ہوتا۔ رائے اور قیاس کی وہاں مجال نہیں۔ کشف اور الہام کی وہاں تک رسائی نہیں۔ جیسے وجہ (منہ)، ید (ہاتھ)، نفس، عین (آنکھ)، ساق (پنڈلی)، قدم (پاؤں)، اصابع (انگلیاں)، عرش پر مستوی ہونا وغیرہ۔ اس قسم کی صفات کو صفاتِ متشابہات کہتے ہیں۔

4 علمائے کرام کے ہاں صفاتِ متشابہات کی نصوص میں دو مذاہب ہیں:

(۱) تفویض (۲) تاویل

4 صفاتِ متشابہات میں مذہبِ اول: تفویض

صفات کی نصوص کو ان کی تفسیر اور تاویل کیے بغیر ماننا، لیکن اس کے ساتھ ہی ان معانی کی نفی بھی کرنا جو اللہ تعالیٰ کی شان کے لائق نہیں۔ یہ اعتقاد بھی رکھنا کہ ان کے صحیح معنی وہی ہیں جو اللہ تعالیٰ کی شان کے لائق ہیں۔

حضرت امام دارقطنی بیان فرماتے ہیں:

حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ إِسْحَاقَ الْقَاضِي أَنْبَأَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ، عَنْ حَمَّادِ بْنِ زَيْدٍ، عَنْ يَزِيدَ بْنِ حَازِمٍ، عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ يَسَارٍ، أَنَّ صَبِيغَ بْنَ عِسْلٍ قَدِمَ الْمَدِينَةَ فَجَعَلَ يَسْأَلُ عَنْ مُتَشَابِهِ الْقُرْآنِ وَعَنْ أَشْيَاءَ، فَبَلَغَ ذَلِكَ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، فَبَعَثَ إِلَيْهِ عُمَرُ فَأَحْضَرَهُ، وَقَدْ أَعَدَّ لَهُ عَرَاجِينَ مِنْ عَرَاجِينِ النَّخْلِ. فَلَمَّا حَضَرَ قَالَ لَهُ عُمَرُ: مَنْ أَنْتَ؟

قَالَ: أَنَا عَبْدُ اللهِ صَبِيغٌ. فَقَالَ عُمَرُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ: وَأَنَا عَبْدُ اللهِ عُمَرُ. ثُمَّ قَامَ إِلَيْهِ فَضَرَبَ رَأْسَهُ بِعُرْجُونٍ فَشَجَّهُ. ثُمَّ تَابَعَ ضَرْبَهُ حَتّٰى سَالَ دَمُهُ عَلَى وَجْهِهِ. فَقَالَ: حَسْبُكَ يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ! فَقَدْ وَاللهِ ذَهَبَ مَا كُنْتُ أَجِدُ فِي رَأْسِي.

(الجامع لأحكام القرآن = تفسير القرطبي، ج ۴ ص ۱۴، ۱۵۔ المؤلف: أبو عبد الله محمد بن أحمد بن أبي بكر بن فرح الأنصاري الخزرجي شمس الدين القرطبي ﷫ (المتوفى: ۶۷۱ھ)۔ تحقيق: أحمد البردوني وإبراهيم أطفيش۔ الناشر: دار الكتب المصرية، القاهرة۔ الطبعة: الثانية، ۱۳۸۴ھ)

ترجمہ حضرت سلیمان بن یسار بیان فرماتے ہیں:

حضرت صبیغ بن عسل حضرت عمر ﷛ کے دورِ حکومت میں مدینہ منورہ آیا۔ تو صبیغ نے قرآن پاک کے متشابہات اور دوسری چیزوں کے بارے میں سوال وجواب کرنے شروع کر دیئے۔ جب حضرت عمر ﷛ تک یہ خبر پہنچی تو حضرت عمر ﷛ نے ایک آدمی کو اس کے لانے کا حکم دیا۔ اس نے لا کر پیش کر دیا۔ حضرت عمر ﷛ نے اس کے لیے کھجور کی جڑ سے بنی ہوئی ایک چھڑی تیار کی۔ پھر جب صبیغ حاضر ہو گیا تو حضرت عمر ﷛ نے اس سے فرمایا: ''تو کون ہے''؟۔ اس نے کہا: میں اللہ کا بندہ، صبیغ! تو حضرت عمر ﷛ نے فرمایا: ''میں بھی اللہ کا بندہ، عمر''! پھر کھڑے ہوئے تو اس کے سر پر مارنا شروع کیا تو اس کو زخمی کر دیا۔ پھر اس کو مارتے رہے یہاں تک کہ خون اس کے چہرے سے بہنے لگا۔ تو وہ کہنے لگا: اے امیر المؤمنین! کافی ہے۔ خدا کی قسم! وہ شکوک وشبہات دور ہو گئے جن کو میں اپنے دماغ میں پاتا تھا۔

صفات باری تعالیٰ کے معانی کی تعیین سے سکوت کرنے کے دو اسباب ہیں:

۱ ان معانی کے مجموعہ میں سے کسی ایک معنی کو اختیار کرنے کے لیے دلیل قطعی موجود نہیں ہے۔ اس بنا پر ان میں سے کسی ایک معنی کی تعیین کرنا ظن وگمان ہی کے درجہ میں ہوگا۔ لہٰذا ان کے معانی کی تفویض ہی اولیٰ اور افضل ہے۔ مگر کسی ضرورت کی وجہ سے تاویل کرنا بھی جائز ہے جیسے کسی شبہ کو دور کرنا وغیرہ۔

۲ ہمارے پاس کوئی قطعی دلیل نہیں ہے کہ اس لفظ کے یہی معنی مراد ہیں۔ اسی لیے حضرت ابن قدامہ مقدسیؒ فرماتے ہیں:

"فإن أكثر ما عند المتأول أن هذه اللفظة تحتمل هذا المعنى في اللغة، وليس يلزم من مجرد احتمال اللفظ لمعنى أن يكون مرادا به، فإنه كما يحتمل هذا المعنى يحتمل غيره، وقد يحتمل معاني أخر لا يعلمها"

(تحريم النظر في كتب الكلام ص: ۱۱، المؤلف: أبو محمد موفق الدين عبد الله بن أحمد بن محمد بن قدامة الجماعيلي المقدسي ثم الدمشقي الحنبلي، الشهير بابن قدامة المقدسي ؒ (المتوفى: ۶۲۰ھ)، المحقق: عبد الرحمن بن محمد سعيد دمشقية، الناشر: عالم الكتب، السعودية، الرياض، الطبعة: الأولى ۱۴۱۰ھ)

ترجمہ اکثر متاولین کے ہاں یہی بات ثابت ہے کہ یہ لفظ از روئے لغت اس معنی کا احتمال رکھتا ہے۔ صرف احتمال سے کسی ایک معنی کی تعیین نہیں کی جا سکتی کہ اس کی مراد یہی ہے۔ ممکن ہے کوئی اور معنی ہو۔ دوسرے احتمالی معانی کو یہ نہیں جانتا۔

۳ جمہور سلف صالحین کے نزدیک صفات باری تعالیٰ میں عقیدہ: "ألتفويض مع تنزيه الله تعالى عن مشابهة المخلوقات" ہے۔ یعنی جو صفات قطعیات (نص قرآنی، خبر متواتر، اجماع) سے ثابت ہیں، ان کو ثبوت کے بعد اللہ تعالیٰ کے سپرد کرنا چاہیے۔ ساتھ ساتھ یہ عقیدہ بھی ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر لحاظ سے مخلوق کی مشابہت سے پاک ہیں۔

☆ علامہ محمد زاہد بن الحسن الکوثریؒ فرماتے ہیں:

أهل السنة هم الذين جمعوا بين الكتاب والسنة وآثار السلف والبراهين العقلية التي هي من حجج الله سبحانه من غير إهمال شئ منها، مراعين مراتب الأدلة ووجوه الدلالة. وإنما مذهب السلف عدم الخوض في الصفات مع التنزيه العام وهم أبعد الناس عن حمل ما في كتاب الله وما صح في السنة على ما يوهم

5 صفاتِ متشابہات میں مذہبِ ثانی: تاویل

یہ مذہب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ایک طبقہ سے بھی ثابت ہے۔ جمہور متاخرین کے ہاں تاویل مشہور و معروف ہے۔

1. حضرات متاخرین کے زمانے میں نئے نئے جوق در جوق فتنوں نے سر اٹھایا جو متقدمین کے دور میں نہیں تھے۔ مشبّہہ اور مجسّمہ نے یہ بات اس کی صراحت کردی کہ اللہ تعالیٰ کی ہمارے جیسی آنکھ اور ہاتھ ہیں۔ وہ ہمارے جیسے بیٹھتے ہیں ہمارے جیسے تخت پر ہیں اور متحرک ہیں۔ پھر ان میں اختلافات ہیں۔ بعض تو ان میں کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ خوب صورت جوان کی صورت میں ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ زیادہ عمر والے آدمی کی طرح ہیں (نعوذ باللہ)۔ ظلم یہ ہے کہ انہوں نے اپنے اس فاسد مذہب پر قرآن مجید کی آیاتِ صفات یا احادیثِ صفات سے استدلال کیا ہے جس میں استواء، ید، نفس، نزول کا ذکر کیا گیا ہے۔
2. یہ بات بھی مسلّم ہے کہ عوام الناس ظاہر کو دیکھ کر جلد متاثر ہو جاتے ہیں چنانچہ متاخرین اہل السنت والجماعت نے عوام کو مشبّہہ اور مجسّمہ کے ان فاسد معانی سے اور ان کے مذہب سے بچانے کے لیے تاویل کی صورت اختیار کی کہ "استویٰ" سے استولیٰ (غلبہ و تسلط) مراد ہے، "ید" سے قدرت، "عین" سے حفاظت، "نزول" سے نزولِ رحمت مراد ہے۔
3. اگر سلف کے زمانے میں ایسے فتنے ہوتے تو وہ حضرات بھی متاخرین کی طرح تاویل کرتے۔ اس کی ایک بین دلیل یہ ہے کہ سلف کے زمانے میں جہاں غلط فہمی کا خطرہ ہوا ان کے سامنے حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے لے کر تبع تابعین تک حضرات سے تاویل تفصیلی ثابت ہے۔
4. صفاتِ متشابہات کی تشبیہ اس طرح کرنا جو خالق اور مخلوق کے درمیان مشابہت کی متقاضی ہو، یہ تو مشبّہہ کا مذہب ہے۔

ہماری مراد اس سے یہ ہے کہ صفاتِ متشابہات کی ظاہر کے مطابق تفسیر بیان کی جائے۔

تسلیم کرتے ہیں، معتزلہ کی طرح درپے تاویل نہیں ہوتے تاکہ قدریہ اور معتزلہ کی طرح ان صفات متشابہات کا انکار لازم نہ آئے جو کتاب و سنت سے ثابت ہیں اور مشبہ اور مجسمہ کی طرح یہ نہیں کہتے، معاذ اللہ، یہ اللہ تعالیٰ کے اعضاء اور اجزاء ہیں۔ وہ اس طرح نہیں کہتے کہ اللہ تعالیٰ عرش پر بیٹھا ہے تاکہ مشبہ کی طرح آیات تنزیہ اور تقدیس کا انکار لازم نہ آئے۔

10 سلف صالحین کے تنزیہ باری تعالیٰ کے دلائل میں سے یہ آیات بھی ہیں:

1 **لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ ۚ وَهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ** (الشوریٰ:11)

ترجمہ کوئی چیز اس کے مثل نہیں ہے اور وہی ہے جو ہر بات سنتا سب کچھ دیکھتا ہے۔

2 **هَلْ تَعْلَمُ لَهُ سَمِيًّا** (مریم:65)

ترجمہ کیا تمہارے علم میں کوئی دوسرا ہے جو اس جیسی صفت رکھتا ہو؟

3 **قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ. اللَّهُ الصَّمَدُ. لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُولَدْ. وَلَمْ يَكُن لَّهُ كُفُوًا أَحَدٌ.** (سورت اخلاص:1تا4)

ترجمہ کہہ دو: "بات یہ ہے کہ اللہ ہر لحاظ سے ایک ہے۔ اللہ ہی ایسا ہے کہ سب اس کے محتاج ہیں، وہ کسی کا محتاج نہیں۔ نہ اس کی کوئی اولاد ہے، اور نہ وہ کسی کی اولاد ہے۔ اور اس کے جوڑ کا کوئی بھی نہیں۔"

4 **فَلَا تَجْعَلُوا لِلَّهِ أَندَادًا** (البقرہ:22)

ترجمہ پس اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک نہ ٹھہراؤ۔

11 اللہ تعالیٰ کی صفات و افعال کے متعلق یہ بات ہمیشہ یاد رکھنی چاہیے کہ نصوص قرآن وحدیث میں جو الفاظ حق تعالیٰ کی صفات کے بیان کرنے کے لیے اختیار کیے جاتے ہیں، ان میں اکثر وہ ہیں جن کا مخلوق کی صفات پر بھی استعمال ہوا ہے، مثلاً اللہ تعالیٰ کو "حی"، "سمیع"، "بصیر"، "**متکلم**" کہا گیا ہے اور انسان پر بھی یہ الفاظ اطلاق کیے گئے ہیں، تو ان دونوں مواقع میں استعمال کی حیثیت بالکل جداگانہ ہے۔ کسی مخلوق کو سمیع و بصیر کہنے کا مطلب یہ ہے کہ اس کے پاس دیکھنے والی آنکھ اور سننے والے کان موجود ہیں۔ اب اس میں دو چیزیں ہوئیں: ایک وہ آلہ جسے "آنکھ" کہتے

ہیں ایک تو دیکھنے کا مبدا اور ذریعہ بنتا ہے، دوسرا اس کا نتیجہ اور غرض وغایت (دیکھنا)، یعنی وہ خاص علم جو رؤیتِ بصری سے حاصل ہوا۔ مخلوق کو جب "بصیر" کہا تو یہ مبدا اور غایت دونوں چیزیں معتبر ہوئیں۔ اور دونوں کی کیفیت ہم سے معلوم کر لیں۔ لیکن یہ لفظ جب اللہ تعالیٰ کی نسبت استعمال کیا گیا تو یقیناً وہ مبادی اور کیفیات تو مراد نہیں ہو سکتیں جو مخلوق کے خواص میں سے ہیں اور جن سے اللہ تعالیٰ قطعاً منزہ ہیں۔ البتہ یہ اعتقاد رکھنا ہوگا کہ ابصار (دیکھنے) کا مبدا اس کی ذاتِ اقدس میں موجود ہے اور اس کا نتیجہ یعنی وہ علم جو رؤیتِ بصری سے حاصل ہوتا ہے، اس کو بدرجۂ کمال حاصل ہے۔ آگے یہ کہ وہ مبدا کیا ہے؟ اور دیکھنے کی کیا کیفیت ہے؟ تو بجز اس بات کے کہ اس کا دیکھنا مخلوق کی طرح نہیں ہے، ہم اور کیا کہہ سکتے ہیں؟

لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ ۚ وَهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ (الشوریٰ:11)

ترجمہ: کوئی چیز اس کے مثل نہیں ہے، اور وہی ہے جو ہر بات سنتا ہے سب کچھ دیکھتا ہے۔

نہ صرف سمع و بصر بلکہ اس کی تمام صفات کو اسی طرح سمجھنا چاہئے کہ صفت باعتبار اپنے اصل مبدا و غایت کے ثابت ہے مگر اس کی کوئی کیفیت بیان نہیں کی جا سکتی اور نہ شارعؑ نے اس کا مکلف بنایا ہے کہ آدمی اس طرح کے ماوراء عقل حقائق میں غور و خوض کر کے پریشان ہو۔

6 سلفِ صالحینؒ اور متاخرین کا موقف ایک ہے

1. اوپر کی بحث سے یہ بات ثابت ہوئی کہ تاویل چاہے تفصیلی ہو یا اجمالی، سلفِ صالحینؒ کے نزدیک دونوں ثابت ہیں لیکن سلف پر تفویض یعنی تاویلِ اجمالی غالب ہے جب کہ متاخرین اہل السنۃ والجماعۃ پر خطراتِ زمانہ کی وجہ سے تاویلِ تفصیلی کا رنگ غالب ہے۔

2. یہ بات بھی اچھی طرح ذہن نشین کر لینی چاہئے کہ سلفِ صالحینؒ اور متاخرین کے موقف قطعاً ایک دوسرے کے متضاد اور متنافی نہیں ہیں۔ عقیدہ تو سلف اور خلف دونوں کا ایک ہی ہے جس میں بال برابر بھی اختلاف نہیں۔ البتہ زمانے کی تبدیلی

کی مخالفت جائز نہیں۔

حضور اکرم ﷺ نے جماعت کے ساتھ رہنے کی خصوصی تاکید فرمائی ہے:

حدیث 1:۔ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "إِنَّ اللّٰهَ لَا يَجْمَعُ أُمَّتِي - أَوْ قَالَ: أُمَّةَ مُحَمَّدٍ - عَلَى ضَلَالَةٍ، وَيَدُ اللّٰهِ عَلَى الْجَمَاعَةِ، وَمَنْ شَذَّ شُذَّ فِي النَّارِ"۔ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ.

(مشکوۃ رقم ۱۷۳)

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عمر ؓ سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: "میری امت یا فرمایا امت محمدیہ کو اللہ تعالیٰ گمراہی پر جمع نہیں کرے گا اور خدا کا ہاتھ جماعت پر ہوتا ہے (یعنی اس کی نصرت وغلبہ یا حفاظت ورحمت)۔ اور فرمایا کہ جو شخص جماعت سے الگ ہوگا وہ جہنم کا مستحق ہوگا۔

تشریح: یعنی اس اعتقاد یا قول وفعل میں جماعت علماء سے الگ راستہ اختیار نہ کرے۔ ورنہ جہنمی ہو جائے گا۔ علماء نے لکھا کہ مراد علماء امت کا اجماع ہے عوام کا نہیں۔

حضرت شاہ عبد الحق محدث دہلوی ؒ لکھتے ہیں:

والشذوذ: الانفراد والتفرد عن الجمهور.

(لمعات شرح مشکوۃ ج ا ص ۲۳۷)

ترجمہ: شذوذ سے مراد جمہور سے علیحدہ ہونا ہے۔

حدیث 2:۔ وَعَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "اتَّبِعُوا السَّوَادَ الْأَعْظَمَ فَإِنَّهُ مَنْ شَذَّ شُذَّ فِي النَّارِ".

رَوَاهُ [ابْنُ مَاجَهْ مِنْ حَدِيثِ أَنَسٍ]۔ (مشکوۃ رقم ۱۷۴)

چوتھی روایت میں ہے کہ سواد اعظم کا اتباع کرو۔ جو شخص جماعت سے الگ ہوگا وہ جہنم کا مستحق ہوگا۔

تشریح: حضرت شاہ عبد الحق محدث دہلوی اس کی شرح میں فرماتے ہیں:

والمراد الحث على اتباع ما عليه الأكثر من علماء المسلمين. قالوا: وهذا في عقائد. أما في الفروع فيجوز العمل عن قلة

"ربقہ" وہ طوق وغیرہ ہے جو جانور کی گردن میں ڈالتے ہیں تاکہ وہ گم نہ ہوجائے۔ جس طرح یہ طوق گردن سے نکال کر جانور آزاد ہو جاتا ہے اور اس کی ہلاکت اور ضائع ہونے کا خوف ہوتا ہے، اسی طرح جماعت کی اطاعت و مرکزیت اور ان کے متفق علیہ طریقے سے ہٹ جانے والا شخص بھی آزاد اور ہلاک ہوجاتا ہے۔ (معالم السنن ج ۴ ص ۲۴۲)

جماعت سے مراد جناب رسول اللہ ﷺ کے اصحاب ؓ کی جماعت ہے۔ ان کا مسلک ہے اور انہی کا طریقہ ہی نجات کا باعث ہے، نہ یہ کہ ہر بدعتی ٹولہ جو اصل جماعت سے الگ ہو کر ڈیڑھ اینٹ کی مسجد بنائے اور "جماعت" کہلانے لگے۔ اس حدیث میں جماعت سے علیحدہ ہونے والوں کی شدید مذمت کی گئی ہے۔

حدیث 5: سنن ابی داؤد میں ہے:

حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ خَالِدِ بْنِ يَزِيدَ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَوْهَبٍ الْهَمْدَانِيُّ، حَدَّثَنَا اللَّيْثُ، عَنْ عُقَيْلٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، أَنَّ أَبَا إِدْرِيسَ الْخَوْلَانِيَّ عَائِذَ اللَّهِ أَخْبَرَهُ أَنَّ يَزِيدَ بْنَ عُمَيْرَةَ وَكَانَ مِنْ أَصْحَابِ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ أَخْبَرَهُ قَالَ: كَانَ لَا يَجْلِسُ مَجْلِسًا لِلذِّكْرِ حِينَ يَجْلِسُ إِلَّا قَالَ: اللَّهُ حَكَمٌ قِسْطٌ، هَلَكَ الْمُرْتَابُونَ. فَقَالَ مُعَاذُ بْنُ جَبَلٍ يَوْمًا: "إِنَّ مِنْ وَرَائِكُمْ فِتَنًا يَكْثُرُ فِيهَا الْمَالُ، وَيُفْتَحُ فِيهَا الْقُرْآنُ حَتَّى يَأْخُذَهُ الْمُؤْمِنُ وَالْمُنَافِقُ، وَالرَّجُلُ، وَالْمَرْأَةُ وَالصَّغِيرُ، وَالْكَبِيرُ، وَالْعَبْدُ، وَالْحُرُّ، فَيُوشِكُ قَائِلٌ أَنْ يَقُولَ: مَا لِلنَّاسِ لَا يَتَّبِعُونِي وَقَدْ قَرَأْتُ الْقُرْآنَ، مَا هُمْ بِمُتَّبِعِيَّ حَتَّى أَبْتَدِعَ لَهُمْ غَيْرَهُ فَإِيَّاكُمْ وَمَا ابْتُدِعَ، فَإِنَّ مَا ابْتُدِعَ ضَلَالَةٌ، وَأُحَذِّرُكُمْ زَيْغَةَ الْحَكِيمِ، فَإِنَّ الشَّيْطَانَ قَدْ يَقُولُ كَلِمَةَ الضَّلَالَةِ عَلَى لِسَانِ الْحَكِيمِ، وَقَدْ يَقُولُ الْمُنَافِقُ كَلِمَةَ الْحَقِّ". قَالَ: قُلْتُ لِمُعَاذٍ: مَا يُدْرِينِي رَحِمَكَ اللَّهُ أَنَّ الْحَكِيمَ قَدْ يَقُولُ كَلِمَةَ الضَّلَالَةِ وَأَنَّ الْمُنَافِقَ قَدْ يَقُولُ كَلِمَةَ الْحَقِّ؟ قَالَ: بَلَى، اجْتَنِبْ مِنْ كَلَامِ الْحَكِيمِ الْمُشْتَهِرَاتِ الَّتِي يُقَالُ لَهَا مَا هَذِهِ، وَلَا

يُثْنِيَنَّكَ ذٰلِكَ عَنْهُ فَإِنَّهُ لَعَلَّهُ أَنْ يُرَاجِعَ، وَتَلَقَّ الْحَقَّ إِذَا سَمِعْتَهُ فَإِنَّ عَلَى الْحَقِّ نُورًا"۔

(سنن ابی داؤد: کتاب السنۃ، باب: من دعا الی السنۃ، رقم ۴۶۱۱، قال الالبانی: صحیح الاسناد موقوف، ص ۸۳۳ طبع بتحقیق الألبانی: مکتبۃ المعارف للنشر والتوزیع الریاض)

ترجمہ: حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کے شاگردوں میں حضرت یزید بن عمیرہ فرماتے ہیں کہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ جب کسی ذکر و وعظ کی مجلس میں بیٹھتے تو کہتے: اللہ تعالیٰ عادل اور حاکم ہیں۔ شک (شبہ) کرنے والے ہلاک ہوگئے۔ ایک دن حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے کہا کہ تمہارے آگے فتنے آئیں گے، جن میں مال کثرت سے ہوگا اور قرآن کھولا جائے گا۔ اسے مؤمن اور منافق، مرد اور عورت، چھوٹا اور بڑا، غلام اور آزاد حاصل کرے گا (یعنی اس کے الفاظ کا علم عام ہوگا)۔ پس قریب ہے کہ کوئی کہنے والا کہے: لوگ میرا اتباع نہیں کرتے حالانکہ میں نے قرآن پڑھا ہے؟ وہ میرا اتباع کرنے والے نہیں جب تک کہ میں ان کے لیے کوئی اور چیز قرآن کے سوا نکالوں۔ پس تم بدعتوں سے بچ کر رہو کیونکہ بدعت گمراہی ہے، اور میں تمہیں دانا شخص کی کج روی سے ڈراتا ہوں کیونکہ شیطان کبھی گمراہی کا کلمہ دانا شخص کی زبان سے ادا کرتا ہے اور بعض دفعہ منافق بھی حق بات کہتا ہے۔ حضرت یزید بن عمیرہ نے کہا: اللہ تعالیٰ آپ رضی اللہ عنہ پر رحم فرمائے! مجھے کیوں کر پتہ چلے گا کہ عقلمند آدمی بھی کبھی ضلالت (گمراہی) کا حکم دیتا ہے اور منافق بھی حق کی بات کہتا ہے؟ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کیوں نہیں؟ حکیم کی باتوں میں سے ان شہرت یافتہ باتوں سے بچ جن کے متعلق کہا جائے کہ یہ کیا باتیں ہیں؟ (یعنی علماء ان کا انکار اور رد کریں) اور یہ باتیں تجھے اس سے پھیر نہ دیں کیونکہ ممکن ہے وہ رجوع کرے۔ اور حق کو جب تو سنے تو اسے حاصل کرلے کیونکہ حق پر روشنی ہوتی ہے۔

تنبیہ: حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے کیسی پتے کی بات کی ہے، اگر ہم عقیدہ کا قاعدہ ذہن میں لیں تو ہم اس سے مامون نہیں ہوسکتے کہ کوئی کافر ہمارے پاس اپنے دین کی کوئی بہت ہی معظم

ہوتے ہوئے اسے دور ہٹانے کے لئے اس بات سے بچیں۔

8 اجماعِ اُمت کی حجیت

لغت میں ''اجماع'' متفق ہونے کو کہتے ہیں۔ شریعت کی اصطلاح میں کسی بات پر اتفاق اور اجماع ایسی ہی چیز ہے۔ اس اصطلاح کی رو سے کسی بات پر امت کے اتفاق کو ''اجماع'' کہا جاتا ہے جس کی تعریف یہ ہے:

1 الإجماعُ عِبارةٌ عن اتِّفاقِ جُملةِ أهلِ الحَلِّ والعَقدِ من أُمّةِ محمّدٍ في عَصرٍ من الأَعصارِ على حُكمِ واقِعةٍ من الوَقائِعِ.

(الإحكام في أصول الأحكام، ج ١ ص ٢٠٩، المؤلف: أبو الحسن سيد الدين علي بن أبي علي بن محمد بن سالم الثعلبي الآمدي رحمه الله (المتوفى: ٦٣١هـ) المحقق: عبد الرزاق عفيفي. الناشر: المكتب الإسلامي، بيروت، دمشق)

ترجمہ: کتاب وسنت کے ماہرین نبی ﷺ کی وفات کے بعد کسی زمانے کے تمام فقہاء مجتہدین کا کسی حکم شرعی پر متفق ہوجانا ''اجماع'' کہلاتا ہے۔

2 علامہ محمد [illegible] فرماتے ہیں:

الإجماع: هو اتفاق مجتهدي الأمة بعد وفاة رسول الله ﷺ في عصر (طال أو قصر) على حكم شرعي.

وهو حجة قطعية وتحرم مخالفته لقوله تعالى: ومن يشاقق الرسول من بعد ما تبين له الهدى ويتبع غير سبيل المؤمنين نوله ما تولى ونصله جهنم وساءت مصيراً.

فمن اتبع غير سبيل المؤمنين اندرج في هذا الوعيد الشديد لأن ما أجمعوا عليه من قول أو فعل لا شك في أنه سبيلهم ولا شك في أنه سبيل هدى لأنهم لا يجتمعون على ضلالة وكل سبيل غيره سبيل ضلال لا يتبعه إلا ضال منشق عن جماعة المؤمنين ولقوله ﷺ: إن أمتي لا تجتمع على ضلالة. وقوله: يد

ترجمہ: یہ آیت اجماعِ اُمت کے حجت ہونے پر ایک دلیل ہے کیونکہ جب اُمت کو اللہ تعالیٰ نے شہداء قرار دے کر دوسری اُمتوں کے بالمقابل ان کی بات کو حجت بنا دیا تو ثابت ہوا کہ اس اُمت کا اجماع حجت ہے اور اس پر عمل واجب ہے۔

☆ علامہ مظہری فرماتے ہیں:

واستدل به على حجية الإجماع لأن بطلان ما اجمعوا عليه ينافي عدالتهم فاطلاق الامة الأوسط عليهم يدل على ان شرائع دينهم وخصالهم المتفقة عليها كلها محمودة فعلى تقدير وقوع الخطاء في إجماعهم وان كانوا معذورين في ذلك غير متصفين بالفسق لكن بعض خصالهم المتفق عليها مذموم البتة فكيف يكون خصالهم كلها محمودة. والله اعلم.

(التفسير المظهري ج ۱ ص ۲۲۹۔ المؤلف: المظهري، محمد ثناء الله (المتوفى ۱۲۲۵ھ)۔ المحقق: غلام نبي التونسي۔ الناشر: مكتبة الرشدية۔ الباكستان۔ الطبعة ۱۴۱۲ھ)

ترجمہ: اس آیت سے ثابت ہوا کہ اس اُمت کے جو اقوال و اعمال متفق علیہ ہیں وہ سب محمود و مقبول ہیں کیونکہ اگر سب کا اتفاق کسی خطا پر تسلیم کیا جائے، پھر یہ کہنے کے کوئی معنی نہیں رہتے کہ یہ اُمت وسط اور عدل ہے۔

☆ علامہ جصاص رازی فرماتے ہیں:

وَفِي هٰذِهِ الْآيَةِ دَلَالَةٌ عَلٰى صِحَّةِ إِجْمَاعِ الْأُمَّةِ مِنْ وَجْهَيْنِ: أَحَدُهُمَا وَصْفُهُ إِيَّاهَا بِالْعَدَالَةِ وَأَنَّهَا خِيَارٌ وَذٰلِكَ يَقْتَضِي تَصْدِيقَهَا وَالْحُكْمَ بِصِحَّةِ قَوْلِهَا وَنَافٍ لِإِجْمَاعِهَا عَلَى الضَّلَالِ وَالْوَجْهُ الْآخَرُ قَوْلُهُ: لِتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ" بِمَعْنَى الْحُجَّةِ عَلَيْهِمْ كَمَا أَنَّ الرَّسُولَ لَمَّا كَانَ حُجَّةً عَلَيْهِمْ وَصَفَهُ بِأَنَّهُ شَهِيدٌ عَلَيْهِمْ. وَلَمَّا جَعَلَهُمُ اللهُ تَعَالٰى شُهَدَاءَ عَلٰى غَيْرِهِمْ فَقَدْ حَكَمَ لَهُمْ بِالْعَدَالَةِ وَقَبُولِ الْقَوْلِ لِأَنَّ شُهَدَاءَ اللهِ تَعَالٰى لَا يَكُونُونَ كُفَّارًا وَلَا ضُلَّالًا. فَاقْتَضَتِ الْآيَةُ

أَنْ يَكُونُوا شُهَدَاءَ فِي الْآخِرَةِ عَلَى مَنْ شَاهَدُوا فِي كُلِّ عَصْرٍ بِأَعْمَالِهِمْ
دُونَ مَنْ مَاتَ قَبْلَ زَمَنِهِمْ كَمَا جُعِلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
شَهِيدًا عَلَى مَنْ كَانَ فِي عَصْرِهِ هَذَا إِذَا أُرِيدَ بِالشَّهَادَةِ عَلَيْهِمْ
بِأَعْمَالِهِمْ فِي الْآخِرَةِ فَأَمَّا إِذَا أُرِيدَ بِالشَّهَادَةِ الْحُجَّةُ فَذَلِكَ حُجَّةٌ عَلَى
مَنْ شَاهَدَ وَهُمْ مِنْ أَهْلِ الْعَصْرِ الثَّانِي وَعَلَى مَنْ جَاءَ بَعْدَهُمْ إِلَى
يَوْمِ الْقِيَامَةِ كَمَا كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حُجَّةً عَلَى جَمِيعِ
الْأُمَّةِ أَوَّلِهَا وَآخِرِهَا وَلِأَنَّ حُجَّةَ اللَّهِ إِذَا ثَبَتَتْ فِي وَقْتٍ فَهِيَ ثَابِتَةٌ
أَبَدًا

(أحكام القرآن، ج ١، ص ١٠٩ ـ المؤلف: أحمد بن علي أبو بكر الرازي الجصاص الحنفي رحمه الله (المتوفى ٣٧٠ھ) ـ المحقق: محمد صادق القمحاوي - عضو لجنة مراجعة المصاحف بالأزهر الشريف ـ الناشر: دار إحياء التراث العربي، بيروت ـ تاريخ الطبع: ١٤٠٥ھ)

ترجمہ: اس آیت میں اس بات کی دلیل ہے کہ ہر زمانے میں مسلمانوں کا اجماع معتبر ہے۔ اجماع کا حجت ہونا صرف قرن اول یا کسی خاص زمانے کے ساتھ مخصوص نہیں ہے کیونکہ آیت میں پوری امت کو خطاب ہے اور امت جناب رسول اللہ ﷺ کی صرف وہ نہ تھے جو اس زمانے میں تھے بلکہ قیامت تک آنے والی نسلیں جو مسلمان ہیں وہ سب آپ ﷺ کی امت ہیں۔ تو ہر زمانے کے مسلمان شہداء اللہ ہوئے جن کا قول حجت ہے۔ وہ سب کسی غلط اور باطل پر متفق نہیں ہو سکتے۔

☆ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ اس آیت کے تحت فرماتے ہیں:

معلوم ہوا کہ اس امت کے جو اقوال و افعال متفقہ طور پر ہوں وہ سب اللہ تعالیٰ کے نزدیک درست اور حق ہیں کیونکہ اگر سب کا اتفاق کسی غلط بات پر تسلیم کیا جائے تو اس ارشاد کے کوئی معنی نہیں رہتے کہ یہ امت نہایت اعتدال پر ہے۔ نیز اسی آیت میں اللہ تعالیٰ نے اس امت کو گواہ قرار دے کر دوسرے لوگوں پر اس کی بات کو حجت قرار دیا ہے۔ اس سے بھی یہ ثابت ہوا کہ اس امت کا اجماع حجت ہے۔

(نوادر الفقہ ص ۳۰۔ از مؤلف: مفتی محمد رفیع عثمانی مدظلہ)

آیت 2 وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ وَسَآءَتْ مَصِيْرًا۔

(النساء: ۱۱۵)

ترجمہ: اور جو شخص اپنے سامنے ہدایت واضح ہونے کے بعد بھی رسول اللہ (ﷺ) کی مخالفت کرے، اور مومنوں کے راستے کے سوا کسی اور راستے کی پیروی کرے۔ اس کو ہم اسی راہ کے حوالے کر دیں گے جو اس نے خود اپنائی ہے، اور اسے دوزخ میں جھونکیں گے، اور وہ بہت برا ٹھکانا ہے۔

☆ حضرت مولانا مفتی محمد شفیعؒ اس آیت کی تفسیر میں بیان فرماتے ہیں:

اس آیت میں دو چیزوں کا جرم عظیم اور دخول جہنم کا سبب ہونا بیان فرمایا ہے۔ ایک مخالفت رسول ﷺ، اور یہ ظاہر ہے کہ مخالفت رسول ﷺ کفر اور وبال عظیم ہے۔ دوسرے جس کام پر سب مسلمان متفق ہوں اسے چھوڑ کر ان کے خلاف کوئی راستہ اختیار کرنا۔ اس سے معلوم ہوا کہ اجماع امت حجت ہے، یعنی جس طرح قرآن وسنت کے بیان کردہ احکام پر عمل کرنا واجب ہوتا ہے، اسی طرح امت کا اتفاق جس چیز پر ہو جائے اس پر بھی عمل کرنا واجب ہے اور اس کی مخالفت گناہ عظیم ہے جیسا کہ آپ ﷺ نے ایک حدیث میں ارشاد فرمایا:

"يَدُ اللّٰهِ عَلَى الْجَمَاعَةِ وَمَنْ شَذَّ شُذَّ فِي النَّارِ"

یعنی جماعت پر اللہ تعالیٰ کا ہاتھ ہے اور جو شخص جماعت مسلمین سے علیحدہ ہو گیا وہ علیحدہ کر کے جہنم میں ڈالا جائے گا۔

حضرت امام شافعیؒ نے مذکورہ آیت کو علماء کے سامنے بیان کیا تو سب نے اقرار کیا کہ اجماع کی حجیت پر یہ دلیل کافی ہے۔

(معارف القرآن ج ۲ ص ۵۴۲)

☆ حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی مدظلہ اس آیت کے تحت فرماتے ہیں:

معلوم ہوا کہ امت کے متفقہ فیصلے (اجماع) کی مخالفت گناہ عظیم ہے۔

(نوادر الفقہ ص ۶۷، المؤلف: مفتی محمد رفیع عثمانی مدظلہ)

2 علمائے اُمت کے تفسیری اقوال

۱ حضرت امام ابراہیم بن موسیٰ بن محمد الشاطبیؒ (المتوفی ۷۹۰ھ) فرماتے ہیں:

ثُمَّ إِنَّ عَامَّةَ الْعُلَمَاءِ اسْتَدَلُّوا بِهَا عَلَى كَوْنِ الْإِجْمَاعِ حُجَّةً وَأَنَّ مُخَالِفَهُ عَاصٍ، وَعَلَى أَنَّ الِابْتِدَاعَ فِي الدِّينِ مَذْمُومٌ.

(الموافقات ج ۳ ص ۲۰۹، المؤلف: إبراهيم بن موسى بن محمد اللخمي الغرناطي الشهير بالشاطبي رحمه الله (المتوفى ۷۹۰ھ)، المحقق: أبو عبيدة مشهور بن حسن آل سلمان، الناشر: دار ابن عفان، الطبعة: الطبعة الأولى ۱۴۱۷ھ)

ترجمہ: پھر عام علماء نے اس آیت سے استدلال کیا ہے کہ اجماع حجت ہے اور اس کا مخالف گناہگار ہے، اور یہ استدلال بھی کیا ہے کہ دین میں بدعت نکالنا مذموم ہے۔

۲ حضرت امام بقاعیؒ فرماتے ہیں:

وهذه الآية دالة على أن الإجماع حجة لأنه لا يتوعد إلا على مخالفة الحق.

(نظم الدرر في تناسب الآيات والسور ج ۵ ص ۴۰۲، المؤلف: إبراهيم بن عمر بن حسن الرباط بن علي بن أبي بكر البقاعي (المتوفى ۸۸۵ھ)، الناشر: دار الكتاب الإسلامي، القاهرة)

ترجمہ: یہ آیت دلیل ہے کہ اجماعِ امت حجت ہے، اس لیے کہ دوزخ کی وعید تو حق کی مخالفت پر ہی ہوتی ہے۔

۳ حافظ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں:

وَقَوْلُهُ: "وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ" هَذَا مُلَازِمٌ لِلصِّفَةِ الْأُولَى، وَلَكِنْ قَدْ تَكُونُ الْمُخَالَفَةُ لِنَصِّ الشَّارِعِ، وَقَدْ تَكُونُ لِمَا أَجْمَعَتْ عَلَيْهِ الْأُمَّةُ الْمُحَمَّدِيَّةُ فِيمَا عُلِمَ اتِّفَاقُهُمْ عَلَيْهِ تَحْقِيقًا، فَإِنَّهُ قَدْ

عبد الرحمن المرعشلي، الناشر: دار إحياء التراث العربي، بيروت، الطبعة: الأولى ١٤١٨هـ)

ترجمہ: یہ آیت اس پر دلالت کرتی ہے کہ اجماع کی مخالفت حرام ہے۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے بڑی سخت وعید اس پر بیان فرمائی ہے جو ہدایت کی مخالفت کرتا ہے اور مومنین کے راستے کے علاوہ کوئی دوسرا راستہ اختیار کرتا ہے۔

5 شیخ ابو اللیث نصر بن محمد احمد سمرقندی (المتوفی ۳۷۳ھ) اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

وفي الآية دليل أن الإجماع حجة، لأن من خالف الإجماع فقد خالف سبيل المؤمنين.

(بحر العلوم، ج ۱ ص ۳۳۸، المؤلف: أبو الليث نصر بن محمد بن أحمد بن إبراهيم السمرقندي (المتوفى ۳۷۳هـ)

ترجمہ: آیت میں اس پر دلیل ہے کہ اجماع امت حجت ہے کیونکہ جس نے اجماع کی مخالفت کی تو اس نے سبیل المؤمنین کی مخالفت کی۔

3 حدیث سے اجماعِ اُمت کی حجیت

علمائے امت نے اجماع کی حجیت کا استدلال بعض احادیث مبارکہ سے کیا ہے۔ ان میں سے دو حدیثیں یہاں درج کرتے ہیں:

1 **حَدَّثَنِي هَارُونُ بْنُ عَبْدِ اللهِ وَحَجَّاجُ بْنُ الشَّاعِرِ، قَالَا: حَدَّثَنَا حَجَّاجُ بْنُ مُحَمَّدٍ، قَالَ: قَالَ ابْنُ جُرَيْجٍ: أَخْبَرَنِي أَبُو الزُّبَيْرِ، أَنَّهُ سَمِعَ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللهِ يَقُولُ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: لَا تَزَالُ طَائِفَةٌ مِنْ أُمَّتِي يُقَاتِلُونَ عَلَى الْحَقِّ ظَاهِرِينَ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ.**

(مسلم رقم ۱۹۲۳: ۲۴۷، ترقیم فؤاد عبد الباقی؛ مسلم ج ۲ ص ۱۴۳ طبع قدیمی کتب خانہ کراچی)

ترجمہ: حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے: میری امت کا ایک گروہ (قریب) قیامت تک

2 عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنَّ اللّٰهَ لَا يَجْمَعُ أُمَّتِي - أَوْ قَالَ: أُمَّةَ مُحَمَّدٍ - عَلَى ضَلَالَةٍ، وَيَدُ اللّٰهِ عَلَى الْجَمَاعَةِ، وَمَنْ شَذَّ شَذَّ فِي النَّارِ۔ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ۔

(مشکوٰۃ رقم ۱۷۳)

ترجمہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "میری امت یا فرمایا امت محمدیہ کو اللہ تعالیٰ گمراہی پر جمع نہیں کرے گا اور خدا کا ہاتھ جماعت پر ہوتا ہے (یعنی اس کی نصرت وغلبہ یا حفاظت ورحمت)۔ اور فرمایا کہ جو شخص جماعت سے الگ ہوگا وہ جہنم کا مستحق ہوگا۔

3 حَدَّثَنَا أَبُو الْحَسَنِ مُحَمَّدُ بْنُ أَحْمَدَ بْنِ تَمِيمٍ الْأَصَمُّ بِبَغْدَادَ، ثنا جَعْفَرُ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ شَاكِرٍ، ثنا خَالِدُ بْنُ يَزِيدَ الْقَرْنِيُّ، ثنا الْمُعْتَمِرُ بْنُ سُلَيْمَانَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ دِينَارٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "لَا يَجْمَعُ اللّٰهُ هٰذِهِ الْأُمَّةَ عَلَى الضَّلَالَةِ أَبَدًا"۔ وَقَالَ: "يَدُ اللّٰهِ عَلَى الْجَمَاعَةِ فَاتَّبِعُوا السَّوَادَ الْأَعْظَمَ، فَإِنَّهُ مَنْ شَذَّ شَذَّ فِي النَّارِ"۔

(المستدرک علی الصحیحین، ج ۱ ص ۱۹۹ رقم ۳۹۱۔ المؤلف: أبو عبد الله الحاكم محمد بن عبد الله بن محمد بن حمدويه بن نعيم بن الحكم الضبي الطهماني النيسابوري المعروف بابن البيع رحمه الله (المتوفى ۴۰۵ھ)۔ تحقيق: مصطفى عبد القادر عطا۔ الناشر: دار الكتب العلمية، بيروت۔ الطبعة: الأولى ۱۴۱۱ھ)

ترجمہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "میری امت کو اللہ تعالیٰ گمراہی پر کبھی بھی جمع نہیں کرے گا اور خدا کا ہاتھ جماعت پر ہوتا ہے (یعنی اس کی نصرت وغلبہ یا حفاظت ورحمت)۔ اور فرمایا کہ جو شخص جماعت سے الگ ہوگا وہ جہنم کا مستحق ہوگا۔

استدلال: علمائے امت نے اس حدیث کے پیش نظر کہا ہے کہ چونکہ ساری امت کسی گمراہی پر جمع نہیں ہو سکتی، اس لیے امت کا اتفاق مستقل حجت ہوگا۔

فِي كِتَابِ اللهِ فَانْظُرْ سُنَّةَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاقْضِ بِهَا. فَإِنْ جَاءَكَ مَا لَيْسَ فِي كِتَابِ اللهِ وَلَيْسَ فِيهِ سُنَّةٌ مِنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. فَانْظُرْ مَا اجْتَمَعَ النَّاسُ عَلَيْهِ فَخُذْ بِهِ. فَإِنْ جَاءَكَ مَا لَيْسَ فِي كِتَابِ اللهِ وَلَمْ يَكُنْ فِيهِ سُنَّةٌ مِنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. وَلَمْ يَتَكَلَّمْ فِيهِ أَحَدٌ قَبْلَكَ فَاخْتَرْ أَيَّ الْأَمْرَيْنِ شِئْتَ: إِنْ شِئْتَ أَنْ تَجْتَهِدَ بِرَأْيِكَ وَتَقَدَّمَ فَتَقَدَّمْ. وَإِنْ شِئْتَ أَنْ تَتَأَخَّرَ فَتَأَخَّرْ. وَلَا أَرَى التَّأَخُّرَ إِلَّا خَيْرًا لَكَ"

(الكتاب المصنف في الأحاديث والآثار (مصنف ابن ابی شیبہ) ج ۴ ص ۵۴۳ رقم ۲۲۹۹۰۔ المؤلف: أبو بكر بن أبي شيبة، عبد الله بن محمد بن إبراهيم بن عثمان بن خواستي العبسي (المتوفى ۲۳۵ھ)۔ المحقق: كمال يوسف الحوت۔ الناشر: مكتبة الرشد، الرياض۔ الطبعة: الأولى، ۱۴۰۹ھ)

ترجمہ: حضرت قاضی شریح بیان فرماتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے ہدایات دیتے ہوئے مجھے خط لکھ کر بھیجا: "جب تیرے پاس کوئی معاملہ آئے جس کا حکم قرآن مجید میں ہو تو اس کا فیصلہ اسی قرآنی حکم کے مطابق کر دینا اور لوگوں کی باتوں کی طرف توجہ نہ دینا۔ پھر اگر تیرے پاس کوئی ایسا فیصلہ آ جائے جس کا حکم کتاب اللہ میں نہ ہو تو پھر جناب رسول اللہ ﷺ کی سنت میں اس کو دیکھنا اور اسی کے مطابق فیصلہ کر دینا۔ پھر اگر کتاب اللہ اور جناب رسول اللہ ﷺ کی سنت میں بھی مسئلہ کا حل نہ ملے تو دیکھنا کہ کس بات پر لوگوں کا اجماع ہے پھر اسے لے لینا۔ پھر اگر تیرے پاس ایسا مسئلہ آ جائے جس کا حکم کتاب اللہ وسنت رسول اللہ ﷺ میں نہ ہو اور تجھ سے پہلے اس میں کسی دوسرے کا بھی قول منقول نہ ہو تو پھر دونوں طریقوں میں سے جو تجھے پسند ہو اس کو اختیار کر لے:

اگر تو چاہے تو اپنی رائے سے اجتہاد کر لے اور معاملے کو آگے چلا لے۔

۲ اگر تو اس معاملے کو مؤخر کرنا چاہے تو کر لے، اور میں تو مؤخر کرنے کو ہی بہتر جانتا ہوں۔

5 حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرٍ، حَدَّثَنَا عَاصِمٌ عَنْ زِرِّ بْنِ حُبَيْشٍ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ، قَالَ: إِنَّ اللَّهَ نَظَرَ فِي قُلُوبِ الْعِبَادِ، فَوَجَدَ قَلْبَ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَيْرَ قُلُوبِ الْعِبَادِ، فَاصْطَفَاهُ لِنَفْسِهِ، فَابْتَعَثَهُ بِرِسَالَتِهِ، ثُمَّ نَظَرَ فِي قُلُوبِ الْعِبَادِ بَعْدَ قَلْبِ مُحَمَّدٍ، فَوَجَدَ قُلُوبَ أَصْحَابِهِ خَيْرَ قُلُوبِ الْعِبَادِ، فَجَعَلَهُمْ وُزَرَاءَ نَبِيِّهِ، يُقَاتِلُونَ عَلَى دِينِهِ، فَمَا رَأَى الْمُسْلِمُونَ حَسَنًا، فَهُوَ عِنْدَ اللَّهِ حَسَنٌ، وَمَا رَأَوْا سَيِّئًا فَهُوَ عِنْدَ اللَّهِ سَيِّئٌ

(مسند احمد [illegible] ۳۶۰۰ [illegible] مسند الإمام أحمد بن حنبل، ج ۶ ص ۸۴، حدیث ۳۶۰۰، المؤلف: أبو عبد الله أحمد بن محمد بن حنبل بن هلال بن أسد الشيباني (المتوفى ۲۴۱ھ)، المحقق: شعيب الأرنؤوط، عادل مرشد، وآخرون، إشراف: د. عبد الله بن عبد المحسن التركي، الناشر: مؤسسة الرسالة، الطبعة: الأولى، ۱۴۲۱ھ)

تحقیق

مسند احمد کے محققین اس حدیث کے بارے میں فرماتے ہیں:

إسناده حسن من أجل عاصم وهو ابن أبي النجود، وبقية رجاله ثقات رجال الشيخين غير أبي بكر وهو ابن عياش، فمن رجال البخاري، وأخرج له مسلم في "المقدمة"۔

وأخرجه البزار (۱۳۰) (زوائد)، والطبراني في "الكبير" (۸۵۸۳) من طريق أبي بكر بن عياش، بهذا الإسناد۔ قال البزار: رواه بعضهم عن عاصم، عن أبي وائل، عن عبد الله۔

وأورده الهيثمي في "المجمع" (ج ۱ ص ۱۷۷-۱۷۸)، ونسبه إلى أحمد والبزار والطبراني، وقال: رجاله موثقون۔

وأخرجه بنحوه الطيالسي (۲۴۶)، ومن طريقه أبو نعيم في "الحلية" (ج ۱ ص ۳۷۵-۳۷۶)، والطبراني في "الكبير" (۸۵۸۲)، والخطيب في "الفقيه والمتفقه" (ج ۱ ص ۱۶۶-۱۶۷)، والبغوي في "شرح السنة" (۱۰۵) من طرق عن المسعودي، عن عاصم، عن أبي وائل، عن عبد الله۔

وأخرجه الطبراني في "الكبير" (٨٥٨٣) من طريق عبد السلام بن حرب، عن الأعمش، عن أبي وائل، عن عبد الله۔

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں: بیشک اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے دلوں پر نظر فرمائی۔ تو ان میں سب سے بہتر حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب مبارک کو تمام بندوں کے دلوں سے بہتر پایا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو منتخب فرمایا۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو رسالت کے لیے منتخب فرمایا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب مبارک کے بعد بندوں کے دلوں پر دوبارہ نظر فرمائی۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دلوں کو بندوں کے دلوں سے بہتر پایا۔ تو انہیں اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وزراء (وزیر) بنایا۔ جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کے لیے جہاد و قتال کرتے ہیں۔ پس جس چیز کو مسلمان (صحابہ کرام رضی اللہ عنہم) اچھا سمجھیں تو وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں بھی اچھا ہے اور جس کو مسلمان اچھا نہ سمجھیں تو وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں بھی اچھا نہیں ہے۔

7 وَقَدْ رُوِيَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ: مَا رَآهُ الْمُؤْمِنُونَ حَسَنًا فَهُوَ عِنْدَ اللهِ حَسَنٌ، وَمَا رَآهُ الْمُسْلِمُونَ قَبِيحًا فَهُوَ عِنْدَ اللهِ قَبِيحٌ

(موطأ مالك برواية محمد بن الحسن الشيباني، باب
المؤلف: مالك بن أنس بن مالك بن عامر الأصبحي المدني (المتوفى: ١٧٩هـ) تعليق وتحقيق: عبد الوهاب عبد اللطيف. الناشر: المكتبة العلمية. الطبعة: الثانية)

ترجمہ: حضرت امام محمد فرماتے ہیں کہ جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا گیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”جس چیز کو مسلمان اچھا سمجھیں تو وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں بھی اچھا ہے اور جس کو مسلمان اچھا نہ سمجھیں تو وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں بھی اچھا نہیں ہے۔“

أَخْبَرَنَا يَزِيدُ بْنُ هَارُونَ، عَنْ حَمَّادِ بْنِ سَلَمَةَ، عَنْ حُمَيْدٍ، قَالَ: قلت

لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ ۚ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ (الشوریٰ:۱۱)

ترجمہ: کوئی چیز اس کے مثل نہیں ہے، اور وہی ہے جو ہر بات سنتا سب کچھ دیکھتا ہے۔

صفاتِ باری تعالیٰ

اور

اکابر علمائے اُمت کے عقائد

تالیف

حضرت مولانا ابوحفص اعجاز احمد اشرفی غفرلہٗ
فاضل جامعہ اشرفیہ لاہور

1 خلیفۂ راشد حضرت علی رضی اللہ عنہ (المتوفی ۴۰ھ) کے عقائد

حضرت امام ابو نعیم اپنی کتاب "حِلْيَةُ الْأَوْلِيَاءِ" میں فرماتے ہیں:

۱ حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَحْمَدَ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ الْحَارِثِ، ثَنَا الْفَضْلُ بْنُ الْحُبَابِ الْجُمَحِيُّ، ثَنَا مُسَدَّدٌ، ثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ بْنُ سَعِيدٍ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ إِسْحَاقَ، عَنِ النُّعْمَانِ بْنِ سَعْدٍ، قَالَ: كُنْتُ بِالْكُوفَةِ فِي دَارِ الْإِمَارَةِ دَارِ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ، إِذْ دَخَلَ عَلَيْنَا نَوْفُ بْنُ عَبْدِ اللهِ فَقَالَ: يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ، بِالْبَابِ أَرْبَعُونَ رَجُلًا مِنَ الْيَهُودِ، فَقَالَ عَلِيٌّ: عَلَيَّ بِهِمْ.

۲ فَلَمَّا وَقَفُوا بَيْنَ يَدَيْهِ قَالُوا لَهُ: يَا عَلِيُّ! صِفْ لَنَا رَبَّكَ هَذَا الَّذِي فِي السَّمَاءِ، كَيْفَ هُوَ؟ وَكَيْفَ كَانَ؟ وَمَتَى كَانَ؟ وَعَلَى أَيِّ شَيْءٍ هُوَ؟

۳ فَاسْتَوَى عَلِيٌّ جَالِسًا وَقَالَ: مَعْشَرَ الْيَهُودِ! اِسْمَعُوا مِنِّي وَلَا تُبَالُوا أَنْ لَا تَسْأَلُوا أَحَدًا غَيْرِي. إِنَّ رَبِّي عَزَّ وَجَلَّ هُوَ الْأَوَّلُ لَمْ يَبْدُ مِمَّا، وَلَا مُمَازِجٌ مَعَمًا، وَلَا حَالٌ وَهْمًا، وَلَا شَبَحٌ يَتَقَصَّى، وَلَا مَحْجُوبٌ فَيُحْوَى، وَلَا كَانَ بَعْدَ أَنْ لَمْ يَكُنْ فَيُقَالَ: حَادِثٌ

۴ بَلْ جَلَّ أَنْ يُكَيِّفَ الْمُكَيِّفُ لِلْأَشْيَاءِ، كَيْفَ كَانَ، بَلْ لَمْ يَزَلْ وَلَا يَزُولُ لِاخْتِلَافِ الْأَزْمَانِ، وَلَا لِتَقَلُّبِ شَأْنٍ بَعْدَ شَأْنٍ، وَكَيْفَ يُوصَفُ بِالْأَشْبَاحِ، وَكَيْفَ يُنْعَتُ بِالْأَلْسُنِ الْفِصَاحِ مَنْ لَمْ يَكُنْ فِي الْأَشْيَاءِ فَيُقَالَ: بَائِنٌ، وَلَمْ يَبِنْ عَنْهَا فَيُقَالَ: كَائِنٌ، بَلْ هُوَ بِلَا كَيْفِيَّةٍ.

۵ وَهُوَ أَقْرَبُ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيدِ، وَأَبْعَدُ فِي الشَّبَهِ مِنْ كُلِّ بَعِيدٍ، لَا يَخْفَى عَلَيْهِ مِنْ عِبَادِهِ شُخُوصُ لَحْظَةٍ، وَلَا كُرُورُ لَفْظَةٍ، وَلَا ازْدِلَافُ رَقْوَةٍ،

ولا انبساط خطوة في غسق ليل داج ولا إدلاج. لا يتغشى عليه القمر المنير، ولا انبساط الشمس ذات النور بضوءها في الكرور، ولا إقبال ليل مقبل، ولا إدبار نهار مدبر، إلا وهو محيط بما يريد من تكوينه. فهو العالم بكل مكان، وكل حين وأوان، وكل نهاية ومدة. والأمد إلى الخلق مضروب، والحد إلى غيره منسوب.

- لم يخلق الأشياء من أصول أولية، ولا بأوائل كانت قبله بدية. بل خلق ما خلق فأقام خلقه، وصور ما صور فأحسن صورته توحد في علوه، فليس لشيء منه امتناع، ولا له بطاعة شيء من خلقه انتفاع. إجابته للداعين سريعة، والملائكة في السماوات والأرضين له مطيعة.
- علمه بالأموات الماضين كعلمه بالأحياء المتقلبين، وعلمه بما في السماوات العلى كعلمه بما في الأرضين السفلى، وعلمه بكل شيء، لا تحيره الأصوات، ولا تشغله اللغات، سميع للأصوات المختلفة، بلا جوارح له مؤتلفة. مدبر، بصير، عالم بالأمور، حي، قيوم، سبحانه.
- كلم موسى تكليما بلا جوارح ولا أدوات، ولا شفة ولا لهوات، سبحانه وتعالى عن تكييف الصفات. من زعم أن إلهنا محدود، فقد جهل الخالق المعبود.
- ومن ذكر أن الأماكن به تحيط، لزمته الحيرة والتخليط؛ بل هو المحيط بكل مكان. فإن كنت صادقا أيها المتكلف لوصف الرحمن، بخلاف التنزيل والبرهان، فصف لي جبريل وميكائيل وإسرافيل، هيهات! أتعجز عن صفة مخلوق مثلك، وتصف الخالق المعبود، وأنت تدرك صفة رب الهيئة والأدوات، فكيف من لم تأخذه سنة ولا نوم، له ما في الأرضين والسماوات وما بينهما،

اسے نہ ثقل زائل کرتی ہے، بلکہ تمام اعضاء کے بغیر ہی وہ مختلف آوازوں کی سماعت فرماتا ہے۔ حی لایموت ہے، قرآن ہے، تمام معاملات سے آگاہ و باخبر ہے، زندہ ہے، قائم بالذات اور قائم رکھنے والا ہے۔ اس کی ذات (ہر عیب، نقص، جہت اور شریک سے) پاک ہے۔

۸ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے بغیر جوارح اور آلات، بغیر ہونٹ اور حلق کے کلام کیا ہے۔ وہ ذات صفات کی کیفیت سے پاک اور منزہ ہے۔ جس شخص نے یہ گمان کیا کہ ذات الٰہی محدود ہے تو وہ وثوق اور شعور سے جاہل ہے۔

۹ جس شخص نے اس کا ذکر کیا کہ مکان اس کا احاطہ کر سکتے ہیں تو حیرت، بے بسی اور تحلیل (خلط ملط ہونا) اس کو لازم ہے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ ہی ہر مکان کا احاطہ کرنے والے ہیں۔ اے مخاطب! اگر تو دعویٰ اور بیان کے تعارف اللہ تعالیٰ کے اوصاف بیان کرنے میں لگا ہے تو پھر حضرت جبرئیل علیہ السلام، حضرت میکائیل علیہ السلام، حضرت اسرافیل علیہ السلام کی صفت ہی بیان کر دے۔ ہائے افسوس! کیا تو اپنی جیسی مخلوق کی صفت بیان کرنے سے عاجز ہے جب کہ تو خالق اور معبود کی صفت کو بیان کر رہا ہے؟ اور تو ہیئت اور آلات کے رب کی صفت تک پہنچنے کا دعویٰ کرتا ہے؟ تو کیسے اس ذات کو معلوم کر سکتا ہے؟ جس کو نہ اونگھ آتی ہے اور نہ نیند، وہی زمینوں، آسمانوں اور ان کے درمیان تمام چیزوں کا مالک ہے، وہ عرش عظیم کا بھی مالک ہے۔

2 حضرت امام ابوحنیفہؒ (المتوفی ۱۵۰ھ) کے عقائد

صحابہ کرام ﷺ کے آخری دور میں جب اکابر صحابہ کرام ﷺ اور کبار علماء تابعین دنیا سے رخصت ہوگئے تو گمراہ فرقوں کا خروج اور ظہور شروع ہوا اور خوارج، روافض، قدریہ اور جہمیہ جیسے اہل ہویٰ و اہل بدعت ظاہر ہوئے تو ضرورت ہوئی کہ صحابہ کرام ﷺ کے مسلک کے مطابق عقائد حقہ کو مدون کیا جائے۔ اس بارے میں سب سے پہلے حضرت امام اعظم ابوحنیفہ نعمان بن ثابت کوفی (المتوفی ۱۵۰ھ) نے توجہ فرمائی اور اس سلسلہ میں چند رسائل اپنے اصحاب کو املاء کرائے:

1 فقہ اکبر

2 فقہ ابسط

3 کتاب العالم والمتعلم

4 کتاب الوصیت

5 رسالہ در بارہ تحقیق استطاعت وغیرہ

یہی رسائل اسلام میں علم کلام کی بنیاد ہے۔ فقہ اکبر کے دو نسخے ہیں: ایک کو روایت کرنے والے حضرت حماد بن ابی حنیفہ ہیں جس کی شرح ملا علی قاری نے کی ہے۔ دوسرے نسخے کی روایت حضرت ابو مطیع بلخی نے کی ہے۔ وہ "فقہ ابسط" کے نام سے مشہور و معروف ہے۔

حضرت امام ابوحنیفہ کی کتاب "الفقہ الاکبر" کی شرح حضرت ملا علی القاری کی "شرح الفقہ الاکبر" بہت مشہور و معروف ہے۔

ان رسائل میں حضرت امام ابوحنیفہ نے اصول دین اور عقائد اسلام کو واضح اور منقح فرمایا اور خوارج، شیعہ، قدریہ اور دہریہ کے شکوک و شبہات کے جوابات دیئے اور چونکہ بصرہ ان فرق باطلہ کا مرکز تھا۔ اس لیے حضرت امام ابوحنیفہ نے بیس مرتبہ سے زیادہ بغرض مناظرہ بصرہ کا سفر فرمایا اور لوگوں کو دلائل اور

براہین سے مسائل ثابت اور جواب کیا جس سے تمام بلادِ اسلامیہ میں آپ کے فضل و کمال کا ڈنکا بج گیا اور آپ کے اصحاب اور تلامذہ نے بھی احقاقِ حق اور ابطالِ باطل میں یہی طریقہ اختیار کیا۔ خاص کر حضرت امام ابو یوسف، حضرت امام محمد، حضرت امام زفر اور آپ کے صاحبزادے حضرت حماد بن ابی حنیفہ متکلمین اور مخالفین کے مناظروں میں معروف و مشہور ہوئے۔ یہ رسائل اگرچہ نہایت مختصر تھے مگر بقدرِ ضرورت اصولِ دین کی تحقیق پر مشتمل تھے لیکن مبوب اور مرتب نہ تھے۔

قاضی کمال الدین احمد بیاضی رومی جو گیارھویں صدی کے اکابر علماءِ روم میں سے ہیں۔ انہوں نے حضرت امام ابوحنیفہؒ کے ان مبارک رسائل کو بحذفِ مکررات اور بحذفِ سوال و جواب متکلمین کی طرز پر ترتیب دے کر ایک متن تیار کیا جس کا نام "الأصول المنيفة للإمام أبي حنيفة" رکھا۔ متن میں اس امر کا خاص لحاظ رکھا کہ حضرت امام ابوحنیفہؒ کے الفاظ محفوظ رہیں اور ان میں تغیر و تبدل نہ ہونے پائے۔ پھر اس کی ایک مبسوط شرح لکھی جس کا نام "اشارات المرام من عبارات الإمام" رکھا جو دلائلِ عقلیہ اور نقلیہ کا عجیب خزانہ ہے۔

اَلْفِقْهُ الْاَكْبَر میں بیان کردہ عقائد

وحدانية الله تعالىٰ

وَالله تَعَالَىٰ وَاحِدٌ لَا مِنْ طَرِيقِ الْعَدَدِ وَلَكِنْ مِنْ طَرِيقِ أَنَّهُ لَا شَرِيكَ لَهُ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُولَدْ وَلَمْ يَكُنْ لَهُ كُفُوًا أَحَدٌ. لَا يُشْبِهُ شَيْئًا مِنَ الْأَشْيَاءِ مِنْ خَلْقِهِ وَلَا يُشْبِهُهُ شَيْءٌ مِنْ خَلْقِهِ لَمْ يَزَلْ وَلَا يَزَالُ بِأَسْمَائِهِ وَصِفَاتِهِ الذَّاتِيَّةِ وَالْفِعْلِيَّةِ.

الصِّفَاتُ الذَّاتِيَّةُ وَالْفِعْلِيَّةُ

أَمَّا الذَّاتِيَّةُ فَالْحَيَاةُ وَالْقُدْرَةُ وَالْعِلْمُ وَالْكَلَامُ وَالسَّمْعُ وَالْبَصَرُ

والإرادة. وأما الفعلية فالتخليق والترزيق والإنشاء والإبداع والصنع وغير ذلك من صفات الفعل لم يزل ولا يزال بصفاته وأسمائه لم يحدث له صفة ولا اسم.

صفات الله أزلية

لم يزل عالما بعلمه والعلم صفة في الأزل وقادرا بقدرته والقدرة صفة في الأزل ومتكلما بكلامه والكلام صفة في الأزل وخالقا بتخليقه والتخليق صفة في الأزل وفاعلا بفعله والفعل صفة في الأزل والفاعل هو الله تعالى والفعل صفة في الأزل والمفعول مخلوق. وفعل الله تعالى غير مخلوق.

القول في القرآن

وصفاته في الأزل غير محدثة ولا مخلوقة ومن قال إنها مخلوقة أو محدثة أو وقف أو شك فيهما فهو كافر بالله تعالى. والقرآن كلام الله تعالى في المصاحف مكتوب، وفي القلوب محفوظ، وعلى الألسن مقروء، وعلى النبي عليه الصلاة والسلام منزل، ولفظنا بالقرآن مخلوق، وكتابتنا له مخلوقة، وقراءتنا له مخلوقة، والقرآن غير مخلوق.

وما ذكره الله تعالى في القرآن حكاية عن موسى وغيره من الأنبياء عليهم السلام وعن فرعون وابليس فإن ذلك كله كلام الله تعالى إخبارا عنهم. وكلام الله تعالى غير مخلوق وكلام موسى وغيره من المخلوقين، والقرآن كلام الله تعالى فهو قديم، لا كلامهم، وسمع موسى عليه السلام كلام الله تعالى كما في قوله تعالى: وكلم الله موسى تكليما. وقد كان الله تعالى متكلما ولم يكن كلم موسى عليه السلام وقد كان الله تعالى خالقا في الأزل ولم يخلق الخلق فلما كلم الله موسى كلمه بكلامه الذي هو له صفة

فِي الْأَزَلِ وَصِفَاتُه كُلُّهَا بِخِلَافِ صِفَاتِ الْمَخْلُوقِيْنَ يَعْلَمُ لَا كَعِلْمِنَا وَيَقْدِرُ لَا كَقُدْرَتِنَا وَيَرٰى لَا كَرُؤْيَتِنَا.

وَيَتَكَلَّمُ لَا كَكَلَامِنَا وَيَسْمَعُ لَا كَسَمْعِنَا وَنَحْنُ نَتَكَلَّمُ بِالْآلَاتِ وَالْحُرُوْفِ وَاللّٰهُ تَعَالٰى يَتَكَلَّمُ بِلَا آلَةٍ وَلَا حُرُوْفٍ وَالْحُرُوْفُ مَخْلُوْقَةٌ وَكَلَامُ اللّٰهِ تَعَالٰى غَيْرُ مَخْلُوْقٍ وَهُوَ شَيْءٌ لَا كَالْأَشْيَاءِ وَمَعْنَى الشَّيْءِ الثَّابِتُ بِلَا جِسْمٍ وَلَا جَوْهَرٍ وَلَا عَرَضٍ وَلَا حَدَّ لَهُ وَلَا ضِدَّ لَهُ وَلَا نِدَّ لَهُ وَلَا مِثْلَ لَهُ

اَلْقَوْلُ فِي الصِّفَاتِ

وَلَهُ يَدٌ وَوَجْهٌ وَنَفْسٌ كَمَا ذَكَرَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى فِي الْقُرْآنِ فَمَا ذَكَرَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى فِي الْقُرْآنِ مِنْ ذِكْرِ الْوَجْهِ وَالْيَدِ وَالنَّفْسِ فَهُوَ لَهُ صِفَاتٌ بِلَا كَيْفٍ. وَلَا يُقَالُ: إِنَّ يَدَهُ قُدْرَتُه أَوْ نِعْمَتُه لِأَنَّ فِيْهِ إِبْطَالَ الصِّفَةِ وَهُوَ قَوْلُ أَهْلِ الْقَدَرِ وَالْاِعْتِزَالِ وَلٰكِنْ يَدُهُ صِفَتُه بِلَا كَيْفٍ وَغَضَبُه وَرِضَاهُ صِفَتَانِ مِنْ صِفَاتِ اللّٰهِ تَعَالٰى بِلَا كَيْفٍ.

اَلْقَوْلُ فِي الْقَدَرِ

خَلَقَ اللّٰهُ تَعَالَى الْأَشْيَاءَ لَا مِنْ شَيْءٍ وَكَانَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَالِمًا فِي الْأَزَلِ بِالْأَشْيَاءِ قَبْلَ كَوْنِهَا وَهُوَ الَّذِيْ قَدَّرَ الْأَشْيَاءَ وَقَضَاهَا وَلَا يَكُوْنُ فِي الدُّنْيَا وَلَا فِي الْآخِرَةِ شَيْءٌ إِلَّا بِمَشِيْئَتِه وَعِلْمِه وَقَضَائِه وَقَدَرِه وَكَتَبَه فِي اللَّوْحِ الْمَحْفُوْظِ وَلٰكِنْ كَتَبَه بِالْوَصْفِ لَا بِالْحُكْمِ وَالْقَضَاءُ وَالْقَدَرُ وَالْمَشِيْئَةُ صِفَاتُه فِي الْأَزَلِ بِلَا كَيْفٍ يَعْلَمُ اللّٰهُ تَعَالٰى فِي الْمَعْدُوْمِ فِي حَالِ عَدَمِه مَعْدُوْمًا وَيَعْلَمُ أَنَّه كَيْفَ يَكُوْنُ إِذَا أَوْجَدَهُ وَيَعْلَمُ اللّٰهُ الْمَوْجُوْدَ فِي حَالِ وُجُوْدِه وَيَعْلَمُ أَنَّه كَيْفَ فَنَاؤُهُ وَيَعْلَمُ اللّٰهُ الْقَائِمَ فِي حَالِ قِيَامِه قَائِمًا وَإِذَا قَعَدَ فَقَدْ عَلِمَه قَاعِدًا فِي حَالِ قُعُوْدِه مِنْ غَيْرِ أَنْ يَتَغَيَّرَ عِلْمُه أَوْ يَحْدُثَ لَهُ عِلْمٌ وَلٰكِنَّ التَّغَيُّرَ وَالْاِخْتِلَافَ يَحْدُثُ عِنْدَ الْمَخْلُوْقِيْنَ.

(الفقہ الاکبر ص ۱۴، ۲۹ ـ الناشر: مکتبۃ الفرقان، الإمارات العربیۃ۔ الطبعۃ: الأولی ۱۴۱۹ھ)

ترجمہ توحید باری تعالیٰ

(اس پر بھی ہمارا ایمان ہے کہ) اللہ تعالیٰ واحد اور یکتا ہے لیکن عدد کے لحاظ سے نہیں بلکہ اس اعتبار سے کہ اس کا کوئی شریک نہیں ہے۔ نہ اس کی کوئی اولاد ہے اور نہ وہ کسی کی اولاد ہے۔ اور اس کے جوڑ کا کوئی بھی نہیں۔ وہ اپنی مخلوق میں سے کسی چیز کے مشابہ نہیں اور نہ اس کی مخلوق میں سے کوئی چیز اس سے مشابہت رکھتی ہے۔ وہ اپنے اسماء اور اپنی صفاتِ ذاتیہ و صفاتِ فعلیہ کے ساتھ ہمیشہ سے موصوف رہا ہے اور ان کے ساتھ ہمیشہ متصف رہے گا۔

صفاتِ ذاتیہ اور فعلیہ

وہ اپنے اسماء اور اپنی صفاتِ ذاتیہ مثلاً حیات، قدرت، علم، کلام، سمع، بصر اور ارادہ سے اور اسی طرح صفاتِ فعلیہ مثلاً پیدا کرنا، رزق دینا، ایجاد کرنا اور بغیر کسی سابق مثال کے کسی چیز کو پیدا کرنا اور بنانا وغیرہ کے ساتھ ہمیشہ سے موصوف رہا ہے اور ان کے ساتھ ہمیشہ متصف رہے گا۔ اس کی کوئی صفت اور نام ایسا نہیں ہے کہ وہ نو پیدا اور حادث ہو۔

صفاتِ ازلیہ

وہ ہمیشہ سے اپنے علم کے ساتھ موصوف اور عالم رہا ہے اور علم اس کی ازلی صفت ہے اور وہ ہمیشہ سے اپنی قدرت سے متصف اور قادر ہے اور قدرت اس کی ازلی صفت ہے اور وہ متکلم اور اپنے کلام سے موصوف ہے اور کلام اس کی ازلی صفت ہے اور وہ اپنی صفتِ تخلیق سے موصوف اور خالق ہے اور تخلیق اس کی ازلی صفت ہے اور وہ اپنے فعل سے متصف اور فاعل ہے اور فعل اس کی ازلی صفت ہے اور مفعول مخلوق ہے

اور اللہ تعالیٰ کا شئ مخلوق نہیں ہے۔

پس کل یہ جملہ صفات ازلی ہیں، جو غیر حادث ہیں اور جس شخص نے یہ کہا کہ اس کی صفت مخلوق یا نو پیدا ہیں یا اس نے ان میں توقف اور شک کیا تو وہ اللہ تعالیٰ کا منکر اور کافر ہے۔

قرآن مجید کے بارے میں قول

قرآن مجید اللہ تعالیٰ کا کلام ہے جو صحیفوں میں لکھا ہوا ہے اور حفاظ کرام کے دلوں میں محفوظ ہے اور زبانوں سے پڑھا جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے جناب رسول اللہ ﷺ پر نازل ہوا ہے اور ہمارا قرآن مجید کو پڑھنا اور اس کا لکھنا تو مخلوق اور حادث ہے (مگر خود) قرآن غیر مخلوق ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور دیگر انبیاء کرام علیہم السلام سے اللہ تعالیٰ نے بطور حکایت جو کچھ بیان فرمایا ہے اور فرعون اور ابلیس سے اس نے جو کچھ نقل کیا ہے تو یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے جو ان سے خبر دیتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا کلام غیر مخلوق ہے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام اور دیگر مخلوق کا کلام مخلوق و حادث ہے اور قرآن کریم اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔ سو وہ قدیم ہے، نہ یہ کہ مخلوق کے کلام کی طرح حادث ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کا کلام سنا ہے جیسا کہ ارشاد باری ہے:

وَكَلَّمَ اللّٰهُ مُوْسٰى تَكْلِيْمًا

ترجمہ: اور اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کلام کیا۔

(مگر) اللہ تعالیٰ اس وقت بھی متکلم تھا جب کہ اس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کلام نہیں کیا تھا۔ اللہ تعالیٰ اس وقت ازل میں بھی خالق تھا جب کہ اس نے مخلوق کو پیدا نہیں کیا تھا۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ (شوریٰ:۱۱)

ترجمہ: کوئی چیز اس کے مثل نہیں ہے، اور وہی ہے جو ہر بات سنتا، سب کچھ دیکھتا ہے۔

پس جب اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کلام کیا تو اللہ تعالیٰ نے اسی کلام کے
سبب جو اس کی ازلی صفت ہے، کلام کیا۔ اس کی تمام صفات مخلوق کی صفات سے
بالکل الگ ہیں۔ وہ جانتا ہے لیکن نہ اس طرح جیسے ہم جانتے ہیں۔ وہ قادر ہے لیکن
ہماری طرح اس کی قدرت نہیں۔ وہ دیکھتا ہے مگر ہماری طرح نہیں دیکھتا۔ وہ کلام کرتا
ہے مگر ہمارے کلام کی مانند نہیں۔ وہ سنتا ہے مگر ایسا نہیں جیسے ہم سنتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ
ہماری طرح آلات و حروف کے ساتھ کلام نہیں کرتا کیونکہ حروف مخلوق ہیں اور اللہ
تعالیٰ کا کلام مخلوق نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ ''شئی'' ہے مگر دیگر اشیاء کی طرح نہیں۔ اور
''شئی'' کے معنی ثابت کے ہیں۔ وہ جسم، جوہر و عرض نہیں ہے۔ نہ تو اس کی حد ہے،
اور نہ ضد۔ اور نہ مقابل ہے اور نہ مثل۔

صفات کے بارے میں قول

اس کے لیے ہاتھ، وجہ اور نفس ہے جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا ہے۔ جو
اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں چہرے، ہاتھ اور نفس کا ذکر کیا ہے تو یہ اللہ تعالیٰ کی بلا
کیف صفات ہیں۔ یعنی ان کی کیفیت معلوم نہیں ہے اور یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ ''ید''
سے مراد قدرت اور نعمت ہے کیونکہ ایسا کہنے سے اس کی صفت کا ابطال لازم آتا ہے
یہ منکرین تقدیر اور معتزلہ کا مذہب ہے۔ بلکہ یہ کہنا چاہیے کہ ہاتھ اس کی مجہول
الکیفیت صفت ہے۔ اللہ تعالیٰ کا غضب اور اس کی رضا بھی اس کی صفتیں ہیں لیکن بلا
کیف۔

تقدیر کے بارے میں قول

اس نے تمام اشیاء کو پیدا کیا ہے لیکن بغیر کسی مادہ کے۔ اللہ تعالیٰ ازل ہی سے تمام
اشیاء کا عالم ہے جب کہ وہ اشیاء ظاہر نہ ہوئی تھیں اور اللہ تعالیٰ ہی نے تمام اشیاء کو
ایک اندازہ ٹھہرایا اور ان کے بارے میں فیصلہ صادر فرمایا ہے۔ دنیا اور آخرت میں
کوئی چیز ایسی نہیں جو اس کی مشیت، علم اور قضا و قدر کے بغیر وقوع پذیر ہو سکے اور اس

نے یہ لوح محفوظ میں درج کر دیا ہے لیکن اس کی یہ تخصیص وصف کے لحاظ اور تقدیر سے وہ لوح محفوظ میں مندرج ہے نہ کہ تقسیم کے اعتبار سے۔ قضا وقدر درحقیقت اللہ تعالیٰ کی ازلی صفتیں ہیں جو بلا کیف۔ اللہ تعالیٰ معدوم کو اس کے معدوم ہونے کی حالت میں بھی جانتا ہے اور یہ بھی جانتا ہے کہ جب اس کو پیدا کرے گا تو وہ کیسا ہوگا؟ اور موجود چیز کو اس کی موجودگی کی حالت میں جانتا ہے۔ وہ یہ بھی جانتا ہے کہ وہ کس طرح فنا ہوگی اور وہ قائم کو حالت قیام میں جانتا ہے اور جب وہ بیٹھ جائے تو اس کو حالت قعود میں جانتا ہے۔ لیکن اس کے علم میں کسی قسم کا تغیر واقع نہیں ہوتا اور نہ اس کے لیے کوئی نیا علم حادث ہو کر حاصل ہوتا ہے۔ یہ تغیر اور اختلاف جو کچھ بھی ہے تو یہ مخلوق کے ہاں ہوتا ہے۔

3 حضرت امام طحاویؒ (المتوفی ۳۲۱ھ) کے عقائد

امام طحاویؒ کی علم حدیث میں شرح معانی الآثار اور مشکل الآثار نہایت عظیم القدر تالیفات ہیں۔ علامہ ابن حزمؒ نے معانی الآثار کو موطا امام مالکؒ پر ترجیح بھی دی ہے۔ حضرت امام ابو حنیفہؒ کے بعد حضرت امام طحاویؒ (المتوفی ۳۲۱ھ) نے **بیان اعتقاد أهل السنة والجماعة على مذهب الفقهاء الملة أبي حنيفة رحمه الله وأبي يوسف رحمه الله ومحمد بن الحسن رحمه الله** المعروف بہ **"العقيدة الطحاوية"** میں اہل السنت والجماعت کے عقائد کی ایک پوری تصویر لی۔ امام طحاویؒ نے آخر کتاب میں مذاہب ردیہ باطلہ: فرقہ مجسمہ، جہمیہ، جبریہ وقدریہ اور ان جیسے دوسرے فرقوں سے براءت ظاہر کی۔ جنت وجہنم دونوں کو مخلوق وموجود اور کبھی نہ فنا ہونے والی قرار دیا۔

عقیدۂ طحاویہ صفحات کے حوالے سے تو مختصر ہے لیکن فوائد کے اعتبار سے ایک خزانہ ہے۔ گویا امام طحاویؒ کا یہ رسالہ "بقامت کہتر، بقیمت بہتر" کا مصداق ہے۔ محدث عصر حضرت مولانا محمد یوسف بنوریؒ (المتوفی ۱۳۹۷ھ) فرماتے تھے:

"ہمارے شیخ محدث، امام العصر حضرت مولانا محمد انور شاہ کشمیریؒ (المتوفی ۱۳۵۲ھ) "عقیدۂ طحاویہ" کو احناف کی تمام عقائد کی کتابوں پر ترجیح دیتے تھے۔ یہاں تک کہ "الفقہ الاکبر" پر بھی فوقیت دیتے تھے"۔

یہی وجہ ہے کہ ہر دور کے علماء کرامؒ نے اس رسالے کو منظور نظر رکھا اور متنوع جہات سے اس کی خدمت کی ہے۔ اس وقت دنیا کی تمام اہم درس گاہوں میں بڑی شرح وبسط سے پڑھایا جاتا ہے اور اس کی ان بڑے بڑے علماء نے شرحیں لکھیں جن کا اپنا نام اور کام اس قابل ہوا کہ مستقل کتابیں لکھی گئیں۔

1 ان میں زیادہ مشہور ومعروف اور مستند شرح علامہ، فقیہ، محقق عبد الغنی الغنیمی المیدانیؒ (المتوفی ۱۲۹۸ھ) کی شرح ہے۔ شارحؒ نے علمائے اہل السنت

والجماعت کے مسلمہ عقائد بیان فرماتے ہیں۔ علامہ میدانی دمشق کے بڑے فقیہ اور محقق گزرے ہیں۔ علامہ ابن عابدین شامی کے مشہور شاگردوں میں ان کا شمار ہوتا ہے۔ ان کی مختصر القدوری کی شرح "**اللباب فی شرح الکتاب**" اس قدر شہرت حاصل کر چکی ہے۔ ان کی شرح عقیدۂ طحاویہ پر محمد مطیع الحافظ اور ریاض المالح نے تحقیق کی ہے۔ جو دارالبشائر دمشق سے چھپی ہے۔

۲ حضرت امام اکمل الدین بابرتی (المتوفی ۷۸۶ھ) کی شرح "شرح عقیدۃ الطحاویۃ" بھی بہت عمدہ ہے۔ مصنف محدث اور فقیہ ہونے کے ساتھ ساتھ ایک ماہر متکلم بھی ہیں، جس کی شہادت ان کی وہ آٹھ (۸) تصنیف دے رہی ہیں جو صرف علم الکلام اور عقائد کے حلقے میں تحریر کی گئی ہیں۔ یہ شرح وزارۃ الاوقاف کویت نے شائع کی ہے۔ اس شرح سے بھرپور استفادہ کرنا چاہیے البتہ محقق عارف آیتکین نے اس شرح کو بگاڑنے کی کوشش کی ہے۔ اس پر نظر رکھنا ضروری ہے۔

عقیدہ طحاویہ میں بیان کردہ عقائد

حضرت امام طحاوی (المتوفی ۳۲۱ھ) فرماتے ہیں:

حضرت امام ابو جعفر طحاوی نے فرمایا ہے کہ اس کتاب میں جو کچھ لکھا گیا ہے یہ اہل السنت والجماعت کے اس عقیدہ کا بیان ہے۔ جو فقہاء ملت ائمہ احناف حضرت امام ابو حنیفہ، امام ابو یوسف اور امام محمد کے مذہب کے مطابق ہے۔ نیز اس میں وہ اصول دین بھی ذکر کیے گئے ہیں جن پر یہ ائمہ اعتقاد رکھتے ہیں۔ اور ان کے مطابق اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتے ہیں۔

ہم اللہ تعالیٰ کی بخشی ہوئی توفیق سے اللہ تعالیٰ کی توحید کے بارہ میں یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ:

1 إنّ الله تعالى واحد لا شريك له

اللہ تعالیٰ واحد (ایک) ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں۔

2 **ولا شيء مثله**

کوئی چیز اس کے مانند نہیں ہے۔

3 **ولا شيء يعجزه**

کوئی چیز اس کو عاجز کرسکتی ہے۔

4 **ولا إله غيره**

اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔

5 **قديم بلا ابتداء، دائم بلا انتهاء**

وہ قدیم ہے جس کی کوئی ابتدا نہیں۔ وہ دائمی ہے جس کی کوئی انتہا نہیں۔

6 **لا يفنى ولا يبيد**

اس پر فنا اور ہلاکت نہیں۔

7 **ولا يكون إلا ما يريد.**

کوئی بات اس کے ارادہ کے بغیر نہیں ہوتی۔

8 **لا تبلغه الأوهام، ولا تدركه الأفهام**

اس تک وہم وخیال کی رسائی نہیں۔ اور عقل وفہم اس کا ادراک نہیں کر سکتے ہیں۔

9 **ولا يشبهه الأنام.**

مخلوقات بھی اس کے مانند نہیں۔

10 **حيّ لا يموت، قيّوم لا ينام.**

وہ زندہ ہے جس پر موت نہیں۔ وہ قیوم (خود قائم اور سب چیزوں کو قائم رکھنے والا) ہے جس پر نیند طاری نہیں ہوتی۔

11 **خالق بلا حاجة، رازق بلا مؤنة.**

وہ خالق (مخلوق پیدا کرنے والا) ہے لیکن بغیر حاجت کے (مخلوق کو کسی کے پیدا کرنے کی ضرورت نہیں)۔ وہ رازق ہے بغیر تکلیف اٹھائے (مخلوق کو روزی بہم پہنچانے میں اسے کوئی تکلیف اور مشقت نہیں اٹھانی پڑتی)۔

12 مُمِيتٌ بلا مَخافة، باعثٌ بلا مشقّة۔

وہ مارنے والا ہے بغیر کسی خوف کے۔ وہ دوبارہ اٹھانے والا ہے بغیر مشقت کے۔

13 مَا زَالَ بِصِفَاتِهِ قَدِيمًا قَبْلَ خَلْقِهِ. لَمْ يَزْدَدْ بِكَوْنِهِمْ شَيْئًا لَمْ يَكُنْ قَبْلَهُمْ مِنْ صِفَاتِهِ. وَكَمَا كَانَ بِصِفَاتِهِ أَزَلِيًّا كَذَلِكَ لَا يَزَالُ عَلَيْهَا أَبَدِيًّا

مخلوق کو پیدا کرنے سے پہلے بھی وہ ہمیشہ سے اپنی صفات کے ساتھ قدیم ہے۔ مخلوقات کے پیدا کرنے سے اس کی صفات میں کسی چیز کا بھی اضافہ نہیں ہوا جو پہلے نہ تھا۔ اور جیسا کہ وہ اپنی صفات کے ساتھ ازلی ہے اسی طرح ان صفات کے ساتھ ابدی بھی ہے۔

14 لَيْسَ بَعْدَ خَلْقِ الْخَلْقِ اسْتَفَادَ اسْمَ "الْخَالِقِ"، وَلَا بِإِحْدَاثِهِ الْبَرِيَّةَ اسْتَفَادَ اسْمَ "الْبَارِي"۔

وہ ایسا نہیں کہ مخلوق کو پیدا کرنے کے بعد اس نے "خالق" کا نام استفادہ کیا ہو اور مخلوق کو بنانے کے بعد اس نے "باری" کے نام کا استفادہ کیا ہے۔

15 لَهُ مَعْنَى الرُّبُوبِيَّةِ وَلَا مَرْبُوبَ، وَمَعْنَى الْخَالِقِيَّةِ وَلَا مَخْلُوقَ۔

اس کے لیے اس وقت بھی معنی ربوبیت یعنی صفت ربوبیت ثابت تھی جبکہ کوئی مربوب (پروردہ) نہ تھا۔ اور معنی خالقیت اس کے لیے تھا جب کوئی مخلوق نہ تھی۔

16 وَكَمَا أَنَّهُ مُحْيِي الْمَوْتَى بَعْدَمَا أَحْيَاهُمْ، اسْتَحَقَّ هَذَا الِاسْمَ قَبْلَ إِحْيَائِهِمْ، كَذَلِكَ اسْتَحَقَّ اسْمَ الْخَالِقِ قَبْلَ إِنْشَائِهِمْ۔

وہ مُحْيِي الْمَوْتٰى (مردوں کو زندہ کرنے والا) ہے جس طرح وہ مردوں کو زندہ کرنے کے بعد اس نام کا حقدار ہے اسی طرح ان کے زندہ کرنے سے پہلے بھی تھا۔ اسی طرح اسم خالق کا مستحق وہ ان کے پیدا کرنے سے پہلے بھی تھا۔

17 ذَلِكَ بِأَنَّهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ، وَكُلُّ شَيْءٍ إِلَيْهِ فَقِيرٌ، وَكُلُّ أَمْرٍ عَلَيْهِ يَسِيرٌ، لَا يَحْتَاجُ إِلَى شَيْءٍ، "لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ وَهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ" (الشوریٰ:۱۱)۔

سے) گمراہ اور رسوا کرتا ہے۔ بطورِ عدل کے اور آزمائش میں ڈال دیتا ہے۔

25 وَكُلُّهُمْ يَتَقَلَّبُونَ فِي مَشِيئَتِهِ بَيْنَ فَضْلِهِ وَعَدْلِهِ.

سب پلٹتے ہیں اس کی مشیت میں اس کے فضل و عدل کے درمیان۔

26 وَهُوَ مُتَعَالٍ عَنِ الْأَضْدَادِ وَالْأَنْدَادِ.

وہ شریکوں سے پاک ہے۔

27 لَا رَادَّ لِقَضَائِهِ، وَلَا مُعَقِّبَ لِحُكْمِهِ، وَلَا غَالِبَ لِأَمْرِهِ

اس کے فیصلہ کو کوئی روک نہیں سکتا۔ اور اللہ تعالیٰ کے حکم پر کوئی غالب نہیں آسکتا۔

28 آمَنَّا بِذَلِكَ كُلِّهِ، وَأَيْقَنَّا أَنَّ كُلًّا مِنْ عِنْدِهِ.

ہم ان سب باتوں پر ایمان لائے ہیں۔ اور یقین رکھتے ہیں کہ یہ سب باتیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں۔

29 وَإِنَّ الْقُرْآنَ كَلَامُ اللهِ تَعَالَى مِنْهُ بَدَا بِلَا كَيْفِيَّةٍ قَوْلًا، وَأَنْزَلَهُ عَلَى رَسُولِهِ وَحْيًا، وَصَدَّقَهُ الْمُؤْمِنُونَ عَلَى ذَلِكَ حَقًّا، وَأَيْقَنُوا أَنَّهُ كَلَامُ اللهِ تَعَالَى بِالْحَقِيقَةِ، لَيْسَ بِمَخْلُوقٍ كَكَلَامِ الْبَرِيَّةِ، فَمَنْ سَمِعَهُ فَزَعَمَ أَنَّهُ كَلَامُ الْبَشَرِ فَقَدْ كَفَرَ، وَقَدْ ذَمَّهُ اللهُ وَعَابَهُ، وَأَوْعَدَهُ بِسَقَرَ، حَيْثُ قَالَ تَعَالَى: "سَأُصْلِيهِ سَقَرَ" (الْمُدَّثِّر:۲۶) فَلَمَّا أَوْعَدَ اللهُ بِسَقَرَ لِمَنْ قَالَ: "إِنْ هَذَا إِلَّا قَوْلُ الْبَشَرِ" (الْمُدَّثِّر:۲۵). عَلِمْنَا وَأَيْقَنَّا أَنَّهُ قَوْلُ خَالِقِ الْبَشَرِ، وَلَا يُشْبِهُ قَوْلَ الْبَشَرِ.

ترجمہ: بے شک قرآن اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔ اللہ تعالیٰ سے ہی ظاہر ہوا ہے قول کی شکل میں لیکن بلا کیفیت (قرآن کے نزول اور حروف کی شکل میں منتقل ہونا اس کی کیفیت کوئی نہیں جان سکتا)۔ اللہ تعالیٰ نے اس قرآن کو اپنے نبی ﷺ پر وحی کی شکل میں نازل فرمایا ہے اور مؤمنین نے ٹھیک طریقہ پر اس کی تصدیق کی ہے اور وہ اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ یہ قرآن حقیقتاً اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔ یہ مخلوق نہیں جیسا کہ مخلوقات کا کلام ہوتا ہے۔ جس نے اس قرآن کو سنا اور یہ خیال کیا کہ یہ بشر (انسان) کا کلام ہے تو وہ کافر ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے ایسے شخص کی مذمت کی ہے اس کی برائی بیان کی ہے

دوسرے عذاب کی وعید ثابت ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: "میں اسے (اس شخص کو) دوزخ میں داخل کروں گا"۔ پس جب اللہ تعالیٰ نے ایسے شخص کو جو قرآن کے بارے میں کہتا ہے کہ یہ انسان کا کلام ہے دوزخ کی وعید سنائی ہے۔ تو معلوم ہوا کہ یہ انسان کا کلام نہیں بلکہ انسانوں کو پیدا کرنے والے کا کلام ہے اور انسان کا کلام اس سے مشابہت نہیں رکھتا۔

30 **وَمَنْ وَصَفَ اللّٰهَ بِمَعْنًى مِنْ مَعَانِي الْبَشَرِ فَقَدْ كَفَرَ فَمَنْ أَبْصَرَ هٰذَا اعْتَبَرَ. وَعَنْ مِثْلِ قَوْلِ الْكُفَّارِ انْزَجَرَ. وَعَلِمَ أَنَّ اللّٰهَ تَعَالَى بِصِفَاتِهِ لَيْسَ كَالْبَشَرِ.**

ترجمہ: جس شخص نے اللہ تعالیٰ کو وصف ایسے معنی اور صفت کے ساتھ بیان کیا جو انسانوں میں پائی جاتی ہے تو ایسا شخص کافر ہو گا۔ پس جس شخص نے اس بات کو بصیرت کی نگاہ سے دیکھا اس نے عبرت حاصل کی اور کافروں جیسی بات کہنے سے باز آیا اور اس نے جان لیا کہ اللہ تعالیٰ اپنی صفات کے ساتھ انسانوں کے ساتھ مشابہت نہیں رکھتا۔

31 **وَالرُّؤْيَةُ حَقٌّ لِأَهْلِ الْجَنَّةِ بِغَيْرِ إِحَاطَةٍ وَلَا كَيْفِيَّةٍ كَمَا نَطَقَ بِهِ كِتَابُ رَبِّنَا ﴿وُجُوهٌ يَوْمَئِذٍ نَاضِرَةٌ إِلَى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ﴾ (الْقِيَامَة:٢٢،٢٣) وَتَفْسِيرُهُ عَلَى مَا أَرَادَهُ اللّٰهُ تَعَالَى وَعَلِمَهُ. وَكُلُّ مَا جَاءَ فِي ذٰلِكَ مِنَ الْحَدِيثِ الصَّحِيحِ عَنِ الرَّسُولِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَهُوَ كَمَا قَالَ. وَمَعْنَاهُ عَلَى مَا أَرَادَ لَا نَدْخُلُ فِي ذٰلِكَ مُتَأَوِّلِينَ بِآرَائِنَا وَلَا مُتَوَهِّمِينَ بِأَهْوَائِنَا. فَإِنَّهُ مَا سَلِمَ فِي دِينِهِ إِلَّا مَنْ سَلَّمَ لِلّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ وَلِرَسُولِهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. وَرَدَّ عِلْمَ مَا اشْتَبَهَ عَلَيْهِ إِلَى عَالِمِهِ.**

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کا دیدار اہل جنت کے لیے بغیر احاطہ کرنے اور بغیر کیفیت کے برحق ہے جیسا کہ ہمارے پروردگار کی کتاب قرآن مجید نے اس کو بیان کیا ہے:

وُجُوهٌ يَوْمَئِذٍ نَاضِرَةٌ إِلَى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ (القیامۃ: ٢٢،٢٣)

ترجمہ: اس دن بہت سے چہرے شاداب ہوں گے، اپنے پروردگار کی طرف دیکھ رہے

ہوں گے۔

اور دیدار و رؤیت کی تفسیر و تشریح اسی طرح درست ہوگی جس طرح اللہ تعالیٰ نے ارادہ فرمایا ہے۔ اس بارہ میں جو جناب رسول اللہ ﷺ سے صحیح حدیث آئی ہے تو وہ اسی طرح برحق ہے اور اس کا معنی وہی ہے جو آپ ﷺ نے ارادہ کیا ہے۔ ہم اس مسئلہ میں اپنی رائے کے ساتھ تاویل نہیں کرتے اور نہ اپنی خواہشات کے ساتھ وہم میں پڑتے ہیں، کیونکہ دین میں وہی آدمی بچا ہے جس نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے سامنے سر تسلیم خم کیا ہے۔ اور جو چیز اس کے نزدیک مشتبہ ہو اس کو جاننے والے کی طرف سونپ دے۔

32 وَلَا تَثْبُتُ قَدَمُ الْإِسْلَامِ إِلَّا عَلَى ظَهْرِ التسليم والاستسلام فَمَنْ رَامَ عِلْمَ مَا حُظِرَ عَنْهُ عِلْمُهُ وَلَمْ يَقْنَعْ بِالتَّسْلِيمِ فَهْمُهُ حَجَبَهُ مَرَامُهُ عَنْ خالص التوحيد وصافي المعرفة وصحيح الإيمان فَيَتَذَبْذَبُ بَيْنَ الْكُفْرِ وَالْإِيمَانِ وَالتَّصْدِيقِ وَالتَّكْذِيبِ وَالْإِقْرَارِ والإنكار، موسوساً تائهاً، شاكاً، لا مؤمناً مصدقاً، ولا جاحداً مُكَذِّباً۔

ترجمہ: اور اسلام کا قدم پختہ اور ثابت نہیں رہ سکتا مگر تسلیم اور انقیاد کی پشت پر۔ اب جو آدمی اس چیز کے علم کا قصد کرتا ہے جس کے علم سے اسے منع کیا گیا ہے اور اس کا فہم تسلیم پر قناعت نہ کرے تو اس کا یہ مقصد خالص توحید، صاف معرفت اور صحیح ایمان سے روک دے گا۔ تو یہ آدمی کفر و ایمان، تصدیق و تکذیب، اقرار و انکار کے درمیان متذبذب رہے گا اور وسوسے میں مبتلا ہو کر حیران و سرگرداں رہے گا، شک میں پڑا ہوا ہوگا اور گمراہ ہوگا۔ نہ تو وہ مومن تصدیق کرنے والا ہوگا اور نہ منکر جھٹلانے والا ہوگا۔

33 وَلَا يَصِحُّ الْإِيمَانُ بِالرُّؤْيَةِ لِأَهْلِ دَارِ السَّلَامِ لمن اعتبرها مِنْهُمْ بِوَهْمٍ، أَوْ تَأَوَّلَهَا بِفَهْمٍ، إِذْ كَانَ تَأْوِيلُ الرُّؤْيَةِ وَتَأْوِيلُ كُلِّ مَعْنًى يُضَافُ إِلَى الربوبية بِتَرْكِ التَّأْوِيلِ وَلُزُومِ التَّسْلِيمِ. وَعَلَيْهِ دِينُ

ترجمہ اور معراج برحق ہے۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو رات کے وقت سیر کرائی، بیداری کی حالت میں آپ کے شخص یعنی جسد مبارک کو آسمان دنیا تک اوپر لے جایا گیا۔ پھر وہاں سے آگے جہاں تک اللہ تعالیٰ نے چاہا بلندیوں پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو لے جایا گیا اور جس چیز کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے چاہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بزرگی بخشی اور اللہ تعالیٰ نے (وہاں) اپنے بندے پر جو چاہا وحی نازل فرمائی۔

فَأَوْحَىٰ إِلَىٰ عَبْدِهِ مَا أَوْحَىٰ ۝ مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَأَىٰ (النجم: ١١)

ترجمہ اس طرح اللہ تعالیٰ کو اپنے بندے پر جو وحی فرمانی تھی، وہ نازل فرمائی۔ جو کچھ آنکھوں نے دیکھا دل نے اس میں کوئی غلطی نہیں کی۔

پس اللہ تعالیٰ اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر دنیا اور آخرت میں درود وسلام بھیجے۔

36 والعرش والكرسي حقٌّ، كما بيّن الله تعالى في كتابه.

عرش اور کرسی برحق ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب قرآن مجید میں اس کا بیان فرمایا ہے۔

37 وهو عزّ وجلّ مُستغنٍ عن العرش وما دونه.

باوجود اس کے اللہ تعالیٰ عرش اور ما دون عرش سے مستغنی ہے۔

38 مُحيطٌ بكلّ شيءٍ وبما فوقه وقد أعجز عن الإحاطة خلقه.

اللہ تعالیٰ ہر چیز کا ہر جانب سے احاطہ کرنے والا ہے، اور اس کی مخلوق اس کا احاطہ کرنے سے عاجز ہے۔

39 ولا نخوضُ في الله ولا نُماري في دين الله تعالى.

اللہ تعالیٰ کی ذات کے بارہ میں ہم خوض نہیں کرتے (کیونکہ عقل انسانی اللہ تعالیٰ کی ذات کو سمجھنے سے درماندہ اور عاجز ہے) اور ہم دین کے بارہ میں جھگڑا بھی نہیں کرتے۔

(بيان اعتقاد أهل السنة والجماعة على مذهب فقهاء الملة أبي حنيفة وأبي يوسف ومحمد بن الحسن المعروف عقیدۃ الطحاوی ص ۱۰ تا ۱۲ طبع مکتبۃ البشریٰ، کراچی، مترجم ص ۴۸ تا ۵۹ طبع ادارہ نشر و اشاعت مدرسہ نصرت العلوم گوجرانوالہ)

4 حضرت امام ابوالحسن اشعریؒ (المتوفی ۳۲۴ھ) کے عقائد

علم عقائد میں اہل السنت والجماعت کے دو مشہور امام گزرے ہیں:

۱ امام ابوالحسن الاشعریؒ (المتوفی ۳۲۴ھ)۔

۲ امام ابو المنصور محمد بن محمود سمرقندی الماتریدیؒ (المتوفی ۳۳۳ھ)

ان دونوں اماموں کی طرف نسبت سے اہل السنت والجماعت کے دو گروہ ہیں: اشاعرہ اور ماتریدیہ۔ اشاعرہ حضرت امام ابوالحسن الاشعریؒ کی طرف منسوب ہیں جو چار واسطوں سے حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ صحابی رسول ﷺ کی اولاد میں سے ہیں۔

1 کتاب: الإبانة عن أصول الديانة میں مذکور عقائد

1 قولنا الذي نقول به، وديانتنا التي ندين بها، التمسك بكتاب الله ربنا عز وجل، وبسنة نبينا محمد صلى الله عليه وسلم، وما روي عن السادة الصحابة والتابعين وأئمة الحديث، ونحن بذلك معتصمون، وبما كان يقول به أبو عبد الله أحمد بن محمد بن حنبل، نضر الله وجهه ورفع درجته وأجزل مثوبته، قائلون، ولما خالف قوله مخالفون، لأنه الإمام الفاضل والرئيس الكامل الذي أبان الله به الحق، ودفع به الضلال، وأوضح به المنهاج، وقمع به بدع المبتدعين، وزيغ الزائغين، وشك الشاكين، فرحمة الله عليه من إمام مقدم، وجليل معظم، وكبير مفهم۔

2 وجملة قولنا: أنا نقر بالله وملائكته وكتبه ورسله، وما جاءوا به من عند الله، وما رواه الثقات عن رسول الله صلى الله عليه

وسلم، لا نرد من ذلك شيئا.

3 وأن الله عز وجل إله واحد لا إله إلا هو، فرد صمد، لم يتخذ صاحبة ولا ولدا.

4 وأن محمدا عبده ورسوله، أرسله بالهدى ودين الحق

5 وأن الجنة والنار حق، وأن الساعة آتية لا ريب فيها، وأن الله يبعث من في القبور

6 وأن الله تعالى استوى على العرش على الوجه الذي قاله، وبالمعنى الذي أراده، استواءً منزّهاً عن المماسة والاستقرار، والتمكن والحلول والانتقال، لا يحمله العرش، بل العرش وحملته محمولون بلطف قدرته ومقهورون في قبضته، وهو فوق العرش وفوق كل شيء إلى تخوم الثرى، فوقية لا تزيده قربا إلى العرش والسماء، بل هو رفيع الدرجات عن العرش، كما أنه رفيع الدرجات عن الثرى، وهو مع ذلك قريب من كل موجود، وهو أقرب إلى العبد من حبل الوريد، وهو على كل شيء شهيد،

7 وأن له سبحانه وجها بلا كيف، كما قال: "ويبقى وجه ربك ذو الجلال والإكرام". (الرحمن: ۲۷)

8 وأن له سبحانه يدين بلا كيف، كما قال سبحانه: "خلقت بيدي" من الآية (ص: ۷۵)، وكما قال: "بل يداه مبسوطتان" من الآية (المائدة: ۶۴)

9 وأن له سبحانه عينين بلا كيف كما قال سبحانه: "تجري بأعيننا" من الآية (القمر: ۱۴).

10 وأن من زعم أن أسماء الله غيره كان ضالا.

11 وأن لله علما كما قال: "أنزله بعلمه" من الآية (النساء: ۱۶۶)، وكما قال: "وما تحمل من أنثى ولا تضع إلا بعلمه" من الآية (فاطر: ۱۱).

12 ونثبت لله السمع والبصر، ولا ننفي ذلك كما نفته المعتزلة والجهمية والخوارج.

13 ونثبت أن لله قوة، كما قال: "أولم يروا أن الله الذي خلقهم هو أشد منهم قوة" من الآية (فصلت:١٥)

14 ونقول: إن كلام الله غير مخلوق، وأنه سبحانه لم يخلق شيئاً إلا وقد قال له كن، كما قال: "إنما قولنا لشيء إذا أردناه أن نقول له كن فيكون" (النحل:٤٠)

15 وأنه لا يكون في الأرض شيء من خير أو شر إلا ما شاء الله، وأن الأشياء تكون بمشيئة الله عز وجل، وأن أحداً لا يستطيع أن يفعل شيئاً قبل أن يفعله، ولا يستغني عن الله، ولا يقدر على الخروج من علم الله عز وجل.

16 وأنه لا خالق إلا الله، وأن أعمال العباد مخلوقة لله مقدرة، كما قال سبحانه: "والله خلقكم وما تعملون" (الصّٰفّٰت:٩٦)، وأن العباد لا يقدرون أن يخلقوا شيئاً، وهم يخلقون، كما قال: "هل من خالق غير الله" من الآية (فاطر:٣)، وكما قال: "لا يخلقون شيئاً وهم يخلقون" من الآية (النحل:٢٠)، وكما قال سبحانه: "أفمن يخلق كمن لا يخلق" (النحل:١٧)، وكما قال: "أم خلقوا من غير شيء أم هم الخالقون" (الطور:٣٥)، وهذا في كتاب الله كثير.

17 وأن الله وفق المؤمنين لطاعته، ولطف بهم، ونظر لهم، وأصلحهم وهداهم، وأضل الكافرين ولم يهدهم، ولم يلطف بهم بالإيمان، كما زعم أهل الزيغ والطغيان، ولو لطف بهم وأصلحهم لكانوا صالحين، ولو هداهم لكانوا مهتدين.

18 وأن الله يقدر أن يصلح الكافرين ويلطف بهم حتى يكونوا مؤمنين، ولكنه أراد أن يكونوا كافرين، كما علم، وخذلهم وطبع

علی قلوبهم.

19 وأن الخير والشر بقضاء الله وقدره وإنا نؤمن بقضاء الله وقدره خيره وشره حلوه ومره ونعلم أن ما أخطأنا لم يكن ليصيبنا، وأن ما أصابنا لم يكن ليخطئنا.

20 وأن العباد لا يملكون لأنفسهم ضرا ولا نفعا إلا بإذن الله كما قال عز وجل: "قل لا أملك لنفسي نفعا ولا ضرا إلا ما شاء الله". (الاعراف:۱۸۸)

21 ونلجئ أمورنا إلى الله ونثبت الحاجة والفقر في كل وقت إليه سبحانه وتعالى.

22 ونقول: إن كلام الله غير مخلوق، وأن من قال بخلق القرآن فهو كافر.

23 وندين بأن الله يُرى في الآخرة بالأبصار، كما يُرى القمر ليلة البدر، يراه المؤمنون كما جاءت الروايات عن رسول الله صلى الله عليه وسلم.

24 ونقول: إن الكافرين محجوبون عنه إذا رآه المؤمنون في الجنة، كما قال سبحانه: "كلا إنهم عن ربهم يومئذ لمحجوبون". (المطففين:۱۵)، وإن موسى سأل الله عز وجل الرؤية في الدنيا، وأن الله تعالى تجلى للجبل فجعله دكا، فأعلم بذلك موسى أنه لا يراه في الدنيا.

(الإبانة عن أصول الديانة ص ۲۰-۲۲۔ المؤلف: أبو الحسن علي بن إسماعيل بن إسحاق بن سالم بن إسماعيل بن عبد الله بن موسى بن أبي بردة بن أبي موسى الأشعري (المتوفى ۳۲۴ھ) ۔ المحقق: د. فوقية حسين محمود۔ الناشر: دار الأنصار، القاهرة)

ترجمہ

1 جس عقیدہ کے ہم قائل اور جس مسلک پر کاربند ہیں۔ وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی کتاب اور اس کے رسول ﷺ کی سنت کو مضبوط پکڑا جائے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، تابعین عظام اور ائمہ حدیث سے جو کچھ مروی ہے اس پر بھی اعتماد کیا جائے۔ ہم اس مسلک کو خوب تھامے ہوئے ہیں جس کی حضرت امام احمد بن حنبل کے عقائد و تحقیق کیے ہوئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو جزائے خیر دے، ان کے درجے بلند کرے اور بہت زیادہ اجر عنایت فرمائے۔ جو لوگ حضرت امام احمد کے مذہب سے الگ ہیں، ہم ان سے دور ہیں۔ اس لیے کہ وہ بڑی فضیلت والے امام اور کامل شخص تھے۔ حق تعالیٰ نے ان کے ذریعے اس وقت حق روشن کیا جب گمراہی عام ہو چکی تھی۔ ان کے واسطہ سے صراط مستقیم کی وضاحت فرمائی۔ ان کی بدولت بدعتیوں کی بدعتیں، حق سے لوگوں کی کج روی اور شکوک کے شکوک زائل ہوئے۔ ایسے باعظمت امام، معزز و محترم بزرگ اماموں پر اللہ تعالیٰ اپنی رحمتیں نازل فرمائے۔

2 ہم اللہ تعالیٰ پر، اس کے ملائکہ پر، اس کی کتابوں پر، اس کے رسولوں پر ایمان رکھتے ہیں اور جو کچھ ثقہ اور قابل اعتماد راوی جناب رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں اس پر بھی ایمان رکھتے ہیں، اس میں سے کوئی چیز بھی رد نہیں کرتے۔

3 ہمارا اعتقاد ہے کہ اللہ ایک ہے، تنہا ہے، بے نیاز ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ نہ اس کی بیوی ہے نہ اولاد۔

4 ہمارا یہ بھی اعتقاد ہے کہ حضرت محمد ﷺ اس کے بندے اور رسول ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو ہدایت اور دین حق دے کر بھیجا۔

5 بے شک جنت اور دوزخ حق ہیں۔ بلاشبہ قیامت آکر رہے گی۔ اور اللہ تعالیٰ قبر والوں کو قبر سے زندہ کر کے اٹھائیں گے۔

6 اللہ تعالیٰ عرش پر مستوی ہیں اس معنی سے جس طرح اللہ تعالیٰ نے خود فرمایا ہے اور اس معنی کے ساتھ جس کا اللہ تعالیٰ نے ارادہ کیا ہے۔ استوا، مس ہونے، استقرار، تمکن، حلول اور انتقال (حرکت) سے منزہ و مبرا ہے۔ عرش اللہ تعالیٰ کو اٹھائے ہوئے نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ اپنی قدرت اور لطف و کرم سے عرش اور حاملین عرش کو

تمام ہوئے ہوئے ہیں اور اللہ تعالی کے قبضہ وقدرت کے سامنے سب مقہور ومجبور ہیں۔
اللہ تعالی عرش سے اور ہر چیز یہاں تک کہ تحت الثری سے بہت بلند و برتر ہیں۔ اسکی بلندی پر تیں جو عرش اور آسمان اس کے قرب کو زیادہ نہیں کر سکتی، بلکہ اللہ تعالی عرش سے بہت بلند درجات والے ہے جیسا کہ وہ تحت الثری کے لحاظ سے بھی بہت بلند درجات والے ہے، باوجود اس کے وہ ہر موجودات سے قریب بھی ہیں۔ وہ بندے سے اس کی شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہیں۔ وہ ہر چیز پر حاضر و ناظر بھی ہیں۔

7 اللہ تعالی کی صفت وجہ بھی بلا کیف ہے جیسا کہ فرمان باری تعالی ہے:

وَيَبْقَىٰ وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ. (الرحمن: ۲۷)

ترجمہ جس باقی رہے گی ذات تیرے پروردگار کی جو بزرگی اور عظمت والا ہے۔

8 اللہ تعالی کی صفت یدین بھی بلا کیف ہے، جیسا کہ اللہ تعالی کا فرمان ہے:

★ يَا إِبْلِيسُ مَا مَنَعَكَ أَنْ تَسْجُدَ لِمَا خَلَقْتُ بِيَدَيَّ. (ص: ۷۵)

ترجمہ اے ابلیس! تجھے کس بات نے روکا سجدہ کرنے سے اس چیز کو جس کو میں نے اپنے دونوں ہاتھوں (اور قدرت خاصہ) سے بنایا۔

☆ اللہ تعالی کا فرمان ہے:

وَقَالَتِ الْيَهُودُ يَدُ اللَّهِ مَغْلُولَةٌ ۚ غُلَّتْ أَيْدِيهِمْ وَلُعِنُوا بِمَا قَالُوا ۘ بَلْ يَدَاهُ مَبْسُوطَتَانِ يُنْفِقُ كَيْفَ يَشَاءُ ۚ (المائدۃ: ۶۴)

ترجمہ اور یہودی کہتے ہیں کہ "اللہ تعالی کے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں"۔ ہاتھ تو خود ان کے بندھے ہوئے ہیں۔ اور جو بات انہوں نے کہی ہے اس کی وجہ سے ان پر لعنت الگ پڑی ہے، ورنہ اللہ تعالی کے دونوں ہاتھ پوری طرح کشادہ ہیں۔ وہ جس طرح چاہتا ہے خرچ کرتا ہے۔

9 اللہ تعالی کی صفت عینین بھی بلا کیف ہے، جیسا کہ اللہ تعالی کا فرمان ہے:

تَجْرِي بِأَعْيُنِنَا. (القمر: ۱۴)

ترجمہ وہ ہماری آنکھوں کے سامنے چلتی ہے۔

10 جس شخص نے یہ کہا کہ اللہ تعالی کے اسماء اس کے غیر کے بھی ہیں تو وہ گمراہ ہے۔

سے وقوع میں آتے ہیں۔ جیسا کہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

۱ وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ ۔ (الصفت: ۹۶)

ترجمہ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں بھی پیدا کیا ہے، اور جو کچھ تم بناتے ہو، اس کو بھی۔ (یعنی تمہارے اعمال کو بھی)

☆ انسان کی کیا مجال ہے کہ کچھ پیدا کر سکے۔ وہ تو خود مخلوق ہے جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

۲ هَلْ مِنْ خَالِقٍ غَيْرُ اللّٰهِ يَرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ (فاطر: ۳)

ترجمہ کیا اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی اور خالق ہے جو تمہیں آسمان اور زمین سے رزق دیتا ہو؟ اس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ پھر آخر تم کہاں اوندھے چلے جا رہے ہو؟

۳ وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَا يَخْلُقُوْنَ شَيْئًا وَّهُمْ يُخْلَقُوْنَ ۔ (النحل: ۲۰)

ترجمہ اور اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر یہ لوگ جن کو پکارتے ہیں، وہ کچھ بھی پیدا نہیں کرتے، وہ تو خود ہی مخلوق ہیں۔

۴ اَفَمَنْ يَّخْلُقُ كَمَنْ لَّا يَخْلُقُ ۔ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ۔ (النحل: ۱۷)

ترجمہ اب بتاؤ کہ جو ذات (یہ ساری چیزیں) پیدا کرتی ہے، کیا وہ ان کے برابر ہو سکتی ہے جو کچھ پیدا نہیں کرتے؟ کیا پھر بھی تم کوئی سبق نہیں لیتے؟

اَمْ خُلِقُوْا مِنْ غَيْرِ شَيْءٍ اَمْ هُمُ الْخٰلِقُوْنَ ۔ (الطور: ۳۵)

ترجمہ کیا یہ لوگ بغیر کسی کے آپ سے پیدا ہو گئے ہیں، یا یہ خود (اپنے) خالق ہیں؟

یہ مسئلہ قرآن مجید میں بکثرت آیا ہے۔

17 اصل بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مومنین کو اپنی طاعت کی توفیق دے کر ان پر مہربانی فرمائی۔ ان پر نظر کرم فرمائی۔ اس کی ہدایت سے وہ ہدایت یاب ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ ہی نے کافروں کو گمراہی کے راستے پر ڈال دیا اور ان کو ہدایت نہیں دی۔ اور ان کو ایمان کے ساتھ لطف و کرم سے نہیں نوازا۔ جیسا کہ گمراہ اور سرکش لوگ گمان کرتے

ہیں (ایسا نہیں ہے)۔ اگر اللہ تعالیٰ ان پر مہربان ہوتے اور ان کی اصلاح فرماتے تو وہ بھی صالحین میں سے ہو جاتے۔ اگر اللہ تعالیٰ ان کو ہدایت سے نوازتے تو وہ بھی ہدایت یافتہ ہوتے۔

18 اللہ تعالیٰ اس پر قادر ہیں کہ کافروں کی اصلاح فرمادیں۔ ان کو اپنی مہربانی سے نوازدیں یہاں تک کہ وہ مومن بن جائیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے یہی ارادہ کیا کہ وہ کافر ہی رہیں، جیسا کہ اس کے علم میں ہے۔ اس نے کافروں کو رسوا کیا اور ان کے دلوں پر مہر لگادی۔ جیسے کہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

مَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِيْ ۚ وَمَنْ يُّضْلِلْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ.

(الاعراف: ۱۷۸)

ترجمہ: جسے اللہ تعالیٰ ہدایت دے بس وہی ہدایت یافتہ ہوتا ہے، اور جسے وہ گمراہ کردے تو ایسے ہی لوگ ہیں جو نقصان اٹھاتے ہیں۔

19 ہم اللہ تعالیٰ کی قضا وقدر پر ایمان رکھتے ہیں۔ اس کے خیر پر، اس کے شر پر، اس کی خوشگواری پر، اس کی تلخی پر بھی ایمان رکھتے ہیں۔ یہ یقینی ہے جو ہمیں مل گیا ہے وہ چوکنے والا نہ تھا، اور جس سے ہم محروم ہو گئے ہیں وہ کسی بھی صورت میں نہیں ملنا تھا۔

20 بندے اپنے نفع اور نقصان کے مالک نہیں ہیں مگر اللہ تعالیٰ کے حکم سے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِيْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا اِلَّا مَا شَاۗءَ اللّٰهُ ۭ وَلَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَيْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ ۚ وَمَا مَسَّنِيَ السُّوْۗءُ ۚ اِنْ اَنَا اِلَّا نَذِيْرٌ وَّبَشِيْرٌ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ. (الاعراف: ۱۸۸)

ترجمہ: کہو کہ جب تک اللہ تعالیٰ نہ چاہے، میں خود اپنے آپ کو بھی کوئی نفع یا نقصان پہنچانے کا اختیار نہیں رکھتا، اور اگر مجھے غیب کا علم ہوتا تو میں اچھی اچھی چیزیں خوب جمع کرتا، اور مجھے کبھی کوئی تکلیف ہی نہ پہنچتی۔ میں تو بس ایک ہوشیار کرنے والا اور خوشخبری سنانے والا ہوں، ان لوگوں کے لیے جو میری بات مانیں۔

21 ہم اپنے امور کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کرتے ہیں۔ ہر وقت اسی کی حاجت اور احتیاج واقع

تہہ دل سے مانتے ہیں۔

22 ہم کہتے ہیں: اللہ تعالیٰ کا کلام مخلوق نہیں ہے۔ جس شخص نے بھی قرآن مجید کو مخلوق کہا، تو وہ کافر ہوگیا۔

23 ہمارا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو آنکھوں کے ساتھ آخرت میں دیکھا جائے گا جیسا کہ چودھویں رات کے چاند کو دیکھا جاتا ہے۔ مؤمنین اللہ تعالیٰ کی زیارت کریں گے جیسا کہ جناب رسول اللہ ﷺ کی احادیث مبارکہ میں آیا ہے۔

24 ہمارا عقیدہ ہے کہ کافروں کو اللہ تعالیٰ کی زیارت سے محروم کیا جائے گا جب کہ مؤمن اللہ تعالیٰ کی جنت میں زیارت کریں گے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

كَلَّا إِنَّهُمْ عَن رَّبِّهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّمَحْجُوبُونَ. (المطففین:۱۵)

ترجمہ: ہرگز نہیں! حقیقت یہ ہے کہ یہ لوگ اس دن اپنے پروردگار کے دیدار سے محروم ہوں گے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اس دنیا میں زیارت کی درخواست کی۔ اور اللہ تعالیٰ نے طور پہاڑ پر اپنی تجلی ظاہر فرمائی تو اس کو ریزہ ریزہ کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یہ بات بتا دی کہ اس کی اس دنیا میں زیارت نہیں ہو سکتی۔

نوٹ: قرآن مجید نے اس کو کس دل نشین انداز میں بیان کیا ہے۔ ملاحظہ فرمائیے:

وَلَمَّا جَاءَ مُوسَىٰ لِمِيقَاتِنَا وَكَلَّمَهُ رَبُّهُ قَالَ رَبِّ أَرِنِي أَنظُرْ إِلَيْكَ. قَالَ لَن تَرَانِي وَلَٰكِنِ انظُرْ إِلَى الْجَبَلِ فَإِنِ اسْتَقَرَّ مَكَانَهُ فَسَوْفَ تَرَانِي. فَلَمَّا تَجَلَّىٰ رَبُّهُ لِلْجَبَلِ جَعَلَهُ دَكًّا وَخَرَّ مُوسَىٰ صَعِقًا. فَلَمَّا أَفَاقَ قَالَ سُبْحَانَكَ تُبْتُ إِلَيْكَ وَأَنَا أَوَّلُ الْمُؤْمِنِينَ. (الاعراف:۱۴۳)

ترجمہ: اور جب حضرت موسیٰ علیہ السلام ہمارے مقررہ وقت پر پہنچے اور ان کا رب ان سے ہم کلام ہوا تو وہ کہنے لگے: میرے پروردگار! مجھے دیدار کرا دیجئے کہ میں آپ کو دیکھ لوں۔ فرمایا: "تم مجھے ہرگز نہیں دیکھ سکو گے، البتہ پہاڑ کی طرف نظر اٹھاؤ، اس کے بعد اگر وہ اپنی جگہ پر برقرار رہا تو تم مجھے دیکھ لو گے۔" پھر جب ان کے رب نے پہاڑ پر تجلی فرمائی تو اس کو ریزہ ریزہ کر دیا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام بے ہوش ہو کر گر

پڑے۔ بعد میں جب اُنھیں ہوش آیا تو انھوں نے کہا: پاک ہے آپ کی ذات! میں آپ کے حضور توبہ کرتا ہوں، اور آپ کی اس بات پر کہ دنیا میں کوئی آپ کو نہیں دیکھ سکتا، میں سب سے پہلے ایمان لاتا ہوں۔

2 مقالات الإسلامیین میں مذکور عقائد

وقال أهل السنة وأصحاب الحديث:

1. ليس بجسم ولا يشبه الأشياء.
2. وأنه على العرش كما قال عز وجل: "الرَّحْمَٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوَىٰ" (طه: ٥). ولا نقدم بين يدي الله في القول بل نقول استوى بلا كيف.
3. وأنه نور كما قال تعالى: "اللَّهُ نُورُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ" (النور: ٣٥)
4. وأن له وجهاً كما قال الله: "وَيَبْقَىٰ وَجْهُ رَبِّكَ" (الرحمن: ٢٧).
5. وأن له يدين كما قال: "خَلَقْتُ بِيَدَيَّ" (ص: ٧٥).
6. وأن له عينين كما قال: "تَجْرِي بِأَعْيُنِنَا" (القمر: ١٤).
7. وأنه يجيء يوم القيامة هو وملائكته كما قال: "وَجَاءَ رَبُّكَ وَالْمَلَكُ صَفًّا صَفًّا" (الفجر: ٢٢).
8. وأنه ينزل إلى السماء الدنيا كما جاء في الحديث
9. ولم يقولوا شيئاً إلا ما وجدوه في الكتاب أو جاءت به الرواية عن رسول الله صلى الله عليه وسلم

(مقالات الإسلاميين واختلاف المصلين ج ١ ص ١٨٦۔ المؤلف: أبو الحسن علي بن إسماعيل بن إسحاق بن سالم بن إسماعيل بن عبد الله بن موسى بن أبي بردة بن أبي موسى الأشعري (المتوفى ٣٢٤ھ) المحقق: نعيم زرزور۔ الناشر: المكتبة العصرية۔ الطبعة: الأولى، ١٤٢٦ھ)

ترجمہ: اہل السنت والجماعت اور محدثین رحمہم اللہ فرماتے ہیں:

9 سلف صالحین اس بارے میں وہی بیان فرماتے تھے جو وہ قرآن مجید میں پاتے تھے، یا وہ حدیث مبارک کہ جو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہو۔

3 عقیدہ نزول باری تعالیٰ

الإجماع الثامن

وأجمعوا على أنه عز وجل يجيء يوم القيامة والملك صفاً صفاً لعرض الأمم وحسابها، وعقابها وثوابها، فيغفر لمن يشاء من المذنبين ويعذب منهم من يشاء، كما قال. وليس مجيئه حركة ولا زوالاً. وإنما يكون المجيء حركة وزوالاً إذا كان الجائي جسماً أو جوهراً. فإذا ثبت أنه عز وجل ليس بجسم ولا جوهر لم يجب أن يكون مجيئه نقلة أو حركة. ألا ترى أنهم لا يريدون بقولهم: جاءت زيداً الحمى أنها تنقلت إليه، أو تحركت من مكان كانت فيه. إذ لم تكن جسماً ولا جوهراً، وإنما مجيئها إليه وجودها به. وأنه عز وجل ينزل إلى السماء الدنيا، كما روي عن النبي صلى الله عليه وسلم، وليس نزوله نقلة، لأنه ليس بجسم ولا جوهر.

(رسالة إلى أهل الثغر بباب الأبواب ص ۱۲۸، ۱۲۹، المؤلف: أبو الحسن علي بن إسماعيل بن إسحاق بن سالم بن إسماعيل بن عبد الله بن موسى بن أبي بردة بن أبي موسى الأشعري رحمه الله (المتوفى ۳۲۴ھ)، المحقق: عبد الله شاكر محمد الجنيدي، الناشر: عمادة البحث العلمي بالجامعة الإسلامية، المدينة المنورة المملكة العربية السعودية، الطبعة ۱۴۱۳ھ)

ترجمہ **اجماع نمبر 8**

اس بات پر اجماع ہے کہ اللہ تعالیٰ اور فرشتے صف بستہ قیامت کے دن آئیں گے تاکہ قیامت کے دن امتوں کی پیشی، حساب وکتاب، ان کے لیے عذاب یا

2 وَكَذَلِكَ قَالَ جهم بن صفوان: العَبْدُ لَا يقدر على إِحْدَاث شَيْء وَلَا على كسب شيء. وَقَالَت الْمُعْتَزِلَة: هُوَ قَادر على الإحداث وَالْكَسْب مَعًا. فسلك رَضِيَ اللهُ عَنْهُ طَرِيقَةً بَيْنَهُمَا. فَقَالَ: العَبْد لَا يقدر على الإحداث وَيقدر على الْكَسْب. وَنفى قدرَة الإحداث وَأثبت قدرَة الْكسب.

3 وَكَذَلِكَ قَالَت الحشوية المشبهة: إن الله سُبْحَانَهُ وَتَعَالَى يرى مكيفا محدودا كَسَائِر المرئيات. وَقَالَت الْمُعْتَزِلَة والجهمية والنجارية: إِنَّهُ سُبْحَانَهُ لَا يرى بِحَال من الْأَحْوَال. فسلك رَضِيَ اللهُ عَنْهُ طَرِيقَةً بَيْنَهُمَا. فَقَالَ: يرى من غير حُلُول وَلَا حُدُود وَلَا تكييف كَمَا يرانا هُوَ سُبْحَانَهُ وَتَعَالَى وَهُوَ غير مَحْدُود وَلَا مكيف فَكَذَلِك نرَاهُ وَهُوَ غير مَحْدُود وَلَا مكيف.

4 وَكَذَلِكَ قَالَت النجارية: إِن الْبَارِي سُبْحَانَهُ بِكُل مَكَان من غير حُلُول وَلَا جِهَة. وَقَالَت الحشوية والمجسمة: إِنَّه سُبْحَانَهُ حَال فِي الْعَرْش وَإِن الْعَرْش مَكَان لَهُ وَهُوَ جَالس عَلَيْهِ. فسلك طَرِيقَة بَينهمَا. فَقَالَ: كَانَ وَلَا مَكَان فخلق الْعَرْش والكرسي وَلم يحْتَج إِلَى مَكَان، وَهُوَ بعد خلق الْمَكَان كَمَا كَانَ قبل خلقه.

5 وَقَالَت الْمُعْتَزِلَة: لَهُ يَد: يَد قدرَة ونعمة، وَوَجهه: وَجه وجود. وَقَالَت الحشوية: يَده: يَد جارحة، وَوَجهه: وَجه صُورَة. فسلك رَضِيَ اللهُ عَنْهُ طَرِيقَة بَينهمَا. فَقَالَ: يَده: يَد صفة، وَوَجهه: وَجه صفة كالسمع وَالْبَصَر.

6 وَكَذَلِكَ قَالَت الْمُعْتَزِلَة: النُّزُول: نزُول بعض آيَاته وَمَلَائِكَته، والاستواء: بِمَعْنى الِاسْتِيلَاء. وَقَالَت المشبهة والحشوية: النُّزُول: نزُول ذَاته بحركة وانتقال من مَكَان إِلَى مَكَان. والاستواء: جُلُوس على الْعَرْش وحلول فِيهِ. فسلك رَضِيَ اللهُ عَنْهُ

طَرِيْقَةً بَيْنَهُمَا فَقَالَ: "النُّزُوْل: صفة من صفاته والإستواء".

7 وَكَذٰلِكَ قَالَتِ الْمُعْتَزِلَةُ: كَلَامُ اللهِ مَخْلُوْقٌ مُخْتَرَعٌ مُبْتَدَعٌ. وَقَالَتِ الحشوية والمجسمة: الْحُرُوْفُ الْمُقَطَّعَةُ، والأجسام الَّتِيْ يُكْتَبُ عَلَيْهَا والألوان الَّتِيْ يُكْتَبُ بِهَا وَمَا بَيْنَ الدفتين كلها قديمة أزلية. فسلك رَضِيَ اللهُ عَنْهُ طَرِيْقَةً بَيْنَهُمَا فَقَالَ: "القرآن كَلَامُ الله قديم غير مغير، وَلَا مَخْلُوْقٌ، وَلَا حادث، وَلَا مُبْتَدَعٌ. فَأَمَّا الْحُرُوْفُ الْمُقَطَّعَةُ والأجسام والألوان والأصوات والمحدودات وكل مَا فِي الْعَالَمِ من المكيفات مَخْلُوْقٌ مُبْتَدَعٌ مُخْتَرَعٌ".

(تبيين كذب المفتري فيما نسب إلى الإمام أبي الحسن الأشعري، ص ۱۴۹، ۱۵۰، المؤلف: ثقة الدين، أبو القاسم علي بن الحسن بن هبة الله المعروف بابن عساكر رحمه الله (المتوفى ۵۷۱ھ)، الناشر: دار الكتاب العربي، بيروت، الطبعة: الثالثة، ۱۴۰۴ھ)

ترجمہ: حضرت امام ابن عساکر (أبو القاسم علي بن الحسن بن هبة الله المعروف بابن عساکر، المتوفی ۵۷۱ھ) فرماتے ہیں کہ شیخ ابو القاسم نصر بن نصر واعظ نے بیان کیا وہ فرماتے ہیں کہ ان کو قاضی ابو المعالی بن عبد الملک کی طرف سے یہ خبر پہنچی ہے کہ انھوں نے حضرت امام ابو الحسن اشعری کا تذکرہ کیا تو فرمایا: اللہ تعالیٰ ان کے چہرے کو تروتازہ رکھے اور ان کی روح کو پاکیزہ رکھے۔

1 حضرت امام ابو الحسن اشعری نے معتزلہ، جہمیہ اور رافضیوں کی کتب کا مطالعہ کیا کہ ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ کی ذات سے صفات کو معطل اور باطل قرار دیا۔ یوں کہا: اللہ تعالیٰ کے لیے علم، قدرت، سننا، دیکھنا، حیات (زندگی)، بقا اور ارادہ نہیں ہے۔

☆ **حشویہ مجسمہ** اور **مکیفہ محددہ** کہتے ہیں: اللہ تعالیٰ کا علم ویسا ہی ہے جیسا دوسروں کا، اس کی قدرت بھی ویسی ہی ہے جیسی قدرت دوسروں کی ہوتی ہے۔ رب کے کان (مخلوق کے) کانوں جیسے ہیں، اس کی آنکھیں (مخلوق کی) آنکھوں جیسی ہیں۔

☆ حضرت امام ابوالحسن اشعریؒ نے ان دو انتہاؤں کے درمیان والا راستہ اختیار کیا تو فرمایا: "بیشک اللہ تعالیٰ کے لیے علم ہے لیکن (مخلوق کے) علوم جیسا نہیں، اس کی قدرت ہے لیکن (مخلوق جیسی) قدرت نہیں، اس کا سننا ہے لیکن (مخلوق جیسا) سننا نہیں۔ اس کو دیکھنا ہے لیکن (مخلوق جیسا) دیکھنا نہیں"۔

2 اسی طرح جہم بن صفوان نے کہا: انسان کسی چیز کے پیدا کرنے اور اس کے کسب پر قادر نہیں ہے۔

☆ معتزلہ کہتے ہیں: انسان پیدا کرنے اور کسب دونوں پر قادر ہے۔

☆ حضرت امام ابوالحسن اشعریؒ نے ان دو انتہاؤں کے درمیان والا راستہ اختیار کیا اور فرمایا: "انسان پیدا کرنے پر تو قادر نہیں ہے لیکن کسب پر قادر ہے"۔

حضرت امام ابوالحسن اشعریؒ نے انسان سے احداث (پیدا کرنے) کی نفی فرمادی اور انسان سے کسب کی قدرت کا اثبات کیا۔

3 اسی طرح حشویہ اور مشبہہ کہتے ہیں: (قیامت کے دن) اللہ تعالیٰ کو کیف اور حد کے اندر دیکھا جاسکے گا جیسے کہ ساری مرئیات (دیکھنے والی چیزوں) کو دیکھا جاتا ہے۔

☆ معتزلہ جہمیہ اور نجاریہ کہتے ہیں: اللہ تعالیٰ کو کسی بھی حال میں دیکھا نہیں جاسکتا۔

☆ حضرت امام ابوالحسن اشعریؒ نے ان دو انتہاؤں کے درمیان والا راستہ اختیار کیا تو فرمایا: "اللہ تعالیٰ کو بغیر حلول، حد اور کیف کے دیکھا جائے گا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ ہمیں دیکھ رہے ہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ کی ذات بغیر کسی حد اور کیف کے موجود ہے۔ اسی طرح ہم بھی اللہ تعالیٰ کو بغیر کسی حد اور کیف کے دیکھیں گے"۔

4 اسی طرح نجاریہ فرقے کے لوگ کہتے ہیں: اللہ تعالیٰ ہر مکان میں بغیر حلول اور جہت کے موجود ہیں۔

☆ حشویہ اور مجسمہ فرقے کے لوگ کہتے ہیں: اللہ تعالیٰ عرش میں حلول کیے ہوئے ہیں۔ عرش اللہ تعالیٰ کا مکان ہے اور وہ اس پر بیٹھا ہوا ہے۔

☆ حضرت امام ابوالحسن اشعریؒ نے ان دو انتہاؤں کے درمیان والا راستہ اختیار کیا اور فرمایا: "اللہ تعالیٰ موجود تھے، حالانکہ اس وقت کوئی مکان نہیں تھا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے

عرش اور کرسی کو پیدا کیا، حالانکہ اس کو مکان کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔ وہ وہ مکان کے پیدا کرنے کے بعد بھی ویسا ہی ہے جیسا کہ مکان کے پیدا کرنے سے پہلے تھا''۔

5 معتزلہ کہتے ہیں: اللہ تعالیٰ کا ہاتھ ہے۔ یہ ہاتھ قدرت اور نعمت کے معنی میں ہے۔ اس کا چہرہ ہے جو وجود کے معنی میں ہے۔

☆ حشویہ فرقے کے لوگ کہتے ہیں: (قرآن و حدیث میں) اللہ تعالیٰ کے لیے جو ''ید'' (ہاتھ) کا لفظ آیا ہے۔ اس سے مراد بھی نام ہاتھ یعنی آلہ جارحہ ہے (جسے ہم دیکھتے اور جانتے ہیں)۔ اس کا چہرہ بھی ویسا ہی ہے جو چہرے کا مفہوم ہے، یعنی اس کی صورت بھی ہے۔

☆ حضرت امام ابو الحسن اشعری نے ان دو انتہاؤں کے درمیان والا راستہ اختیار کیا اور فرمایا: ''اللہ تعالیٰ کے ہاتھ سے مراد صفت ''ید'' ہے اور اس کے چہرے سے مراد اس کی صفت ''وجہ'' ہے، جیسا کہ اس کی صفات ''سمع'' اور ''بصر'' ہیں''۔

6 اسی طرح معتزلہ کہتے ہیں: اللہ تعالیٰ کے ''نزول'' سے مراد اس کی بعض آیات (نشانیاں) اور فرشتوں کا اترنا ہے، اور استواء کا معنی ''استیلاء'' (غلبہ) ہے۔

☆ مشبہہ اور حشویہ فرقے کے لوگ کہتے ہیں: اللہ تعالیٰ کے ''نزول'' سے مراد یہ ہے کہ وہ حرکت کرتا ہے اور ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہوتا ہے۔ اور ''استواء علی العرش'' کا مطلب یہ ہے کہ وہ عرش پر بیٹھا ہوا ہے اور اس میں حلول کیے ہوئے ہے۔

☆ حضرت امام ابو الحسن اشعری نے ان دو انتہاؤں کے درمیان والا راستہ اختیار کیا اور فرمایا: ''نزول'' اللہ تعالیٰ کی صفات میں سے ایک صفت ہے۔ اسی طرح ''استواء'' بھی اس کی صفت ہے''۔

7 اسی طرح معتزلہ کہتے ہیں: اللہ تعالیٰ کا کلام مخلوق، گھڑا ہوا اور پیدا کیا ہوا ہے۔

☆ حشویہ اور مجسمہ کہتے ہیں: قرآن مجید کے الگ الگ حروف اور وہ ''اجسام'' جن پر وہ لکھے جاتے ہیں، اور وہ روشنائی جو ان الفاظ کے لکھنے میں استعمال کیا جاتا ہے، اور جو کچھ دو گتوں کے درمیان یعنی اس جلد کے مابین ہے، یہ سب قدیم اور ازلی ہے۔

☆ حضرت امام ابو الحسن اشعری نے ان دو انتہاؤں کے درمیان والا راستہ اختیار کیا اور

فرمایا: "قرآن اللہ تعالیٰ کا کلام ہے، یہ قدیم ہے، نہ تو تبدیل شدہ، نہ مخلوق، نہ حادث اور نہ پیدا کیا ہوا ہے۔ قرآن پاک کے لکھے ہوئے حروف، جسم (جس پر قرآن مجید لکھا جاتا ہے)، روشنائی (جس سے قرآن مجید لکھا جاتا ہے)، آواز (جس سے قرآن مجید پڑھا جاتا ہے) اور اس کی حدود اور جو بھی اس عالم میں کیفیت ہیں، وہ سب مخلوق، پیدا کی ہوئی اور بنائی ہوئی ہیں۔"

5 حضرت امام ابوالحسن اشعریؒ کے عقائد کے بارے میں فیصلہ کن بات

حضرت امام ابوالحسن اشعریؒ نے اپنی کتابوں: "الإبانة عن أصول الديانة، رسالة إلى أهل الثغر بباب الأبواب، مقالات الإسلاميين واختلاف المصلين" میں سلف صالحین کا طریقہ (تفویض) اختیار کیا ہے۔ اور انہی سے خلف کا طریقہ یعنی تاویل بھی مروی ہے۔ انھوں نے اس طریقۂ خلف کو اپنی کتاب: "اللمع" میں اختیار کیا ہے۔ اور ان کے یہ دونوں طریقے معتزلہ کے مذہب سے رجوع کرنے کے بعد کے ہیں۔ لیکن کیا یہ دونوں طریقے متوازی تھے یا ایک دوسرے سے بعد والے زمانے کے ہیں؟ دونوں طرف کے دعوے کیے گئے ہیں۔

فیصلہ کن بات یہی ہے جس کے بارے میں حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں:

قلت: ذكروا للشيخ أبي الحسن الأشعري رحمه الله ثلاثة أحوال:

أولها: حال الاعتزال التي رجع عنها لا محالة.

الحال الثاني: إثبات الصفات العقلية السبعة، وهي: الحياة، والعلم، والقدرة، والإرادة، والسمع، والبصر، والكلام، وتأويل الخبرية كالوجه، واليدين، والقدم، والساق، ونحو ذلك.

والحال الثالثة: إثبات ذلك كله من غير تكييف ولا تشبيه جرياً على

5 امام ابو المنصور محمد بن محمود سمرقندی الماتریدیؒ (المتوفی ۳۳۳ھ) کے عقائد

جو لوگ امور اعتقادیہ میں امام ابو المنصور محمد بن محمود سمرقندی الماتریدیؒ (المولود ۲۳۸ھ، المتوفی ۳۳۳ھ) کے طریقہ پر چلتے ہیں وہ ماتریدی کہلاتے ہیں۔

امام ماتریدیؒ صرف دو واسطوں سے حضرت امام محمدؒ کے شاگرد ہیں۔ آپ نے امام ابو حنیفہؒ کی تصنیف اپنے اساتذہ میں سے ابو نصر احمد بن عباس العیاضیؒ، امام احمد بن اسحٰق جوزجانیؒ اور نصیر بن یحییٰ بلخیؒ سے روایت کیں۔ یہ تینوں حضرات امام ابو سلیمان موسیٰ بن سلیمان جوزجانیؒ کے تلمیذ تھے۔ وہ امام ابو یوسفؒ، امام محمدؒ اور امام ابن مبارکؒ کے شاگرد تھے۔ اس طرح امام ماتریدیؒ کو تین واسطوں سے امام اعظم ابو حنیفہؒ کا شرف تلمذ حاصل تھا۔ (المذاہب الاسلامیہ از ابو زہرہ)

آپ کی تصانیف میں سے چند نام یہ ہیں:

1۔	بیان وهم المعتزلة	2۔	تاویلات أهل السنة
3۔	تاویلات الماتریدیة	4۔	التوحید
5۔	الجدل	6۔	الدور في اصول الدين
7۔	رد تهذيب الجدل	8۔	رد وعيد الفساق
9۔	رد الأمامة	10۔	الرد على القرامطة
11۔	الرد على فروع القرامطة	12۔	وصايا ومناجات
13۔	المقالات	14۔	مآخذ الشرائع

15۔ رسالة في ما لا يجوز الوقوف عليه في القرآن

علامہ ابو الحسن اشعریؒ اور علامہ ماتریدیؒ نے اصول دین اور مسائل اعتقادیہ میں بڑی تحقیق اور تدقیق کی ہے اور دلائل عقلیہ اور نقلیہ سے عقائد اسلامیہ کو ثابت کیا ہے اور ملاحدہ اور زنادقہ کے اعتراضات اور شکوک و شبہات کا عقل و نقل سے ابطال فرمایا

جس سے صحابہؓ اور تابعینؒ کا مسلک خوب روشن ہو گیا، یوں ان واضح مذہب اہل السنت والجماعت انہی دو چیزوں میں محصور ہو گیا۔

"التوحید" میں مذکور عقائد

1 مَسْأَلَةُ بَيَانِ الْعَرْشِ (عرش کے بیان کا مسئلہ)

1 قَالَ أَبُو مَنْصُور رَضِيَ اللهُ عَنهُ: ثُمَّ اخْتلف أهل الْإِسْلَام فِي الْقَوْل بِالْمَكَانِ. فَمنهمْ من زعم أَنه يُوصف بِأَنَّهُ على الْعَرْش مستو. وَالْعرش عِنْدهم السرير الْمَحْمُول بِالْمَلَائِكَةِ المحفوف بهم "وَيحمل عرش رَبك فَوْقهم يَوْمئِذٍ ثَمَانِيَة" وَقَوله: "وَترى الْمَلَائِكَة حافين من حول الْعَرْش" وَقَوله: "الَّذين يحملون الْعَرْش وَمن حوله" وَاحْتَجُّوا بِقَوْلِي بِهِ بقوله: "الرَّحْمَن على الْعَرْش اسْتَوَى"۔

وَيرْفَع النَّاس إِلَى السَّمَاء بِالدَّعَوَاتِ أَيْدِيهِم وَمَا يأملون من الْخيرَات وَيَقُولُونَ هُوَ صَار إِلَيْهِ بعد أَن لم يكن لقَوْله: "ثمَّ اسْتَوَى على الْعَرْش"۔

2 وَمِنْهُم من يَقُول: هُوَ بِكُل مَكَان بقوله: "مَا يكون من نجوى ثَلَاثَة إِلَّا هُوَ رابعهم" وَقَوله: "وَنحن أقرب إِلَيْهِ من حَبل الوريد" وَقَوله: "وَنحن أقرب إِلَيْهِ مِنْكُم وَلَكِن لَا تبصرون" وَقَوله: "وَهُوَ الَّذِي فِي السَّمَاء إِلَه وَفِي الأَرْض" وظنوا أَن القَوْل بِأَنَّهُ فِي مَكَان دون مَكَان يُوجب الْحَد. وكل ذِي حد مقصر عَمَّا هُوَ أعظم مِنْهُ وَذَلِكَ عيب وآفة وَفِي ذَلِك إِيجَاب الْحَاجة إِلَى الْمَكَان مَعَ مَا فِيهِ إِيجَاب الْحَد إِذْ لَا يحْتَمل أَن يكون أعظم من الْمَكَان لما هُوَ سخف فِي الْمُتَعَارف أَن يخْتَار أحد مَكَانا لَا يَسعهُ فَيصير حد

المكان حده. جل ربنا عن ذلك وتعالى.

3 ومنهم من قال بنفي الوصف بالمكان وكذلك بالأمكنة كلها إلا على مجاز اللغة بمعنى الحافظ لها والقائم بها.

4 قال الشيخ أبو منصور رحمه الله: وجملة ذلك أن إضافة كلية الأشياء إليه وإضافته عز وجل إليها يخرج مخرج الوصف له بالعلو والرفعة ومخرج التعظيم له والجلال. كقوله: "له ملك السموات والأرض"، "رب السموات والأرض"، "إله الخلق"، "رب العالمين"، "وفوق كل شيء" ونحوه.

وإضافة الخاص إليه يخرج مخرج الاختصاص له بالكرامة والمنزلة والتفضيل له على من هو بجوهره نحو قوله: "إن الله مع الذين اتقوا"، وقوله: "وأن المساجد لله"، "ناقة الله"، "بيت الله"، وغير ذلك. ولا يخرج شيء من ذلك على مثل المفهوم من إضافة الخلق بعضهم إلى بعض لا قطع احتمال مثله في الخلق، إذ قد تخرج أيضا إضافة التخصيص مخرج التفضيل والعموم مخرج فضل السلطان والولاية.

5 قال أبو منصور رحمه الله: الأصل فيه أن الله سبحانه كان ولا مكان، وجائز ارتفاع الأمكنة وبقاؤه على ما كان فهو على ما كان وكان على ما عليه الآن. جل عن التغير والزوال والاستحالة والبطلان، إذ ذلك أمارات المحدث التي بها عرف حدث العالم ودلالة احتمال الفناء، إذ لا فرق بين الزوال من حال إلى حال، ليعلم أن حاله الأولى لم تكن لذاته، إذ لا يحتمل زوال ما لزم ذاته وبين أنها ليست لذاته لما احتمل هو قبول الأعراض وانتقال الأحوال. ولا قوة إلا بالله.

6 وبعد! فإن في تحقيق المكان له والوصف له بذاته في كل مكان

تمكين الحاجة له إلى ما به قراره على مثل جميع الأجسام والأعراض التي قامت بالأمكنة. وفيها تقلبت وقرت على خروج جملتها عن الوصف بالمكان فمن أنشأها وأمسك كليتها لا بمكان يتعالى عن الحاجة إلى مكان أو الوصف بما عليه العالم أن كليته لا في مكان وأنه بجزئيته في المكان

7 ثم إن الله تعالى لو جعل في مكان لجعل بحق الجزئية من العالم وذلك أثر النقصان بل لما استقام قيام جميع العالم لا بالأمكنة للجملة فقيامه على ذلك أحق وأولى ولا قوة إلا بالله

8 قال أبو منصور رحمه الله: ثم القول بالكون على العرش وهو موضع بمعنى كونه بذاته أو في كل الأمكنة لا يعدو من إحاطة ذلك به أو الاستواء به أو مجاوزته عنه وإحاطته به. فإن كان الأول فهو إذا محدود به محاط منقوص عن الخلق إذ هو دونه. ولو جاز الوصف له بذاته بما يحيط به من الأمكنة لجاز بما يحيط به من الأوقات فيصير متناهيا بذاته مقصرا عن خلقه وإن كان على الوجه الثاني فلو زيد على الخلق لا ينقص أيضا وفيه ما في الأول. وإن كان على الوجه الثالث فهو الأمر المذكور الدال على الحاجة وعلى التقصير من أن ينشئ ما لا يفضل عنه مع ما يذم ذا من فعل الملوك أن لا يفضل عنهم من سعاتهم شيئا.

9 وبعد: فإن في ذلك تجزئة بما كان بعضه في ذي أبعاض وبعضه يفضل عن ذلك. وذلك كله وصف الخلائق. والله يتعالى عن ذلك.

10 وبعد: فإنه ليس في الارتفاع إلى ما يعلو من المكان للجلوس أو القيام شرف ولا علو ولا وصف بالعظمة والكبرياء كمن يعلو السطوح أو الجبال إنه لا يستحق الرفعة على من دونه عند

إستواء الجوهر فلا يجوز صرف تأويل الآية إليه مع ما فيها ذكر العظمة والجلال إذ ذكر في قوله تعالى: إن ربكم الله الذي خلق السماوات والأرض. فيدلك على تعظيم العرش أي شيء كان من نور أو جوهر لا يبلغه علم الخلق. وقد روي عن نبي الله صلى الله عليه وسلم أنه وصف الشمس أن جبريل يأتيها بكف من ضوء العرش فيلبسها كما يلبس أحدكم قميصه كل يوم تطلع وذكر في القمر كذلك من نور العرش.

11 فإضافة الإستواء إليه لوجهين:

أحدهما على تعظيمه بما ذكره على أثر ذكر سلطانه في ربوبيته وخلقه ما ذكر.

والثاني على تخصيصه بالذكر بما هو أعظم الخلق وأجله على المعروف من إضافة الأمور العظيمة إلى أعظم الأشياء كما يقال تم لفلان ملك بلد كذا واستوى على موضع كذا. لا على خصوص ذلك في الحق ولكن معلوم أن من له ملك ذلك فما دونه أحق وعلى ذلك قوله تعالى: "اليوم أكملت لكم دينكم" بما صارت له أم القرى. وأيس الذين كفروا من دينهم. وكذا ما ذكر من إرسال الرسل إلى الفراعنة وإلى أم القرى لا يتخصص ذلك ولكن يذكر عظم الأمر. فعلى أمر العرش وهو كقوله: "أكابر مجرميها". وقوله: "أمرنا مترفيها" على لحوق غيرهم. ويحتمل أن يكون على المعنى بوصف المكان إذ هو أعلى الأمكنة عند الخلق ولا تقدر العقول فوقه شيئا فأشار إليه ليعلم علوه عن الأمكنة وتعاليه عن الحاجة وعلى ذلك قوله: "ما يكون من نجوى ثلاثة إلا هو رابعهم" والنجوى ليس من نوع ما يضاف إلى المكان ولكن يضاف إلى الأفراد فأخبر بعلوه عن الأمكنة وتعاليه عن أن يخفى

عَلَيْهِ شَيْءٌ. ثُمَّ بِقُدْرَتِهِ بِقَوْلِهِ: "وَنَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيدِ" أَيْ بِالسُّلْطَانِ وَالْقُوَّةِ وَبِأُلُوهِيَّتِهِ فِي الْبِقَاعِ كُلِّهَا لِأَنَّهَا أَمْكِنَةُ الْعِبَادَةِ وَبِقَوْلِهِ: "وَهُوَ الَّذِي فِي السَّمَاءِ إِلَهٌ" وَبِملك كل شيء بقوله: لَهُ ملك السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ". ثُمَّ بِعلوه وجلاله بقوله: "وَهُوَ القاهر فوق عباده" وَقوله: "وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عليم" وَقوله: "وَهُوَ على كل شيء قدير". فجمع في هذه الأحرف ما فرق في تِلْكَ ليعلم أنه بِكُلِّ مَا سمي بِهِ وَوصف كَانَ ذَلِكَ لَهُ بِذَاتِهِ لا بِشَيْءٍ من خلقه. وَكَذَلِكَ عزه وشرفه وَمجده جل ثَنَاؤُهُ عَنِ الْأَشْبَاهِ. وَلَا إله غيره.

12 وَقَالَ بَعضهم يُرِيد بالعرش الْمَلك إِذْ هُوَ اسْم مَا ارْتَفع من الْأَشْيَاءِ وَعلا حَتَّى سمي بِهِ السطوح ورؤوس الْأَشْجَار.

13 والاستواء قيل فِيهِ بأوجه ثَلَاثَة:

أحدهَا: الِاسْتِيلَاء كَمَا يُقَال اسْتَوَى فلَان على كورة كَذَا بِمَعْنى استولى عَلَيْهَا.

وَالثَّانِي: الْعُلُوّ والارتفاع كَقَوْلِه: "فَإِذا استويت أَنْت وَمن مَعَك على الْفلك"

وَالثَّالِث: التَّمام كَقَوْلِه تَعَالَى: "وَلما بلغ أشده واستوى".

وَقد قيل بِالْقَصْدِ إِلَى ذَلِك وَجه بعض أهل الْأَدَب قَوْله: "ثُمَّ اسْتَوَى إِلَى السَّمَاء" بِمَعْنى خلق على التَّمْثِيل بِفعل الْخلق فِيمَا يَخْلُو فعلهم أَن يكون بِالْقَصْدِ وَإِن كَانَ لَا يُقَال لَهُ قصد. وَلَا قُوَّة إِلَّا بِاللَّه.

قَالَ الشَّاعِر

ظَنَنْت أَن عرشك لَا يَزُول وَلَا يَتَغَيَّر

وَقَالَ آخر

إذا ما بنو نعش دنوا فتصوبوا ... (as printed:) إذْ مَا بنوا مَرْوَان ثلت عروشهم   وأودوا كما أودت إياد وحمير

وَقَالَ النَّابِغَة

عروش تفانوا بعد عز وَأَمْنِهِمْ   هووا بعد مَا نالوا السَّلَامَة والغنى

وَقَالَ آخر

بعد ابْن جَفْنَة وَابْن ماتل عَرْشه   والحارثين تؤملون فلاحا

14 قَالَ أَبُو مَنْصُور رَحمَه الله: ثمَّ الْوَجْه فِي ذَلِك لَو كَانَ على الِاسْتِيلَاء وَالْعرش الْملك إِنَّه مستول على جَمِيع خلقه وَعلى هَذَا التَّأْوِيل الْمَحْمُول غير هَذَا يدل على الْأَمريْنِ قَوْله تَعَالَى: "وَهُوَ رب الْعَرْش الْعَظِيم" بِمَعْنى الْملك الْعَظِيم وَفِيه إِثْبَات عروش غَيره فَذَلِك يحْتَمل مَا يحمل وَيحف بِهِ الْمَلَائِكَة. وَالله الْمُوفق.

15 وَأما على التَّمام والعلو. فَهُوَ أَن الله تَعَالَى قَالَ: "قل أئنكم لتكفرون بِالَّذِي خلق الأَرْض فِي يَوْمَيْنِ" إِلَى قَوْله: "فقضاهن سبع سماوات" فَأخْبر بِخلق مَا ذكر فِي سِتَّة أَيَّام على التفاريق ثمَّ أجملها فِي مَوضِع فَقَالَ: "إِن ربكُم الله الَّذِي خلق السَّمَاوَات وَالْأَرْض فِي سِتَّة أَيَّام ثمَّ اسْتَوَى على الْعَرْش" بِمَعْنى خلق الممتحن من خلق الأَرْض وَالسَّمَاوَات فيهم ظهر تَمام الْملك وَعلا وارتفع إِذْ هم المقصودون من خلق مَا بَينا.

فبذلك تمّ معنى الْملك وَعلا إِذا وصل إِلَى الَّذين لَهُم وَقد قيل ذَا فِي خلق الْبشر خَاصَّة. بقوله: "هُوَ الَّذِي خلق لكم مَا فِي الأَرْض" وَقَوله: "وسخر لكم اللَّيْل وَالنَّهَار" وَقَوله: "وسخر لكم مَا فِي السَّمَاوَات وَمَا فِي الأَرْض".

وَذكر ابْن عَبَّاس رَضِي الله عَنهُ أَن الْبشر خلق الْيَوْم السَّابِع فِيهِ التَّمام والعلو إِذْ خلق لَهُم كل شَيْء وهم لعبادة الله وَلحق بهم الْجِنّ بقوله: "وَمَا خلقت الْجِنّ وَالْإِنْس إِلَّا ليعبدون" لَكِن الْمَقْصُود

الْبشر. إِذْ تسخير مَا ذكرت كُله لَهُم. ثمَّ مِمَّا يرجع إِلَى منافعهم. وَالله الْمُوفق.

16 قَالَ أَبُو مَنْصُور رَحمَه الله: وَأما الأَصْل عندنَا فِي ذَلِك أَن الله تَعَالَى قَالَ: "لَيْسَ كمثله شَيْء" فنفى عَن نَفسه شبه خلقه. وَقد بَينا أَنه فِي فعله وَصفته متعالٍ عَن الْأَشْبَاه فَيجب القَوْل بـ"الرَّحْمَن على الْعَرْش اسْتَوَى" على مَا جَاءَ بِهِ التَّنْزِيل. وَثَبت ذَلِك فِي الْعقل. ثمَّ لَا نقطع تَأْوِيله على شَيْء لاحتماله غَيره مِمَّا ذكرنَا وَاحْتِمَاله أَيْضا مَا لم يبلغنَا مِمَّا يعلم أَنه غير مُحْتَمل شبه الْخلق ونؤمن بِمَا أَرَادَ الله بِهِ. وَكَذَلِكَ فِي كل أَمر ثَبت التَّنْزِيل فِيهِ نَحْو الرُّؤْيَة وَغير ذَلِك يجب نفي الشّبَه عَنهُ وَالْإِيمَان بِمَا أَرَادَهُ من غير تَحْقِيق على شَيْء دون شَيْء. وَالله الْمُوفق.

17 الأَصْل فِي هَذَا أَن الْأَمر يضيق على السَّامع بِمَا يقدره من الْمَفْهُوم عَن الْخلق فِي الْوُجُود. وَإِذ لزم القَوْل فِي أَنه بالتعالي عَن الْأَشْبَاه ذاتا وفعلا. لم يجز أَن يفهم من الْإِضَافَة إِلَيْهِ الْمَفْهُوم من غَيره فِي الْوُجُود مَعَ مَا كَانَ الْوُقُوف على الْمَعْنى يصرف إِلَيْهِ الْكَلَام فِي الْخلق بِمَا هُوَ عَلَيْهِ بِهِ قبل سمع ذَلِك الْكَلَام. وَالله سُبْحَانَهُ عرف قبل سمع ذَلِك الْكَلَام على غير الَّذِي عرف عَلَيْهِ الْخلق. لم يجز صرف التَّأْوِيل إِلَى مَا فهمه من الْخلق. إِذْ سَبَب الْعلم الْمُتَقَدّم مِنْهُ على احْتِمَال ذَلِك الْمَعْنى معنى قد يفهم من الشَّاهِد. من "على" وَمن "الْعَرْش" وَمن "الاسْتوَاء" معَان مُخْتَلفَة لم يجز صرف ذَلِك إِلَى أوحش وَجه. وَثمّ لأحسن ذَلِك مساغ مَعَ مَا كَانَ الله يمْتَحن بِالْوُقُوفِ فِي أَشْيَاء كَمَا جَاءَ من نعوت الْوَعْد والوعيد وَمَا جَاءَ من الْحُرُوف الْمُقطعَة وَغير ذَلِك مِمَّا نؤمن بِهِ. أَن يكون ذَا مِمَّا المحنة فِيهِ الْوَقْف لَا الْقطع. وَالله أعلم.

18 وَقَالَ الكعبي مرّة لَا يجوز أَن يكون الله عز وَجل يحويه مَكَان لما كَانَ وَلَا مَكَان لم يجز أَن يحدث لَهُ حَاجَة إِلَى الْمَكَان إِذْ خلقه لما لَا يجوز عَلَيْهِ التَّغَيُّر. ثمَّ قَالَ هُوَ فِي كل مَكَان على معنى أَنه عَالم بِهِ حَافظ لَهُ. كَمَا يُقَال: فلَان فِي بِنَاء الدَّار أَي فِي فعله.

19 قَالَ أَبُو مَنْصُور رَحمَه الله: ثمَّ قَالَ بِأَنَّهُ لَا يحويه مَكَان بِمَا كَانَ وَلَا مَكَان حق إِذْ ذَلِك تغير وَالْقَوْل بِالْحَاجةِ لَا يَقُوله خَصمه فتعليق الدّفع بِهِ خطأ ثمَّ هُوَ يزْعم أَنه كَانَ غير خَالق وَلَا رَحْمَن وَلَا مُتَكَلم ثمَّ صَار كَذَلِك بعد أَن لم يكن فَثَبت بِهِ التَّغَيُّر بل التَّغَيُّر فِي الْمَكَان من حَيْثُ أَن يصير الْمَرْء فِي مَكَان لم يكن فِيهِ بِلَا تغير نَحْو أَن يتَّخذ لَهُ مَكَان يُحِيط بِهِ وَلَا يجوز أَن يُوجد تغير من حَيْثُ لَا تغير فِي ذَات الْفَاعِل فِي الشَّاهِد. وَإِذ منع القَوْل بِهَذَا فِي الْمَكَان فَهُوَ فِي الْفِعْل أولى إِذْ يكون التَّغَيُّر فِيهِ أَشد وَأولى مَعَ مَا لَا يكون أحد فِي الشَّاهِد فَاعِلا بِلَا تغير يعتريه. وَجَائِز كَونه فِي مَكَان وَهُوَ الَّذِي فِيهِ خلق لَا تغير. فَلذَلِك كَانَ معنى التَّغَيُّر فِي الْفِعْل أَشد. وَالله الْمُوفق.

ثمَّ الْعجب فِي قَوْله هُوَ فِي كل مَكَان بِمَعْنى الْعَالم وَالْعَالم اسْم ذَاته وَهُوَ بِذَاتِهِ عِنْده لَيْسَ فِي مَكَان وَلَا تحقق لَهُ علما ليبلغ الْمَكَان الَّذِي قَالَ هُوَ فِيهِ.

تأملوا لتفهموا تناقضه فِي القَوْل.

ثمَّ زعم أَنه يحفظه مرّة وَمرَّة أَنه يَفْعَله وَحفظه وَفعله فِي الْأَمْكِنَة لَيْسَ غير الْأَمْكِنَة فَصَارَ حَاصِل قَوْله: الله فِي كل مَكَان فِي الْأَمْكِنَة. وَذَلِكَ خلف من القَوْل بل هُوَ عَالم بالأمكنة كلهَا قبل كَونهَا وَبعد كَونهَا. وَالله الْمُوفق.

20 قَالَ الْفَقِيه أَبُو مَنْصُور رَحمَه الله: وَأما رفع الْأَيْدِي إِلَى السَّمَاء

فعلی العبادة. وَلله أن یتعبد عبادہ بما شاءَ ویوجههم إلی حیث شاء وإن ظن من یظن أن رفع الأبصار إلی السّماء لأن الله من ذٰلك الوجه إنما هُوَ کظن من یزعم أنه إلی جهة أسفل الأرض بما یضع علیها وجهه متوجها فی الصّلاة ونحوها وكظن من یزعم أنه فی شرق الأرض وغربها بما یتوجه إلی ذٰلك فی الصّلاة أو نحو مکّة لخروجه إلی الحج وفی المشاعر بالسعی فیها ضالّة أو ناحیة العدو ویقصدون قصد من یغلب علی شیء یستحق منهُ. جلّ الله عن ذٰلك.

21 ثمّ الله سُبحانهُ إذ لیس وجه أقرب إلیهِ من وجه، وَلا أحق أن یُعلمهُ من وجه، وَلا فی وسع الخلق وجه الوُصُول إلیهِ من وجه دون وجه، وَلا طمع العُقُول بمَا هُوَ عَالم بذَاتِه. غنی عن عبادة خلقه. تعبدهم لأنفسهم أن یقومُوا بشکر نعمه. لهُ المحنة کیف شاءَ لا یسبق إلی وهم أحد الوُصُول إلیهِ فی جهة دون جهة إلّا من یعرف الله حق المعرفة.

22 وَقد تبینا فیمَا تقدم وصف قربه وَذٰلك بالإجابة کقوله تعالیٰ: "وَإذا سَألك عبادی عنی فَإنّی قریب". وبالنصر والمعونه کقوله تعالیٰ: "إن الله مَعَ الّذین اتّقوا وَالّذین هم محسنون". والتقرب إلی المنزلة وَالمحل کقوله تعالیٰ: "واسجد واقترب". وَمَا روی أن: "من تقرب إلیّ شبرًا تقربت إلیهِ ذِرَاعا" إلی آخر ذٰلك. وَقوله: "وابتغوا إلیهِ الوَسیلة". وَفی الکلأ وَالحفظ کقوله: "وَربك علی کل شیء حفیظ". "وَهُوَ علی کل شیء وَکیل". وَقوله: "أفمن هُوَ قَائِم علی کل نفس بمَا کسبت". وبالعلم بقوله: "یعلم سرکم و جهرکم". وَغیر ذٰلك.

23 فعلی مثل بعض هٰذِه الوُجُوه المجیء والذهاب وَالقعُود مَعَ مَا کَانَ

مجیء الأجسام يفهم منه الانتقال ثم مجيء الحق يفهم منه الظهور كقوله: ﴿قل جاء الحق﴾ وعلى ذلك ذهاب الباطل بطلانه وذهاب الجسم انتقاله فهذا محل المجيء والذهاب في المعروف من الأعراض والأجسام. وأنه يتعالى عن المعنيين جميعا لم يجز أن يفهم من المضاف إليه ذلك. ولا قوة إلا بالله.

24 للمسألة عبارة أخرى: إنه ما من جهة ولا حالة إلا لله على عباده فيها نعم لا تحصى فجعل عليهم بها وفيها عبادات كما جعل في الجوارح والأموال بما له فيهما من النعم. ولا قوة إلا بالله.

25 على أن السماء هي محل ومهبط الوحي. ومنها أصول بركات الدنيا فرفع إليها البصر لذلك. ولا قوة إلا بالله.

(التوحيد ص [illegible] المؤلف: محمد بن محمد بن محمود، أبو منصور الماتريدي رحمه الله (المتوفى ۳۳۳ھ) المحقق: د. فتح الله خليف. الناشر: دار الجامعات المصرية، الإسكندرية)

ترجمہ

1 حضرت امام ابو منصور ماتریدی فرماتے ہیں: اہلِ اسلام اللہ تعالیٰ کے بارے میں مکان کا قول کرنے کے بارے میں مختلف ہوگئے ہیں۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اوپر کی طرف سے موصوف کیا جاتا ہے کہ وہ عرش پر مستوی ہے۔ عرش ان کے نزدیک ایک تخت ہے جس کو فرشتے اٹھائے ہوئے ہیں اور وہ اس کو گھیرے ہوئے ہیں۔

آیت ۱ ﴿وَيَحْمِلُ عَرْشَ رَبِّكَ فَوْقَهُمْ يَوْمَئِذٍ ثَمَانِيَةٌ﴾ (الحاقۃ: ۱۷)

ترجمہ اور آپ کے رب کے عرش کو اس دن آٹھ فرشتے اٹھائے ہوں گے۔

آیت ۲ ﴿وَتَرَى الْمَلَائِكَةَ حَافِّينَ مِنْ حَوْلِ الْعَرْشِ﴾ (الزمر: ۷۵)

ترجمہ اور تم فرشتوں کو دیکھو گے کہ عرش کے گرد حلقہ بنائے ہوئے ہیں۔

آیت ۳ ﴿الَّذِينَ يَحْمِلُونَ الْعَرْشَ وَمَنْ حَوْلَهُ يُسَبِّحُونَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ﴾ (غافر: ۷)

ترجمہ وہ (فرشتے) جو عرش کو اٹھائے ہوئے ہیں اور جو اس کے گرد حلقہ بنائے ہوئے ہیں، وہ سب اپنے پروردگار کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کرتے رہتے ہیں۔

وہ اپنے اس قول کی دلیل اس آیت سے لیتے ہیں:

آیت ۴ اَلرَّحۡمٰنُ عَلَی الۡعَرۡشِ اسۡتَوٰی. (سورۃ طٰہٰ:۵)

ترجمہ وہ بڑی رحمت والا عرش پر استواء فرمائے ہوئے ہے۔

اور لوگ دعا مانگتے ہوئے اپنے ہاتھوں کو آسمان کی طرف اٹھاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے بھلائیوں کی امیدیں لگاتے ہیں۔ یہ لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ عرش پر مستوی ہوا جب کہ پہلے وہ مستوی نہ تھا۔ اپنی دلیل اللہ تعالیٰ کے اس قول سے لیتے ہیں۔

آیت ۵ ثُمَّ اسۡتَوٰی عَلَی الۡعَرۡشِ. (الاعراف:۵۴)

ترجمہ پھر اس نے عرش پر استواء فرمایا۔

2 بعض لوگ یوں کہتے ہیں: وہ ہر مکان میں موجود ہے:

آیت ۶ مَا یَکُوۡنُ مِنۡ نَّجۡوٰی ثَلٰثَۃٍ اِلَّا ہُوَ رَابِعُہُمۡ وَ لَا خَمۡسَۃٍ اِلَّا ہُوَ سَادِسُہُمۡ وَ لَاۤ اَدۡنٰی مِنۡ ذٰلِکَ وَ لَاۤ اَکۡثَرَ اِلَّا ہُوَ مَعَہُمۡ. (المجادلۃ:۷)

ترجمہ کبھی تین آدمیوں میں کوئی سرگوشی ایسی نہیں ہوتی جس میں چوتھا وہ نہ ہو، اور نہ پانچ آدمیوں کی کوئی سرگوشی ایسی ہوتی ہے جس میں چھٹا وہ نہ ہو۔ اور چاہے سرگوشی کرنے والے اس سے کم ہوں یا زیادہ، وہ جہاں بھی ہوں وہ ان کے ساتھ ہوتا ہے۔

آیت ۷ وَ نَحۡنُ اَقۡرَبُ اِلَیۡہِ مِنۡ حَبۡلِ الۡوَرِیۡدِ. (سورۃ ق:۱۶)

ترجمہ اور ہم اس کی شہ رگ سے بھی زیادہ اس کے قریب ہیں۔

آیت ۸ وَ نَحۡنُ اَقۡرَبُ اِلَیۡہِ مِنۡکُمۡ وَ لٰکِنۡ لَّا تُبۡصِرُوۡنَ. (الواقعۃ:۸۵)

ترجمہ اور تم سے زیادہ ہم اس کے قریب ہوتے ہیں مگر تمہیں نظر نہیں آتا۔

آیت ۹ وَ ہُوَ الَّذِیۡ فِی السَّمَآءِ اِلٰہٌ وَّ فِی الۡاَرۡضِ اِلٰہٌ ؕ وَ ہُوَ الۡحَکِیۡمُ الۡعَلِیۡمُ.

(الزخرف:۸۴)

ترجمہ وہی (اللہ تعالیٰ) ہے جو آسمان میں بھی معبود ہے اور زمین میں بھی معبود، اور وہی

ہے جو قدرت کا بھی مالک ہے علم کا بھی مالک۔

ان لوگوں کا یہ عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں یہ قول کہ وہ مکان میں ہے اور مکان سے نیچے ہے اس کے لیے "حد" (محدود ہونا) کو ثابت کرتا ہے۔ جو بھی حد والا ہو گا وہ چھوٹا ہو گا اس کی نسبت سے جو اس سے بڑا ہو گا۔ یہ چیز عیب اور آفت ہے۔ اس قول میں اللہ تعالیٰ کے لیے مکان کی حاجت واجب کرتا ہے۔ اور اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے لیے حد کو بھی واجب کرتا ہے۔ کیونکہ اس کا احتمال نہیں ہے کہ وہ مکان سے بڑا ہو۔ اس لیے کہ عرف میں یہ بات تسلیم کی گئی ہے کہ کوئی اپنے لیے ایسا مکان تیار کرے جو اس کے برابر ہو۔ لہٰذا مکان کی حد اس کی حد ہو جائے گی۔ اللہ تعالیٰ کی ذات اس سے اور تمام عیبوں سے پاک اور برتر ہے۔

3 بعض لوگ نے اللہ تعالیٰ سے مکان کے وصف کی نفی کی ہے اور اسی طرح تمام جگہوں سے بھی نفی کی ہے مگر موجودگی حق کے لحاظ سے یعنی اس کی حفاظت کرنے والا اور اس کو قائم رکھنے والا ہے۔

4 حضرت شیخ ابو منصور ماتریدیؒ فرماتے ہیں: خلاصہ یہ کہ تمام اشیاء کی اس کی طرف نسبت کرنا اور ان کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کرنا اس عام وصف سے نکال کر اس کو خصوصیت کے وصف سے متصف کر دیتا ہے اور اس کے لیے تعظیم اور جلالت قدر پیدا کر دیتا ہے۔ جیسے کہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

آیت ۱۰ لَهُ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ. (البقرہ: ۱۰۷)

ترجمہ آسمانوں اور زمین کی سلطنت تنہا اس (اللہ تعالیٰ) کی ہے۔

آیت ۱۱ رَبُّ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ. (الانبیاء: ۵۶)

ترجمہ آسمانوں اور زمین کا مالک ہے۔

☆ تمام مخلوق کا معبود۔

آیت ۱۲ رَبِّ الْعَالَمِينَ. (الفاتحہ: ۱)

ترجمہ تمام جہانوں کا پروردگار ہے۔

☆ ہر چیز کے اوپر موجود۔

جب خاص قسم کی اضافت اللہ تعالیٰ کی طرف ہو تو اس سے خصوصی قسم کی کرامت، منزلت اور فضیلت مراد ہوتی ہے۔ مثلاً:

آیت ۱۳ إِنَّ اللَّهَ مَعَ الَّذِينَ اتَّقَوا وَّالَّذِينَ هُم مُّحْسِنُونَ. (النحل: ۱۲۸)

ترجمہ یقین رکھو کہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کا ساتھی ہے جو تقویٰ اختیار کرتے ہیں، اور جو احسان پر عمل پیرا ہیں۔

آیت ۱۴ وَأَنَّ الْمَسَاجِدَ لِلَّهِ فَلَا تَدْعُوا مَعَ اللَّهِ أَحَدًا (الجن: ۱۸)

ترجمہ اور یہ کہ: ”سجدے تو تمام تر اللہ تعالیٰ ہی کا حق ہیں، اس لیے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی اور کی عبادت مت کرو۔“

آیت ۱۵ هَٰذِهِ نَاقَةُ اللَّهِ لَكُمْ آيَةً. (الاعراف: ۷۳)

ترجمہ یہ اللہ تعالیٰ کی اونٹنی ہے جو تمہارے لیے ایک نشانی بن کر آئی ہے۔

بَيْتُ اللَّهِ (اللہ تعالیٰ کا گھر) وغیرہ۔

ان آیات کے معانی میں سے کوئی مفہوم ایسا نہیں نکلتا جو مخلوق کی آپس میں ایک دوسرے کی نسبت کے لحاظ سے ہو۔ یقیناً اس بات کا کوئی احتمال ہی نہیں کہ مخلوق جیسے معانی مراد ہوں کیونکہ اس سے بھی تخصیص کی اضافت کا معنی مراد ہے۔ اور اس کے عموم سے بادشاہی اور سلطنت کی فضیلت ہی مراد ہوتی ہے۔

5 حضرت امام ابو منصور ماتریدیؒ فرماتے ہیں: اصل اس مسئلہ میں یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہی تھی اور کوئی مکان نہیں تھا۔ اور یہ بات جائز ہے کہ اللہ تعالیٰ مکان سے بہت بلند ہیں۔ اس کی ذات کی بقاء اسی طرح آج بھی ہے جیسے وہ پہلے تھی۔ وہ آج بھی ایسے ہی ہے جیسا کہ پہلے تھا۔ یعنی اللہ تعالیٰ مکان کے بغیر ہی موجود ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات تغیر و تبدل، زوال، انتقال اور بطلان (باطل ہونے) سے پاک ہے۔ کیونکہ یہ حدوث کی علامات ہیں جن سے اس عالم کا حادث ہونا معلوم ہوتا ہے۔ یہ فنا کے احتمال پر دلالت کرتا ہے۔ کیونکہ ایک حالت سے زائل ہو کر دوسری حالت میں آنے میں کوئی فرق نہیں تاکہ یہ بات معلوم ہو جائے کہ اس کی پہلی حالت اس کی ذاتی حالت نہیں تھی۔ اس لیے کہ اس بات کا کوئی احتمال ہی نہیں کہ جو چیز اس کی ذات کو

لازم ہے اس وقت اس ہو اور اس سے یہ بات ظاہر ہوتی کہ یہ اس کی ذات میں سے
نہیں ہے جس میں یہ حلول ہو تو وہ اس کو گھیر لے اور حالات میں تبدیلی آئے۔
اور قوت تو اللہ کی ہی ہے۔

6 اس کے بعد اللہ تعالیٰ کے لیے مکان کی موجودگی کا ماننا اور اس کے لیے مکان میں
اپنی ذات کے ساتھ موجودگی کے وصف کو ماننا اس کے لیے جسم قرار دینے کی طرح ہے،
مانند ہے جیسا کہ جسم اور تمام اعراض کے لیے مکان ہوتا ہے جس کے ساتھ ان کا
وجود قائم ہے۔ اسی میں شکل و حرکت قرار اور تمام اوصاف کا تعلق ہے۔ لیکن جس نے
اس کو پیدا کیا ہے اور اس کو قائم رکھتا ہے مکان کے ساتھ نہیں۔ وہ ذات
پاک اور بلند ہے مکان کی حاجت سے یا اس وصف سے جس کے ساتھ یہ عالم قائم
ہے۔ وہ اس سے پاک ہے کہ وہ کلی یا جزئی طور پر کسی مکان میں ہو۔

7 پھر اگر اللہ تعالیٰ کو کسی مکان میں رہنے والا قرار دیا جائے تو اس کو کسی عالم میں جزئیات
کے ساتھ قرار دیا جائے گا اور یہ نقصان اور کمی کی علامت ہے۔ بلکہ جب اللہ تعالیٰ نے
تمام عالم کو قائم کیا تو مکان کے ساتھ قائم نہیں کیا۔ پس اس کا تمام عالم کو قائم رکھنا
زیادہ لائق و زیادہ واجب ہے۔ اور قوت تو اللہ تعالیٰ ہی سے ہے۔

8 حضرت امام ابو منصور ماتریدی فرماتے ہیں: پھر عرش پر ہونے کا قول (اور وہ عرش
ایک جگہ ہے) اس کے معنی ہیں: کہ وہ اپنی ذات کے ساتھ عرش پر ہے یا وہ متجسم ہے۔
وہ اس کے لحاظ سے تو وہ گھیر رکھتا ہے یا وہ عرش پر مستوی ہے یا وہ اس سے تجاوز
کرتا ہے اور اس کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔ اگر پہلا معنی مراد لیا جائے پھر تو اللہ
کے ذریعے محدود ہوگا (معاذ اللہ) اس لیے یا وہ مخلوق سے کم ہوگا کیونکہ وہ
اس سے چھوٹا ہوگا۔ اور اگر اللہ تعالیٰ کو اپنی ذات کے ساتھ مکان سے افضل یا زیادہ
مانے تو اس سے یہ بات بھی درست ہو جائے گی کہ اللہ تعالیٰ وقت کے اعتبار سے بھی
افضل کیا ہوا ہے۔ پس وہ اپنی ذات کے لحاظ سے محتاج ہوگا اور اپنی ہی مخلوق سے
محدود ہوگا۔ اگر چہ وہ دوسرے شئی کے لحاظ سے کیوں نہ ہو۔ اور اگر وہ مخلوق سے زائد ہے،
تو بھی نقص ہوگا تو اس صورت میں پہلے والے ہی اعتراض ہوں گے۔ اور اگر

تیسری وجہ ہو تو وہ ایک ناپسندیدہ امر ہے جو حاجت و ضرورت پر دلالت کرنے والا ہے۔ اور اس میں تعظیم و کوتاہی بھی ہے کہ وہ اس چیز کو پیدا کر دے جس سے اس کو فضیلت حاصل نہیں ہے۔ حالانکہ پیدا شدہ چیز ہے بادشاہوں کے محل کے لحاظ سے بھی کہ وہ اپنے آپ کو رعایا سے بھی فضیلت نہ دیں۔

9 اس کے بعد یہ بات کہی ہے کہ اس میں تجزی (جزء میں تقسیم کرتا ہے) بھی ہے۔ اس وجہ سے کہ اس کا بعض حصہ اعلیٰ ہوا ہے، اور بعض حصہ اس سے فضیلت والا بھی ہے۔ اور یہ سب مخلوق کے اوصاف ہیں۔ اللہ تعالیٰ تو اس سے پاک اور برتر ہیں۔

10 اس کے بعد اس ارتفاع اور بلندی میں، جو کسی مکان کی بلندی کے لحاظ سے ہو، چاہے وہ جلوس یا قیام کی حالت میں ہو کوئی شرف اور بلندی نہیں ہے۔ اور نہ اس میں عظمت اور کبریائی کا کوئی وصف پایا جاتا ہے، جیسے کوئی شخص مکان کی چھت یا پہاڑ پر بلند ہو۔ یقیناً "جوہر" پر استواء کی وجہ سے وہ مرد پر رفعت کا مستحق نہیں ہے۔ پس آیت (استواء) کی تاویل سے صرف نظر کرنا جائز نہیں ہے جب کہ اس آیت میں عظمت اور جلال کا ذکر بھی ہے۔ اس لیے کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے:

آیت ۱۶ إِنَّ رَبَّكُمُ اللَّهُ الَّذِي خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ

(الاعراف: ۵۴)

ترجمہ یقیناً تمہارا پروردگار وہ اللہ ہے جس نے سارے آسمان اور زمین چھ دن میں بنائے۔

☆ پس یہ آیت عرش کی تعظیم پر دلالت کرتی ہے۔ چاہے عرش نور سے بنا ہو یا جوہر سے، مخلوق کے عمر کی وہاں تک رسائی ہی نہیں ہے۔

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا گیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا:

"آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سورج کا وصف بیان فرمایا کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام عرش کی روشنی میں سے اپنی بغل میں لے لیتے ہیں تو اس کو سورج کو پہنا دیتے ہیں جیسے کہ ایک تم میں سے قمیص پہن لیتا ہے، ہر روز جب سورج طلوع ہوتا ہے"۔

اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے چاند کے بارے میں بھی فرمایا کہ اس کو بھی مٹھی بھر نور

آیت ۱۹ وَإِذَا أَرَدْنَا أَنْ نُهْلِكَ قَرْيَةً أَمَرْنَا مُتْرَفِيهَا فَفَسَقُوا فِيهَا فَحَقَّ عَلَيْهَا الْقَوْلُ فَدَمَّرْنَاهَا تَدْمِيرًا. (بنی اسرائیل: ۱۶)

ترجمہ اور جب ہم کسی بستی کو ہلاک کرنے کا ارادہ کرتے ہیں تو اس کے خوش حال لوگوں کو (ایمان اور اطاعت کا) حکم دیتے ہیں، پھر وہ وہاں نافرمانیاں کرتے ہیں، تو ان پر بات پوری ہو جاتی ہے، چنانچہ ہم انہیں تباہ و برباد کر ڈالتے ہیں۔

☆ اس سے مراد ان کے ارادہ دوسرے لوگوں کا شامل کرنا ہے۔

اور یہ بھی احتمال ہے کہ اس سے مکان کے وصف کی نفی مراد ہو کہ مخلوق کے نزدیک تمام مکانات سے اونچا اور اعلیٰ مکان مراد ہے۔ عقل اس سے اونچے اور بلند مکان کا تصور بھی نہیں کر سکتی۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس طرف اشارہ فرمایا ہے تاکہ یہ بات جان لی جائے کہ اللہ تعالیٰ تمام مکانات سے عالی اور بلند ہے اور وہ مکان کی حاجت سے پاک اور بلند ہے۔ اسی بات کا اس آیت میں بھی بیان ہے۔

آیت ۲۰ مَا يَكُونُ مِنْ نَجْوَى ثَلَاثَةٍ إِلَّا هُوَ رَابِعُهُمْ وَلَا خَمْسَةٍ إِلَّا هُوَ سَادِسُهُمْ وَلَا أَدْنَى مِنْ ذَلِكَ وَلَا أَكْثَرَ إِلَّا هُوَ مَعَهُمْ أَيْنَ مَا كَانُوا.

(المجادلہ: ۷)

ترجمہ کبھی تین آدمیوں میں کوئی سرگوشی ایسی نہیں ہوتی جس میں چوتھا وہ نہ ہو، اور نہ پانچ آدمیوں کی کوئی سرگوشی ایسی ہوتی ہے جس میں چھٹا وہ نہ ہو۔ اور سرگوشی کرنے والے اس سے کم ہوں یا زیادہ، وہ جہاں بھی ہوں، اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ ہوتا ہے۔

☆ نجویٰ (سرگوشی) اس نوع میں سے نہیں جس کی اضافت مکان کی طرف کی جا سکے، لیکن اس کی اضافت افراد کی طرف ہوتی ہے۔ پس اللہ تعالیٰ نے اس بات کی خبر دی ہے کہ وہ مکان سے پاک اور بلند ہے اور وہ اس سے پاک ہے کہ کوئی چیز اس سے مخفی رہے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کو بیان کیا ہے۔ فرمان باری تعالیٰ ہے:

آیت ۲۱ وَنَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيدِ. (سورت ق: ۱۶)

ترجمہ اور ہم اس کی شہ رگ سے بھی زیادہ اس کے قریب ہیں۔

یعنی اللہ تعالیٰ کی سلطنت اور قوت کے ساتھ۔

اور زمین و آسمان کے ہر شے میں یعنی الوہیت کے ساتھ، اس لیے کہ تمام مکانات اس کی عبادت کرتے ہیں:

آیت ۲۲ وَهُوَ الَّذِي فِي السَّمَاءِ إِلَٰهٌ وَفِي الْأَرْضِ إِلَٰهٌ ۚ وَهُوَ الْحَكِيمُ الْعَلِيمُ۔

(الزخرف: ۸۴)

ترجمہ: وہی (اللہ تعالیٰ) ہے جو آسمان میں بھی معبود ہے اور زمین میں بھی معبود۔ اور وہی ہے جو حکمت کا بھی مالک ہے، علم کا بھی مالک۔

اللہ تعالیٰ ہر چیز کا مالک ہے، جیسا کہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

آیت ۲۳ أَلَمْ تَعْلَمْ أَنَّ اللَّهَ لَهُ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ۔

(البقرہ: ۱۰۷؛ المائدہ: ۴۰)

ترجمہ: کیا تمہیں معلوم نہیں کہ اللہ وہ ذات ہے کہ آسمانوں اور زمین کی سلطنت تنہا اسی کی ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے اپنی علوشان اور اپنے عظمت وجلال کو بیان فرمایا ہے:

آیت ۲۴ وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهِ۔ (الانعام: ۱۸، ۶۱)

ترجمہ: وہی اپنے بندوں پر مکمل اقتدار رکھتا ہے۔

آیت ۲۵ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ۔ (البقرہ: ۲۹)

ترجمہ: اور وہ ہر چیز کو پورا علم رکھنے والا ہے۔

آیت ۲۶ وَهُوَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ۔ (سورت المائدہ: ۱۷)

ترجمہ: اور وہ ہر چیز پر پوری پوری قدرت رکھتا ہے۔

پس اللہ تعالیٰ نے ان حروف کے درمیان اس فرق کو واضح کر دیا ہے جو ان میں ہے تاکہ اس بات کو جان لیا جائے کہ تمام اسمائے باری تعالیٰ اور صفات باری تعالیٰ اس کی ذات کے ساتھ قائم ہیں، نہ کہ اس کی مخلوق میں سے کسی کے ساتھ۔ اسی طرح اس کی عزت و شرف، اس کی عظمت وجلال، اس کی حمد وثنا بھی مشابہت وتشبیہ سے پاک ہے۔ اس کی ذات کے سوا کوئی بھی معبود نہیں ہے۔

ہے اور چونکہ قصہ بھی کسی نہ کسی بنا پر ہوتا ہے۔

14 حضرت امام ابو منصور ماتریدیؒ فرماتے ہیں: عرش کی تفسیر میں یہ بات بھی ہے کہ استواء کو استیلاء یعنی قہر و غلبہ کے معنی میں لیا جائے اور عرش کو مملکت کے معنی میں لیا جائے، تو اللہ تعالیٰ تمام مخلوقات پر قاہر اور غالب ہے۔ اس تاویل کی بنا پر یہ دلالت کرتی ہے فرمان باری تعالیٰ ہے:

آیت ۲: وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ (التوبہ:۱۲۹)

ترجمہ: اور وہ عرش عظیم کا مالک ہے۔

بہت بڑے بادشاہت کے معنی میں

اس میں عرش عظیم کا اثبات ہے۔ پس اس میں اٹھانے کے عرش اور اس کو گھیرنے والے فرشتے بھی مراد ہیں۔

15 اگر استواء کو پورا کرنا اور بلند ہونے کے معنی میں لیا جائے تو اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

آیت ۳: قُلْ أَئِنَّكُمْ لَتَكْفُرُونَ بِالَّذِي خَلَقَ الْأَرْضَ فِي يَوْمَيْنِ وَتَجْعَلُونَ لَهُ أَندَادًا ۚ ذَٰلِكَ رَبُّ الْعَالَمِينَ. وَجَعَلَ فِيهَا رَوَاسِيَ مِن فَوْقِهَا وَبَارَكَ فِيهَا وَقَدَّرَ فِيهَا أَقْوَاتَهَا فِي أَرْبَعَةِ أَيَّامٍ سَوَاءً لِّلسَّائِلِينَ. ثُمَّ اسْتَوَىٰ إِلَى السَّمَاءِ وَهِيَ دُخَانٌ فَقَالَ لَهَا وَلِلْأَرْضِ ائْتِيَا طَوْعًا أَوْ كَرْهًا قَالَتَا أَتَيْنَا طَائِعِينَ. فَقَضَاهُنَّ سَبْعَ سَمَاوَاتٍ فِي يَوْمَيْنِ وَأَوْحَىٰ فِي كُلِّ سَمَاءٍ أَمْرَهَا ۚ وَزَيَّنَّا السَّمَاءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيحَ وَحِفْظًا ۚ ذَٰلِكَ تَقْدِيرُ الْعَزِيزِ الْعَلِيمِ (فصلت:۹-۱۲)

ترجمہ: کہہ دو کیا تم واقعی اس ذات کے ساتھ کفر کرتے ہو جس نے زمین کو دو دن میں پیدا کیا، اور اس کے ساتھ دوسروں کو شریک ٹھہراتے ہو؟ وہ ذات تو سارے جہانوں کی پرورش کرنے والی ہے۔ اور اس نے زمین میں جمے ہوئے پہاڑ پیدا کیے جو اس کے اوپر ابھرے ہوئے ہیں، اور اس میں برکت ڈال دی، اور اس میں توازن کے ساتھ اس کی غذائیں پیدا کیں ـــــ سب کچھ چار دن میں ـــــ تمام سوال کرنے والوں کے لیے برابر۔ پھر وہ آسمان کی طرف متوجہ ہوا جبکہ وہ اس وقت

دھوئیں کی شکل میں تھا۔ اور اس سے اور زمین سے کہا: "چلے آؤ، چاہے خوشی سے یا زبردستی"۔ دونوں نے کہا: "ہم خوشی خوشی آتے ہیں"۔ چنانچہ اس نے دو دن میں اپنے فیصلے کے تحت ان کے سات آسمان بنا دیئے۔ اور ہر آسمان میں اس کے مناسب حکم بھیج دیا۔ اور ہم نے اس قریب والے آسمان کو چراغوں سے سجایا اور اسے خوب محفوظ کر دیا۔ یہ اس ذات کی پلی تلی منصوبہ بندی ہے جس کا اقتدار بھی کامل ہے، جس کا علم بھی مکمل۔

☆ تو اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں چھ دنوں میں مخلوق کی پیدائش کا علیحدہ علیحدہ ذکر کیا ہے۔ پھر اس کو اجمالی طور پر اس آیت میں ذکر کیا ہے:

آیت ۳۲ إِنَّ رَبَّكُمُ اللَّهُ الَّذِي خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوَىٰ عَلَى الْعَرْشِ يُغْشِي اللَّيْلَ النَّهَارَ يَطْلُبُهُ حَثِيثًا وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُومَ مُسَخَّرَاتٍ بِأَمْرِهِ ۗ أَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْأَمْرُ ۗ تَبَارَكَ اللَّهُ رَبُّ الْعَالَمِينَ. (الاعراف: ۵۴)

ترجمہ یقیناً تمہارا پروردگار وہ اللہ ہے جس نے سارے آسمان اور زمین چھ دن میں بنائے۔ پھر اس نے عرش پر استوا فرمایا۔ وہ دن کو رات کی چادر اڑھا دیتا ہے، جو تیز رفتاری سے چلتی ہوئی اس کو آدبوچتی ہے۔ اور اس نے سورج، چاند اور ستارے پیدا کیے ہیں جو سب اس کے حکم کے آگے رام ہیں۔ یاد رکھو کہ پیدا کرنا اور حکم دینا سب اسی کا کام ہے۔ بڑی برکت والا ہے اللہ جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے!

اس میں اس معنی کو بیان کیا گیا ہے کہ آسمانوں اور زمین کی تخلیق مکمل کرنے سے تخلیق کا عمل مکمل ہو گیا۔ پس ان سے بادشاہی کا ظہور کامل ہو گیا اور اس کو بلندی اور ارتفاع حاصل ہو گیا۔ کیونکہ ان چیزوں کی تخلیق سے مقصد پورا ہو گیا جس کی ہم نے وضاحت بیان کر دی ہے۔

پس اس سے بادشاہی اور رفعتِ شان کا معنی پورا ہو گیا، جب یہ مقصد ان تک پہنچ گیا۔ اور یہ بات بھی کہی گئی ہے: یہ مقصد خصوصاً انسان کی پیدائش سے پورا ہو گیا۔ فرمان باری تعالیٰ ہے:

آیت ۳۳ هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ لَکُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعاً۔ (البقرۃ:۲۹)

ترجمہ وہی ہے جس نے زمین میں جو کچھ ہے سب تمہارے لیے پیدا کیا ہے۔

آیت ۳۴ وَسَخَّرَ لَکُمُ الَّیْلَ وَالنَّهَارَ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ۔ وَالنُّجُوْمُ مُسَخَّرٰتٌ بِاَمْرِهٖ۔ اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ۔ (النحل:۱۲)

ترجمہ اور اس نے دن اور رات کو اور سورج اور چاند کو تمہاری خدمت پر لگا رکھا ہے۔ اور ستارے بھی اس کے حکم سے کام پر لگے ہوئے ہیں۔ یقیناً ان باتوں میں ان لوگوں کے لیے بڑی نشانیاں ہیں جو عقل سے کام لیں۔

آیت ۳۵ وَسَخَّرَ لَکُمْ مَّا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعاً مِّنْهُ۔ اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّتَفَکَّرُوْنَ۔ (الجاثیۃ:۱۳)

ترجمہ اور آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے وہ سب کو اس نے اپنی طرف سے تمہارے کام میں لگا رکھا ہے۔ یقیناً اس میں ان لوگوں کے لیے بڑی نشانیاں ہیں جو غور و فکر سے کام لیں۔

☆ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ انسان کو ساتویں دن پیدا کیا گیا ہے۔ اسی کے ساتھ پورا ہوا۔ درعلو ورفعت کا حق پورا ہوتا ہے۔ اس لیے کہ ہر چیز تو انسانوں کے لیے پیدا کی گئی ہے اور انسان اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لیے پیدا کیے گئے ہیں۔ جنوں کو بھی انسانوں کے ساتھ ہی ملحق کیا گیا ہے۔ فرمان باری تعالیٰ ہے:

آیت ۳۶ وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ۔ (الذاریات:۵۶)

ترجمہ اور میں نے جنات اور انسانوں کو اس کے سوا کسی اور کام کے لیے پیدا نہیں کیا کہ وہ میری عبادت کریں۔

لیکن مقصود اصلی تو انسان ہی ہے۔ اس لیے جن چیزوں کی تسخیر کا ذکر کیا گیا ہے وہ سب کی سب انسان کے لیے ہیں۔ پھر اسی کے ساتھ ان کے منافع بھی ان کو حاصل ہوتے ہیں۔ اور توفیق تو اللہ ہی کی طرف سے ہے۔

16 حضرت امام ابومنصور ماتریدیؒ فرماتے ہیں: اس مسئلہ میں اصل اور معتبر بات تو اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہی ہے:

آیت ۷ لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ ۚ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ (الشوریٰ:۱۱)

ترجمہ کوئی چیز اس کے مثل نہیں ہے، اور وہی ہے جو ہر بات سنتا سب کچھ دیکھتا ہے۔

یعنی اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مخلوق کی تشبیہ سے ہر حال میں نفی فرمائی ہے۔ جس نے اس بات کی وضاحت کر دی ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے افعال اور صفات میں مخلوق کی تشبیہ سے پاک اور بلند ہیں۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ کے اس فرمان:

آیت ۴۸ اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى (سورت طٰہٰ:۵)

ترجمہ وہ بڑی رحمت والا عرش پر استواء فرمائے ہوئے ہے۔

میں وہی قول واجب ہے کہ اس پر اسی طرح ایمان لایا جائے جس طرح قرآن پاک میں آیا ہے اور عقل بھی اسی کی تائید کرتی ہے۔

پھر ہم کی ہم کوئی قطعی تاویل ہرگز نہیں کرتے۔ اس لیے کہ ہوسکتا ہے کہ ہماری بیان کردہ تاویل کے علاوہ یہاں دوسرا احتمال اور معنی مراد ہو۔ یا وہ احتمال مراد ہو جہاں تک ہماری عقل کی رسائی ہی نہیں۔ وہ معنی ہرگز مراد نہیں جس میں مخلوق کی تشبیہ کا شائبہ بھی ہو۔ ہم تو اسی پر ایمان لاتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی مراد ہے۔ یہی عقیدہ ہر اس مسئلہ میں ہے جس میں وحی (قرآن وحدیث) کی نص موجود ہے، جیسے رؤیت باری تعالیٰ وغیرہ۔ ان میں اللہ تعالیٰ سے تشبیہ کی نفی کرنی ہے۔ اور اس پر ایمان لانا ہے جو بھی اللہ تعالیٰ کی مراد ہے۔ اس کی تحقیق و تعمق میں ہرگز نہیں پڑتا ہے۔ اور توفیق تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہی ہے۔

17 اصل اس مسئلہ میں یہ ہے کہ بساشت پر معاملہ تنگ ہو جاتا ہے۔ اس وجہ سے کہ وہ اس مفہوم کو سمجھنے کی قدرت رکھتا ہے جو مخلوق کے لحاظ سے وجود میں ہوتا ہے۔ اور جب یہ بات لازمی اور طے شدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات اور افعال کے بارے میں وہ قول اختیار کیا جائے جو تشبیہ و تجسیم سے پاک اور منزہ ہو۔ یہ بات جائز نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف اضافت ہو نسبت کے مفہوم کو اس مفہوم کے معنی میں لیا جائے جو اس کی ذات کے علاوہ مخلوق میں اس کو وجود پایا جاتا ہو۔ اس کے ساتھ یہ بات بھی ہے کہ اس کے (لغوی) معنی پر انحصار کرنے سے کلام کا رخ مخلوق کی جانب چلا جاتا ہے،

میں آ جائے، جب کہ وہ اس میں نہیں تھا تغیر کی تعریف و تبدیل کے، مثلاً وہ اس کو مکان بنا
لے جو اس کا احاطہ کرنے والا ہو۔ یہ بات تو جائز نہ ہو کہ اس کے اندر تغیر پایا جائے،
اس لحاظ سے کہ شاید کسی فاعل کی ذات سے تغیر نہ ہو اور جب اس نے مکان سے تنگ
والا قول اختیار کیا گیا تو اس کو عقل میں اختیار کرنا زیادہ بعید ہے۔ اس لیے کہ اس میں
تغیر ماننا زیادہ سخت ہو، تو حادث اس کے ساتھ دیکھی ہے کہ شاید میں فاعل کوئی بھی
نہیں ہے اس تغیر کے لیے جو اس کو لاحق ہو اور یہ جائز ہو کہ وہ مکان میں ہو، جب کہ
وہ ذات وہ ہے کہ اس میں صفت خلق تو ہے تغیر نہیں ہے۔ اس لیے عقل میں تغیر کا معنی
زیادہ شدید ہے۔ توفیق تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔

پھر اس کعبی معتزلی کے قول میں یہ بات بہت عجیب ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر مکان میں ہے
اس معنی کے لحاظ سے کہ وہ عالم ہے، اور عالم اس کی ذات کا اسم ہے، اور وہ اپنی
ذات کے ساتھ اس کے پاس ہے۔ وہ کسی مکان میں نہیں ہے۔ اور اس نے اللہ تعالیٰ
کے لیے علم کا ثبوت نہیں کیا ہے تا کہ وہ اس مکان تک پہنچے جس کے بارے میں وہ کہتا
ہے کہ اس میں موجود ہے۔

یہاں غور و فکر سے کام لو تا کہ تم اس کے قول میں تناقض دیکھ سکو!!

پھر وہ کعبی یوں بھی کہتا ہے: وہ ایک مرتبہ ان کی حفاظت کرتا ہے اور ایک مرتبہ اس
کام کو کرتا ہے۔ اس کی حفاظت اور اس کا تعلق مکان میں ہوگا، مکان کے بغیر نہیں
ہوگا۔ لہٰذا اس قول کا حاصل یہ ہوا اللہ تعالیٰ کا قول کیسے ہر مکان میں ہے۔ اور
اس کے بعد یہ قول بھی ہے: بلکہ وہ تمام جگہوں کا عالم بھی ہے ان کے وجود سے پہلے بھی،
اور ان کے وجود کے بعد بھی۔ اللہ ہی توفیق دینے والے ہیں۔

20 حضرت امام ابو منصور ماتریدی فرماتے ہیں:

دعا کے وقت آسمان کی طرف ہاتھ اٹھانا تو یہ عبادت کی وجہ سے ہے۔ اللہ تعالیٰ کی
شان والوہیت میں سے ہے کہ وہ اپنے بندوں کے لیے عبادت کا جو طریقہ مقرر
کرے اور وہ اپنے بندوں کو جس طرف چاہے رخ کرنے کا حکم دے۔ اگر کوئی شخص
یہ خیال کرے کہ آسمان کی طرف آنکھوں کو اٹھانا اس لیے ہے کہ اللہ تعالیٰ اس سمت

میں ہیں۔ یہ خیال کرنا ایسا ہی ہے جیسا کوئی شخص یہ خیال کرے کہ اللہ تعالیٰ زمین کے نچلی جانب ہے۔ اس لیے کہ سجدے میں آدمی زمین کی طرف تو جھک کر زمین پر اپنا چہرہ رکھ دیتا ہے وغیرہ۔ یہ خیال ایسا ہی ہے کہ وہ شخص یہ خیال کرے کہ اللہ تعالیٰ زمین کے مشرقی یا مغربی سمت میں ہے، کیونکہ وہ نماز میں اس طرف رخ کر رہا ہے، یا وہ حج کے لیے مکہ مکرمہ رخ کر کے چلے، یا مشاعر میں سعی کرے اس حال میں کہ وہ حیران و پریشان ہو یا وہ تیز رفتاری کے ساتھ چل رہا ہو۔ وہ وہاں اس چیز کا ارادہ کر رہا ہے جو اس جو ان سے مخلوق کی ہو۔ اللہ تعالیٰ کی ذات تو اس سے بہت بلند ہے۔

21 پھر اللہ تعالیٰ کی ذات ایسی عظیم الشان ہے کہ کوئی وہم اور گمان ایسا نہیں ہے جو اس کی ذات باری تعالیٰ کے زیادہ قریب ہو، اور نہ کسی کو یہ حق ہے کہ وہ اس کے بارے میں کسی طریقے سے کچھ معلوم کر سکے، نہ مخلوق میں سے کسی کو یہ طاقت ہے کہ وہ کسی بھی لحاظ سے اس تک رسائی حاصل کر سکے، نہ عقل کو اس کی طمع اور امید ہو سکتی ہے۔ لہذا مخلوق کی عبادت کرنا خود انہی کے لیے ہی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر بجا لائیں۔ اس کی شان بہت بلند ہے۔ وہی ہوتا ہے جیسے وہ چاہتا ہے۔ کسی کی بھی عقل و فہم کی کسی بھی لحاظ سے وہاں تک رسائی ممکن نہیں ہے، مگر اتنی جتنا اللہ تعالیٰ کسی کو معرفت عطا فرما دے۔

22 ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی صفت قرب سے مراد اجابت یعنی دعا کو قبول کرنا ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

آیت ۳۹: **وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي قَرِيبٌ ۖ أُجِيبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ ۖ فَلْيَسْتَجِيبُوا لِي وَلْيُؤْمِنُوا بِي لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُونَ** (البقرۃ: ۱۸۶)

ترجمہ: اور (اے پیغمبر!) جب میرے بندے آپ سے میرے بارے میں پوچھیں تو (آپ ان سے کہہ دیجئے کہ) میں اتنا قریب ہوں کہ جب کوئی مجھے پکارتا ہے تو میں پکارنے والے کی پکار سنتا ہوں۔ لہذا وہ بھی میری بات دل سے قبول کریں، اور مجھ پر ایمان لائیں، تاکہ وہ راہ راست پر آجائیں۔

☆ نصرت اور مدد کرنا جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

آیت ۴۰: إِنَّ اللَّهَ مَعَ الَّذِينَ اتَّقَوْا وَّالَّذِينَ هُمْ مُّحْسِنُونَ. (النحل:۱۲۸)

ترجمہ: یقین رکھو کہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کا ساتھی ہے جو تقویٰ اختیار کرتے ہیں، اور جو احسان پر عمل پیرا ہیں۔

☆ منزلت اور مقام کے لحاظ سے تقرب جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے:

آیت ۴۱: وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ (العلق:۱۹)

ترجمہ: اور سجدہ کرو اور قریب آ جاؤ۔

☆ اور حدیث شریف میں روایت کیا گیا ہے:

مَنْ تَقَرَّبَ إِلَيَّ شِبْرًا تَقَرَّبْتُ إِلَيْهِ ذِرَاعًا۔ إلى آخر ذلك.

ترجمہ: جو شخص ایک بالشت میرے قریب ہوگا میں اس کی طرف ایک ذراع آؤں گا۔

فرمان باری تعالیٰ ہے:

آیت ۴۱: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَابْتَغُوا إِلَيْهِ الْوَسِيلَةَ وَجَاهِدُوا فِي سَبِيلِهِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ. (المائدہ:۳۵)

ترجمہ: اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ سے ڈرو، اور اس تک پہنچنے کے لیے وسیلہ تلاش کرو اور اس کے راستے میں جہاد کرو، امید ہے کہ تمہیں فلاح حاصل ہوگی۔

☆ نگرانی اور حفاظت کے معنی میں۔

آیت ۴۲: وَرَبُّكَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ حَفِيظٌ. (سبا:۲۱)

ترجمہ: اور تمہارا پروردگار ہر چیز پر نگران ہے۔

آیت ۴۳: اللَّهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ ۖ وَهُوَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ وَكِيلٌ. (الزمر:۶۲)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے اور وہی ہر چیز کا رکھوالا ہے۔

آیت ۴۴: أَفَمَنْ هُوَ قَائِمٌ عَلَىٰ كُلِّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ. (الرعد:۳۳)

ترجمہ: بھلا بتاؤ کہ ایک طرف وہ ذات ہے جو ہر ہر شخص کے ہر ہر کام کی نگرانی کر رہی ہے۔

☆ علم کے معنی میں وغیرہ۔

آیت ۴۵: وَهُوَ اللَّهُ فِي السَّمَاوَاتِ وَفِي الْأَرْضِ ۖ يَعْلَمُ سِرَّكُمْ وَجَهْرَكُمْ وَيَعْلَمُ مَا تَكْسِبُونَ. (الانعام:۳)

ترجمہ اور وہی اللہ آسمانوں میں بھی ہے، اور زمین میں بھی۔ وہ تمہارے چھپے ہوئے بھید بھی جانتا ہے، اور کھلے ہوئے حالات بھی۔ اور جو کچھ کمائی تم کر رہے ہو اس سے بھی واقف ہے۔

23 پس انہی بعض وجوہ کی مثل ہی اللہ تعالیٰ کی دوسری صفات ہیں، مثلاً صفت مجیئ (آنا)، ذہاب (جانا) اور صفت قعود (بیٹھنا) ہیں۔ حالانکہ مجیئ (آنا) تو اجسام کے ساتھ ہوتا ہے جس سے منتقل ہونے کا مفہوم سمجھ میں آتا ہے۔ پھر اسی طرح حق کا آنا اس سے ظہور کا مفہوم مراد ہوتا ہے۔ جیسا کہ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

آیت ۱۳۴ وَقُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوقًا

(بنی اسرائیل: ۸)

ترجمہ اور کہو کہ "حق آن پہنچا، اور باطل مٹ گیا، اور یقیناً باطل ایسی ہی چیز ہے جو مٹنے والی ہے"۔

اور اسی معنی ہے: باطل کا چلا جانا یعنی اس کا باطل ہو جانا ہے۔ اور جسم کا جانا تو اس کا ایک جگہ سے دوسری جگہ جانا ہے۔

پس اعراض اور اجسام میں آنے اور جانے کے یہی معروف معنی تھے۔ اللہ تعالیٰ تو ان سب معانی سے برتر اور منزہ ہے۔ یہ جائز نہیں ہے کہ بیان کردہ معانی میں سے کسی بھی معنی کی اللہ تعالیٰ کی طرف نسبت کی جائے۔ قوت اور طاقت تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہی ہے۔

24 اس مسئلے کی توضیح ایک دوسری عبارت بھی ہے: کوئی ایسی جہت اور حالت نہیں ہے مگر اللہ تعالیٰ کے اپنے بندوں پر انعامات ہیں جن کا شمار ممکن نہیں ہے۔ پس اللہ تعالیٰ ان کے ذریعے اپنے بندوں پر انعام کرتا رہتا ہے۔ اور انہی میں سے عبادات ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے جوارح میں سے مقرر کی ہیں، اور احوال ہیں جن کے ذریعے بھی عبادت کی جاتی ہے۔ ان دونوں میں بھی انعامات ہیں۔ اور قوت تو اللہ تعالیٰ ہی سے ہے۔

25 اس کے ساتھ یہ بات بھی ہے کہ آسمان وحی کا محل، مقام اور مہبط ہے۔ اور آسمان سے

ہی دنیا کی برکات کا ظہور ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے نگاہ آسمان کی طرف جاتی ہے۔ اور
قوت اور طاقت تو اللہ تعالیٰ ہی سے ہے۔

2 مَسْأَلَةُ رُؤْيَةِ اللهِ (رؤیت باری تعالیٰ کا مسئلہ)

1 قَالَ أَبُو مَنْصُور رَحِمَهُ الله: القَوْلُ فِي رُؤْيَةِ الرب عز وَجل عندنا
لَازِم وَحق من غير إِدْرَاك وَلَا تفسير.
فَأَما الدَّلِيل على الرُّؤْيَة فَقَوله تَعَالَى: "لَا تُدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ وَهُوَ
يُدْرِكُ الْأَبْصَارَ" وَلَو كَانَ لَا يرى لم يكن لنفي الْإِدْرَاك حِكْمَة إِذ
يدْرك غَيره بِغَيْر رُؤْيَة. فموضع نفي الْإِدْرَاك وَغَيره من الْخلق لَا
يدْرك إِلَّا بِالرُّؤْيَةِ لَا معنى لَهُ. وَبِاللَّهِ التَّوْفِيق.

2 وَالثَّانِي قَول مُوسَى عَلَيْهِ السَّلَام: "رب أَرِنِي أنظر إِلَيْك" وَلَو كَانَ
لَا يجوز الرُّؤْيَة لَكَانَ ذَلِك السُّؤَال مِنْهُ جهل بربه. وَمن يجهله لَا
يحْتَمل أَن يكون موضع الرسَالَة أَمينا على وَحْيه.

3 وَبعده فَإِن الله تَعَالَى لم يَنْهَهُ وَلَا آيسه وَيهون ذَلِك نهى نوحًا
وعاتب آدم وَغَيرهمَا من الرُّسُل. وَكَذَلِكَ لَو كَانَ لَا يجوز يبلغ
الْكفْر. ثمَّ قَالَ: "فَإِن اسْتَقر مَكَانَهُ فَسَوف تراني".
فَإِن قيل: لَعَلَّه سَأَلَ آيَة يعلم بهَا. قيل: لَا يحْتَمل ذَلِك لوجوه:
أَحدهَا: أَنه قَالَ: "لن تراني" وَقد أرَاهُ.

4 وَأَيْضًا إِن طلب الْآيَات يخرج مخرج التعنت أَو قد أرَاهُ الْآيَات.
وَكَذَلِكَ تعنت الْكَفَرَة أَنهم لَا يزالون يطْلبُونَ الْآيَات وَإِن كَانَت
الْكِفَايَة قد ثبتَتْ فعله ذَلِك.

5 وَأَيْضًا أَنه قَالَ: "فَإِن اسْتَقر مَكَانَهُ فَسَوف تراني" وَالْآيَة الَّتِي
يسْتَقرّ مَعهَا الْجَبَل دون الْآيَة الَّتِي لَا يسْتَقرّ مَعهَا. ثَبت أَنه لم يرد
بذلك الْآيَة. وَلَا قُوَّة إِلَّا بِاللَّه.

6 وَأَيْضًا مُحَاجَّةُ إِبْرَاهِيمَ قومه في النُّجُوم وَمَا ذكر بالأفول والغيبة ولم يحاجهم بِأَنْ لَا يحب رَبًّا يرى وَلَكِن حاجهم بِأَنْ لَا يحب رَبًّا يأفل إِذْ هُوَ دَلِيل عدم الدَّوَام. وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ.

7 وَأَيْضًا قَوْله تَعَالَى: "وُجُوهٌ يَوْمَئِذٍ نَاضِرَةٌ إِلَى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ". ثُمَّ لَا يحْتَمل ذَلِك الانتظار لأوجه:

8 أحدهَا: أَن الْآخِرَة لَيست لوقت الانتظار إِنَّمَا هِيَ الدُّنْيَا هِيَ دَار الْوُقُوع والوجود إِلَّا وَقت الْفَزع. وَقيل: إِنَّهُم يعاينوا فِي أنفسهم مَا لَهُ حق الْوُقُوع

وَالثَّانِي: قَوْله: "وُجُوهٌ يَوْمَئِذٍ نَاضِرَةٌ" وَذَلِكَ وُقُوع الثَّوَاب.

وَالثَّالِث: قَوْله: "إِلَى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ". و"إِلَى" حرف يسْتَعْمل فِي النّظر إِلَى الشَّيْء لَا فِي الانتظار.

9 وَالرَّابِع: أَن القَوْل بِهِ يخرج مخرج الْبشَارَة تَعْظِيم مَا نالوا من النعم. والانتظار لَيْسَ مِنْهُ مَعَ مَا كَانَ الصّرْف عَن حَقِيقَة الْمَفْهُوم قَضَاء على الله. فَيلْزم القَوْل بِالنّظرِ إِلَى الله كَمَا قَالَ على نفي جَمِيع مَعَاني الشّبَه عَن الله سُبْحَانَهُ على مثل مَا أضيف إِلَيْهِ من الْكَلَام وَالْفِعْل وَالْقُدْرَة والإرادة يجب التَّوَصُّف بِهِ على نفي جَمِيع مَعَاني الشّبَه. وَكَذَلِكَ القَوْل بالهستية.

10 فَمن زعم أَن الله تَعَالَى لَا يقدر أَن يكرم أحدا بِالرُّؤْيَةِ فَهُوَ يقدر بِالرُّؤْيَةِ الَّتِي فِيهَا من الْخلق. وَإِن كَانَ القَوْل بالرحمن على الْعَرْش اسْتَوَى وَغير ذَلِك من الْآيَات لَا يجب دَفعهَا بِالْعرضِ على الْمَفْهُوم من الْخلق بل يحقق ذَلِك على نفي الشّبَه فمثله خبر الرُّؤْيَة. وَالله الْمُوفق.

11 وَأَيْضًا قَوْله تَعَالَى: "لِلَّذِينَ أَحْسنُوا الْحسنى وَزِيَادَة". وَجَاء فِي غير خبر النّظر إِلَى الله وَقد يحْتَمل غير ذَلِك بِمَا جَاءَ فِيهِ التَّفْسِير لكنه

لَوْلَا أَنَّ الْقَوْلَ بِالرُّؤْيَةِ كَانَ أَمرًا ظَاهِرًا لَمْ يَحْتَمِلْ صرف ظَاهِرِهِ ثُمَّ تَجِيءُ فِيهَا إِلَيْنَا وَيَنْدَفِعُ بِهِ الْخَبَرُ. وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللهِ.

12 وَأَيْضًا مَا جَاءَ عَنْ رَسُولِ اللهِ صلى الله عَلَيْهِ وسلم فِي غير خبر أنه قَالَ: "سَتَرَوْنَ رَبَّكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ كَمَا تَرَوْنَ الْقَمَرَ لَا تضامون". وَسُئِلَ هَلْ رَأَيْتَ رَبَّكَ؟ فَقَالَ: "بِقَلْبِي" قيل: فلم يُنكر على السَّائِلِ السُّؤَالَ وقد علم السَّائِل أن رُؤْيَةَ الْقَلْبِ هِيَ الْعلم وَأَنه قد علمه وَأَنه لم يَسْأَلْ عَنْ ذَلِكَ وقد حذر الله عز وَجل الْمُؤْمِنِينَ عَنِ السُّؤَالِ عَنْ أَشْيَاءَ قد كفوا عَنْهَا بقوله: يَا أَيُّهَا الَّذِين آمنُوا لَا تسألوا عَن أَشْيَاء. فَكيف يحْتَمل أَن يكون السُّؤَالُ عَنْ مثله بحي وَذَلِكَ كفر فِي الْحَقِيقَةِ عِنْد قوم ثُمَّ لَا ينهاهم عَنْ ذَلِكَ وَلَا يوبخهم فِي ذَلِك بل يلين الْقَوْلَ فِي ذَلِكَ. وَيرى أَن ذَلِكَ لَيْسَ ببديع. وَاللهُ الْمُوفق.

13 وَأَيْضًا أَن الله تَعَالَى وعد أَن يجزي أحسن مَا عمِلُوا بِهِ فِي الدُّنْيَا. وَلَا شَيْء أحسن من التَّوْحِيد وَأَرْفَع قدرا من الْإِيمَان بِهِ إِذْ هُوَ المستحسن بالعقول وَالثَّوَاب الْمَوْعُود من جَوْهَر الْجنَّة حسنه حسن الطَّبْع. وَذَلِكَ دون حسن الْعقل إِذْ لَا يجوز أَن يكون شَيْء حسنا فِي الْعُقُول لَا يستحسنه ذُو عقل. وَجَائِز مَا استحسنه الطَّبْع أَن يكون طبع لَا يتلذذ بِهِ كطبع الْمَلَائِكَة. وَمثله فِي الْعقُوبَة. لذَلِك لزم القَوْل بِالرُّؤْيَةِ لتَكون كَرَامَة تبلغ فِي الْجَلالَة مَا أكرموا بِهِ وَهُوَ أَن يصير لَهُم المعبود بِالْغَيْبِ شُهُودًا كَمَا صَار الْمَطْلُوب من الثَّوَاب حضورا. وَلَا قُوَّة إِلَّا بِاللهِ.

14 وَأَيْضًا أَن كلا يجمع على الْعلم بِاللهِ فِي الْآخِرَة الْعلم الَّذِي لَا يَعْتَرِيه الوسواس. وَذَلِكَ علم العيان لَا علم الِاسْتِدْلَال. وَكثر الْآيَات لَا تحقق علم الْحق الَّذِي لَا يعتري ذَلِك. دَلِيله قَوْله: "وَلَو

أنا نزلنا إليهم الملائكة۔ ومما ذكر من استعانة الكفرة بالتكذيب في الآخرة وانكار الرسل۔ وقولهم لم نمكث إلا ساعة من النهار وغير ذلك۔
وبعد فإنه إذ لا يجوز أن يصير علم العيان نحو علم الاستدلال لم يجز أن يصير علم الاستدلال نحو علم العيان فثبت أن الرؤية توجب ذلك

15 وبعد فإن في ذلك العلم يستوي الكافر والمؤمن. والبشارة بالرؤية يخص بها المؤمن. ولا قوة إلا بالله.

16 قال الفقيه أبو منصور رحمه الله: ولا نقول بالإدراك لقوله: "لا تدركه الأبصار". فقد امتدح به بنفي الإدراك لا بنفي الرؤية وهو كقوله: "ولا يحيطون به علما" كان في ذلك إيجاب العلم ونفي الإحاطة فمثله في حق الإدراك. وبالله التوفيق.

17 وأيضا إن الإدراك إنما هو الإحاطة بالمحدود. والله يتعالى عن وصف الحد إذ هو نهاية وتقصير عما هو أعلى منه على أنه واحد في الذات. والحد وصف المتصل الأجزاء حتى ينقضي. مع إحالة القول بالحد أو كان ولا ما يحد أو به يحد. فهو على ذلك لا يتغير على أن لكل شيء حدا يدرك بسبيله نحو الطعم واللون والذوق والرائحة وغير ذلك من حدود خاصية الأشياء جعل لله لكل شيء من ذلك وجها يدرك به ويحاط به حتى العقول والأعراض. فأخبر الله أنه ليس بذي حدود وجهات عن طرف إدراكه بالأسباب الموضوعة لتلك الجهات. وعلى ذلك القول بالرؤية والعلم جميعا. ولا قوة إلا بالله.

18 وبعد فإن القول بالرؤية يقع على وجوه. لا يعلم حقيقة كل وجه من ذلك إلا بالعلم بذلك الوجه حتى إذا عبر عنه بالرؤية صرف

إلى ذلك. وما لا يعرف له الوجه بدون ذكر الرؤية لزم الوقف في مائيتها على تحقيقها. وأما الإدراك إنما هو معنى الوقوف على حدود الشيء، ألا ترى أن الظل في التحقيق يرى لكنه لا يدرك إلا بالشمس، وإلا كان مرئيا على ما يرى لوقت تسبح الشمس ولكن لا يدرك بالرؤية إلا بما يتمكن له الحد. وكذلك ضوء النهار يرى لكن حده لا يعرف بذاته وكذلك الظلمة لأن طرفها لا يرى فيدرك ويحاط به وبالحدود يدرك الشيء. فإن كان يرى لا به ولذلك ضرب المثل بالقمر أنه لا يعرف وجهه ولا سعته ليوقف ويحاط به ويرى بيقين ولا قوة إلا بالله

19 قال أبو منصور رحمه الله: والأصل فيه القول بذلك على قدر ما جاء ونفي كل معنى من معاني الخلق ولا يفسر لما لم يجيء في ذلك تفسير والله الموفق

20 فإن قيل: كيف يرى؟

قيل: بلا كيف، إذ الكيفية تكون لذي صورة بل يرى بلا وصف قيام وقعود واتكاء وتعلق واتصال وانفصال ومقابلة ومدابرة وقصير وطويل ونور وظلمة وساكن ومتحرك ومماس ومباين وخارج وداخل ولا معنى يأخذه الوهم أو يقدره العقل لتعاليه عن ذلك.

(التوحيد ص ٨٥ المؤلف: محمد بن محمد بن محمود، أبو منصور الماتريدي (المتوفى ٣٣٣هـ) المحقق: د. فتح الله خليف الناشر: دار الجامعات المصرية الإسكندرية)

ترجمہ

1 حضرت ابو منصور ماتریدیؒ فرماتے ہیں: رؤیت باری تعالیٰ کے بارے میں قول ہمارے نزدیک یہ حق ہے اور لازمی ہے مگر اس کی پوری کیفیت کی حقیقت اور تفسیر کے بغیر۔

رؤیت باری تعالیٰ کی دلیل یہ آیت ہے:

لَا تُدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْأَبْصَارَ ۖ وَهُوَ اللَّطِيفُ الْخَبِيرُ.

(الانعام: ۱۰۳)

ترجمہ: نگاہیں اس کو نہیں پاسکتیں، اور وہ تمام نگاہوں کو پالیتا ہے۔ اس کی ذات اتنی ہی لطیف ہے، اور وہ اتنا ہی باخبر ہے۔

اور اگر اللہ تعالیٰ کو نہ دیکھا جاسکتا تو ادراک کی نفی کی کوئی حکمت ہی نہ ہوتی، اس لیے کہ اس کی ذات کے علاوہ دوسروں کی رؤیت کے بغیر بھی ادراک ہوسکتا ہے۔ بلکہ اس کی ذات کے علاوہ مخلوق سے ادراک کی نفی کرنا: "ادراک نہیں مگر رؤیت کے ساتھ"، اس کے کوئی معنی نہیں ہیں۔ توفیق تو اللہ تعالیٰ کی مدد سے ہی ہے۔

2 دوسرا یہ کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قول:

رَبِّ أَرِنِي أَنظُرْ إِلَيْكَ. (الاعراف: ۱۴۳)

ترجمہ: میرے پروردگار! مجھے دیدار کرا دیجیے کہ میں آپ کو دیکھ لوں۔

اگر اللہ تعالیٰ کی رؤیت کا جواز نہ ہوتا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کا رؤیت باری تعالیٰ کے بارے میں سوال اپنے رب کے بارے میں جہالت پر مبنی ہوتا۔ اور جو شخص اپنے رب کے بارے میں جاہل ہے تو وہ اس بات کا حق دار نہیں ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچائے، اور وہ اللہ تعالیٰ کی وحی کے اوپر امین بھی ہو۔

3 نیز اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اس بات سے منع نہیں فرمایا اور نہ اس سے مایوس ہی کیا ہے۔ ان چیزوں کے بغیر بھی حضرت نوح علیہ السلام کو منع کر دیا تھا اور حضرت آدم علیہ السلام اور کچھ دوسرے رسولوں پر بھی اللہ تعالیٰ نے عتاب فرمایا تھا۔ اور یہ بات اس لیے ہے کہ اگر یہ جائز نہ ہوتا تو بات کفر تک پہنچ جاتی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

فَإِنِ اسْتَقَرَّ مَكَانَهُ فَسَوْفَ تَرَانِي. (الاعراف: ۱۴۳)

ترجمہ: اس کے بعد اگر وہ اپنی جگہ پر قرار رہا تو تم مجھے دیکھ لوگے۔

پوری آیت کریمہ یوں ہے:

وَلَمَّا جَاءَ مُوسَىٰ لِمِيقَاتِنَا وَكَلَّمَهُ رَبُّهُ قَالَ رَبِّ أَرِنِي أَنظُرْ إِلَيْكَ.

مومنین کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملنے والی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے انتظار نہیں ہے۔ اس کے ساتھ اس کے حقیقی مفہوم سے بھی صرفِ نظر کرنا ہوگا۔ پس اس سے یہ بات لازمی اور درست ہو جائے گی کہ اللہ تعالیٰ کی طرف رؤیت کے معنی ایسے ہوں گے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ سے تشبیہ والے تمام معانی کی نفی کی گئی ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کی دوسری صفات مثلاً صفتِ کلام، صفتِ فعل، صفتِ قدرت، صفتِ ارادہ، میں بھی تشبیہ کے تمام معانی کی نفی کی جائے گی۔ اسی طرح کا قول ہستیہ فرقے کا بھی ہے۔

10 لیکن جس شخص نے یہ عقیدہ رکھا کہ اللہ تعالیٰ اس پر قادر نہیں ہے کہ وہ کسی کو بھی رؤیت سے نواز سکتا ہے تو اس نے رؤیت باری تعالیٰ کو مخلوق کے فہم و فراست سے سمجھنے کی کوشش کی ہے۔ اور اگرچہ اللہ تعالیٰ کا قول:

اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى۔ (سورت طٰہٰ: ۵)

ترجمہ وہ بڑی رحمت والا عرش پر استوا فرمائے ہوئے ہے۔

وغیرہ آیات کے مفہوم کو اس مفہوم کے ساتھ نہیں سمجھا جا سکتا جو مخلوق کے مفہوم کے مطابق ہو بلکہ اس میں تشبیہ کی نفی کے ساتھ معنی کی تحقیق کی جانی چاہیے۔ پس اسی طرح رؤیت باری تعالیٰ کی نصوص کو بھی سمجھنا چاہیے۔

11 نیز اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰى وَزِيَادَةٌ۔ (یونس: ۲۶)

ترجمہ جن لوگوں نے بہتر کام کیے ہیں، بہترین حالت انہی کے لیے ہے، اور اس سے بڑھ کر کچھ اور بھی!

اور بہت سی نصوص میں اس سے اللہ تعالیٰ کو دیکھنا آیا ہے۔ اس آیت کی تفسیر میں اگرچہ دوسرے اقوال کا بھی احتمال ہے، لیکن اگر رؤیت باری تعالیٰ کا قول صریحاً مروی نہ ہوتا تو صرف نظر کا احتمال نہیں تھا۔ اس میں وہ معنی مراد نہیں لیا جا سکتا اور اس خبر کا رد نہیں کیا جا سکتا۔ قوت اور طاقت تو صرف اللہ تعالیٰ ہی کی ہے۔

12 نیز جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی بہت سے طرق سے یہ حدیث بھی مروی ہے کہ

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "تم یقیناً اپنے رب کو قیامت کے دن دیکھو گے جیسے کہ تم چاند کو دیکھتے ہو جس میں کوئی ہجوم نہیں ہوتا ہے۔"

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا: کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کو دیکھا ہے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "میں نے اپنے دل سے اپنے رب کو دیکھا ہے۔"

یہ بات بھی کہی گئی ہے: سوال کی وجہ سے سوال کرنے والے پر تنقید کی گئی ہے، حالانکہ سوال کرنے والا بھی جانتا تھا کہ رؤیت قلب ظاہر ہی ہے۔ اور کیا یہ بات معلوم نہیں تھی کہ وہ اس کے بارے میں سوال نہیں کر رہا ہے۔

حالانکہ اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو ان چیزوں کے بارے میں سوال سے منع کر دیا ہے جن سے ان کو روکا گیا تھا، جیسا کہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَسْأَلُوا عَنْ أَشْيَاءَ إِنْ تُبْدَ لَكُمْ تَسُؤْكُمْ ۚ وَإِنْ تَسْأَلُوا عَنْهَا حِينَ يُنَزَّلُ الْقُرْآنُ تُبْدَ لَكُمْ ۚ عَفَا اللَّهُ عَنْهَا ۗ وَاللَّهُ غَفُورٌ حَلِيمٌ (المائدہ: ۱۰۱)

ترجمہ: اے ایمان والو! ایسی چیزوں کے بارے میں سوالات نہ کیا کرو کہ اگر تم پر ظاہر کر دی جائیں تو تمہیں ناگوار ہوں۔ اور اگر قرآن کے بارے میں ایسے وقت سوالات کرو گے جب قرآن نازل کیا جا رہا ہو تو وہ تم پر ظاہر کر دی جائیں گی۔ (اب تو) اللہ تعالیٰ نے پچھلی باتیں معاف کر دی ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا، بڑا بردبار ہے۔

نیز اس کا احتمال کیسے ہو سکتا ہے کہ اس طرح کے سوال معاشرے میں موجود تھے۔ اور بعض لوگوں کے ہاں تو یہ یقیناً کفر ہے۔ پھر ان کو اس سے منع بھی نہیں کیا گیا اور نہ ان پر اس بارے میں زجر و توبیخ بھی کی گئی ہے۔ اور یہی بات کہی گئی ہے کہ یہ کوئی انوکھی بات نہیں ہے۔ اور اللہ تعالیٰ توفیق دینے والے ہیں۔

13 یہ اللہ تعالیٰ نے وعدہ کیا ہے کہ وہ ان کو آخرت میں اس سے بہتر بدلہ عطا فرمائے گا جو دنیا میں انہوں نے عمل کیے ہیں۔ توحید سے بہتر کوئی چیز نہیں ہے، اور قدر و منزلت کے لحاظ سے ایمان سے اعلیٰ و ارفع کوئی چیز نہیں ہے۔ کیونکہ یہ عقل کے لحاظ سے بھی مستحسن ہے اور ثواب جس کا وعدہ کیا گیا ہے وہ جنت کو دیکھنا بھی ہے، اس کے لحاظ سے

احاطہ بھی ہوتا ہے، یہاں تک کہ حقول اور اعراض کا بھی۔ پس اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ وہ حد اور جہت والا نہیں ہے۔ یہ حدود، وجہات وہ اسباب ہیں جن سے اسباب موضوعہ کے ذریعے کسی چیز کا ادراک ہوتا ہے۔ انہی وجوہات سے رؤیت اور علم کا قول اجمالی طور پر ہے۔

18 اس کے بعد یہ بات بھی جاننی ضروری ہے کہ رؤیت کا قول کئی وجوہ پر مشتمل ہے۔ ان میں سے ہر وجہ کی حقیقت اس وقت معلوم ہو سکتی ہے جب اس وجہ کا علم حاصل ہو جائے، یہاں تک کہ جب اس وجہ سے رؤیت کو تعبیر کیا جائے تو اس کی طرف توجہ مبذول کرنا ضروری ہے۔ رؤیت کے ذکر کے بغیر جس وجہ کی حقیقت معلوم نہ ہو تو اس کی تحقیق میں ماہیت اور تفسیر بیان کرنے سے رُک جانا لازمی امر ہے۔ ادراک تو کسی شئی کے حدود کے محقق سے واقفیت کا نام ہے۔ یا تو اس بات کو نہیں دیکھا کہ تحقیق کے لحاظ تو سایہ کو دیکھا جا سکتا ہے، لیکن اس کا ادراک تو روشنی کے ساتھ ہی ممکن ہے، ورنہ وہ تو دیکھی جانے والا ہے اسی بناء پر کہ وہ سورج کے طلوع ہونے کے وقت دکھائی دیتا ہے، لیکن اس کا ادراک نہیں ہوتا جب تک اس کی حدود واضح نہ ہو جائیں۔ اسی طرح دن کی روشنی ہے کہ اس کو دیکھا جا سکتا ہے مگر اس روشنی کی حدود کو اپنی ذات کے لحاظ سے نہیں پہچانا جا سکتا۔ اسی طرح اندھیرا ہے کہ اس کی اطراف کو نہیں دیکھا جا سکتا کہ اس کا ادراک کیا جائے اور اس کا احاطہ کیا جا سکے۔ حدود ہی سے کسی شئی کا ادراک ہوتا ہے۔ اور اگر وہ ہے تو نفی کی جائے گی حد کی اس کے ساتھ۔ اسی لیے چاند کی مثال بیان کی جاتی ہے کہ وہ دیکھا نہیں پہچانا جا سکتا اور نہ ہی اس کی وسعتوں کو، کہ اس سے واقف ہوا جا سکے، اور اس کا احاطہ کیا جا سکے اور اس کو یقین کے ساتھ دیکھا جا سکے۔ اور قوت تو اللہ تعالیٰ ہی کی مدد سے ہے۔

19 حضرت امام ابو منصور ماتریدیؒ فرماتے ہیں: اصل بات رؤیت باری تعالیٰ کے قول میں یہی ہے کہ اس بارے میں اتنی ہی بات کی جائے جتنی منقول ہے، اور مخلوق کے معانی کے لحاظ سے ہر معنی کی نفی کی جائے، اور جس معنی کی تفسیر بیان نہیں ہوئی ہے اس کی تفسیر بیان نہ کی جائے۔ اللہ تعالیٰ ہی توفیق دینے والے ہیں۔

20 پھر آگے حضرت ابو منصور ماتریدیؒ مؤمنین کے لیے آخرت میں رؤیت کا اثبات کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

اگر کوئی اعتراض کرے کہ آخرت میں اللہ تعالیٰ کی رؤیت کیسے ہوگی؟ اس سے کہا جائے گا: بلا کیف، یعنی کسی بھی کیفیت کے بغیر رؤیت ہوگی۔ اس لیے کہ کیفیت تو اس کی ہوتی ہے جس کی کوئی شکل وصورت متعین ہو۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کی رؤیت ہوگی، قیام کے بغیر، قعود (بیٹھنے) کے بغیر، ٹیک لگانے کے بغیر، معلق ہونے کے بغیر، متصل ہونے یا جدا ہونے کے بغیر، سامنے یا پچھلی جانب کے بغیر، چھوٹا ہونے یا بڑا ہونے کے بغیر، روشنی یا ظلمت کے بغیر، ساکن یا متحرک ہوئے بغیر، مماست یا جدا ہوئے بغیر، خارج اور داخل ہونے بغیر۔ اس کے لیے کوئی ایسا معنی متعین نہیں کیا جا سکتا جس تک وہم وخیال کا گزر ہو یا عقل اس تک پہنچنے کی قدرت رکھتی ہو۔ اللہ تعالیٰ کی ذات ان سب سے بلند ہے۔

6 حضرت امام قاضی ابوبکر باقلانیؒ (المتوفی سن ۴۰۳ھ) کے عقائد

محمد بن الطيب بن محمد بن جعفر بن القاسم القاضي أبو بكر الباقلاني المالكي اعلیٰ درجہ کے فقیہ، محدث اور اہل السنت والجماعت کے مذہب اشعری طریقہ کے متکلم تھے۔ آپؒ اعلیٰ درجہ کے ذہین، ماہر فن، ذکاوت و فطانت میں بہت ہی اونچے درجے پر فائز تھے۔ آپ کی وفات ۴۰۳ھ میں بغداد میں ہوئی۔

الانصاف فيما يجب اعتقاده ولا يجوز الجهل به میں بیان کردہ عقائد

1. والإيمان بالله تعالى يتضمن التوحيد له سبحانه والوصف له بصفاته ونفي النقائص عنه الدالة على حدوث من جازت عليه.
2. والتوحيد له هو: الإقرار بأنه ثابت موجود، وإله واحد فرد معبود، ليس كمثله شيء، على ما قرر به قوله تعالى: "وإلهكم إله واحد لا إله إلا هو الرحمن الرحيم". وقوله: "ليس كمثله شيء وهو السميع البصير".
3. وأنه الأول قبل جميع المحدثات، الباقي بعد المخلوقات، على ما أخبر به تعالى من قوله: "هو الأول والآخر والظاهر والباطن وهو بكل شيء عليم". والعالم الذي لا يخفى عليه شيء، والقادر على اختراع كل مصنوع، وإبداع كل جنس مفعول، على ما أخبر به في قوله تعالى: "خالق كل شيء" "وهو على كل شيء قدير".

4 وأنه الحي الذي لا يموت. والدائم الذي لا يزول. وأنه إله كل مخلوق. ومبدعه ومنشئه. ومخترعه وأنه لم يزل مسمياً لنفسه بأسمائه. وواصفاً لها بصفاته. قبل إيجاد خلقه. وأنه قديم بأسمائه وصفات ذاته. التي منها: الحياة التي بها بأن من الموت والأموات. والقدرة التي أبدع بها الأجناس والذوات. والعلم الذي أحكم به جميع المصنوعات. وأحاط بجميع المعلومات. والإرادة التي صرف بها أصناف المخلوقات.

والسمع والبصر اللذان أدرك بهما جميع المسموعات والمبصرات. والكلام الذي به فارق الخرس والسكوت وذوي الآفات. والبقاء الذي به سبق المكونات. ويبقى به بعد جميع الفانيات. كما أخبر سبحانه في قوله: "ولله الأسماء الحسنى فادعوه بها وذروا الذين يلحدون في أسمائه". وقوله تعالى: "أنزله بعلمه". "وما تحمل من أنثى ولا تضع إلا بعلمه". وقوله: "أو لم يروا أن الله الذي خلقهم هو أشد منهم قوة". وقوله: "ذو القوة المتين". فنص تعالى على إثبات أسمائه وصفات ذاته.

وأخبر أنه ذو الوجه الباقي بعد أن تقضي الماضيات. كما قال عز وجل: "كل شيء هالك إلا وجهه". وقال: "ويبقى وجه ربك ذو الجلال والإكرام".

واليدين اللتين نطق بإثباتهما له القرآن في قوله عز وجل: "بل يداه مبسوطتان". وقوله: "ما منعك أن تسجد لما خلقت بيدي". وأنهما ليستا بجارحتين ولا ذوي صورة وهيئة.

والعينين اللتين أفصح بإثباتهما من صفاته القرآن وتواترت بذلك أخبار الرسول عليه السلام. فقال عز وجل: "ولتصنع على عيني". و "تجري بأعيننا". وأن عينه ليست بحاسة من الحواس.

ولا تشبه الجوارح والأجناس. وأنه سبحانه لم يزل مريداً وشائياً، ومحباً، ومبغضاً، وراضياً. وساخطاً، ومواليا، ومعادياً. ورحيما، ورحمانا. ولأن جميع هذه الصفات راجعة إلى إرادته في عباده ومشيئته، لا إلى غضب يغيره. ورضى يسكنه طبعاً له، وحنق وغيظ يلحقه. وحقد يجده. إذ كان سبحانه متعالياً عن الميل والنفور

5 وأنه سبحانه راض في أزله عمن علم أنه بالإيمان يختم عمله ويوافي به، وغضبان على من علم أنه بالكفر يختم عمله ويكون عاقبة أمره، وقد قال تعالى: "فعال لما يريد"، و"يريد الله بكم اليسر ولا يريد بكم العسر". وقال: "إنما قولنا لشيء إذا أردناه أن نقول له كن فيكون". وقال: "رضي الله عنهم ورضوا عنه". "وما تشاؤون إلا أن يشاء الله". في أمثال هذه الآيات الدالة على أنه شاء، مريد.

وأن الله جل ثناؤه مستو على العرش، ومستول على جميع خلقه كما قال تعالى: "الرحمن على العرش استوى". بغير مماسة و كيفية، ولا مجاورة. و"أنه في السماء إله وفي الأرض إله" كما أخبر بذلك.

6 وأنه سبحانه يتجلى لعباده المؤمنين في المعاد، فيرونه بالأبصار، على ما نطق به القرآن في قوله: "وجوه يومئذ ناضرة إلى ربها ناظرة". وتأكيده كذلك بقوله في الكافرين: "كلا إنهم عن ربهم يومئذ لمحجوبون". تخصيصاً منه برؤيته للمؤمنين، والتفرقة فيما بينهم وبين الكافرين، وعلى ما وردت به السنن الصحيحة في ذلك عن رسول الله، وما أخبر به عن موسى عليه السلام، في قوله: "رب أرني أنظر إليك". ولولا علمه بجواز الرؤية بالأبصار لما أقدم على هذا السؤال.

(الانصاف فيما يجب اعتقاده ولا يجوز الجهل به۔ المؤلف: محمد بن الطيب بن محمد بن جعفر بن القاسم، القاضي أبو بكر الباقلاني المالكي۔ (المتوفی ۴۰۳ھ)۔ العقیدۃ وعلم الکلام ص ۹۸-۱۰۰۔ طبع اوّل۔ [illegible] کراچی)

ترجمہ

1 اللہ تعالیٰ پر ایمان لانا یہ ہے کہ اس کی توحید کا اقرار کیا جائے، اور اس کو صفات سے موصوف کیا جائے۔ اس سے ان نقائص کی نفی کی جائے جو حدوث پر دلالت کرتے ہیں۔

2 اس کے لیے توحید کا ماننا یہ ہے کہ اس بات کا اقرار کیا جائے کہ اس کی ذات اور صفات کو واحد جانا جائے۔ وہی اللہ ہے، اکیلا ہے، یکتا ہے، معبود ہے، اس کی مثل کوئی نہیں ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

آیت ۱ وَإِلَٰهُكُمْ إِلَٰهٌ وَاحِدٌ ۖ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ الرَّحْمَٰنُ الرَّحِيمُ۔ (البقرۃ: ۱۶۳)

ترجمہ تمہارا معبود ایک ہی معبود ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ سب پر مہربان، بہت مہربان ہے۔

آیت ۲ لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ ۖ وَهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ (الشوریٰ: ۱۱)

ترجمہ کوئی چیز اس کے مثل نہیں ہے، اور وہی ہے جو ہر بات سنتا، سب کچھ دیکھتا ہے۔

3 اللہ تعالیٰ تمام مخلوقات سے پہلے ہے۔ تمام مخلوقات کے بعد بھی باقی رہنے والا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

آیت ۳ هُوَ الْأَوَّلُ وَالْآخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ ۖ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ۔ (الحدید: ۳)

ترجمہ وہی اول بھی ہے، اور آخر بھی، ظاہر بھی ہے، اور چھپا ہوا بھی۔ اور وہ ہر چیز کو پوری طرح جاننے والا ہے۔

وہ ایسا جاننے والا ہے کہ اس سے کوئی چیز مخفی نہیں ہے۔ وہ ایسا قدرت والا ہے کہ ہر چیز کو بنانے پر قادر ہے، وہ ہر قسم کی چیز کو پیدا کرنے والا ہے۔ فرمان باری تعالیٰ

ہے:

آیت ۴ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ (الانعام:۱۰۲)

ترجمہ وہ ہر چیز کا خالق ہے۔

آیت ۵ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ (سورت المائدہ:۱۲۰)

ترجمہ اور وہ ہر چیز پر پوری پوری قدرت رکھتا ہے۔

4 اللہ تعالیٰ حی (ہمیشہ سے زندہ) ہیں، ان کو کبھی موت نہیں آسکتی۔ وہ قیوم (ہمیشہ رہنے والے) ہیں، جن کو کبھی زوال نہیں۔ وہ ہر مخلوق سے بے نیاز ہیں۔ وہی ایجاد کرنے والا، بنانے والا اور صورت گر ہے۔ وہ ہمیشہ سے اپنی ذات اور اسماء کے ساتھ موصوف ہے۔ وہ مخلوقات کے پیدا کرنے سے پہلے ہی اپنی صفات کے ساتھ موصوف ہے۔ وہ اپنے اسماء اور صفات ذاتی کے ساتھ قدیم ہے۔ جو یہ ہیں:

۱ صفت حیات جو اس کو موت اور اموات سے جدا کرتی ہے۔

۲ صفت قدرت جس سے تمام انواع و اقسام کی مخلوق پیدا ہوتی ہیں۔

۳ صفت علم جس سے تمام مخلوقات کو گھیرا ہوا ہے، اور جس سے تمام معلومات کا احاطہ کیا ہوا ہے۔

۴ صفت ارادہ جس سے تمام امور کی مخلوقات میں تصرف کیا جاتا ہے۔

۶،۵ صفات سمع و بصر جن سے تمام مسموعات (سنی جانے والی چیزیں) اور مبصرات (دیکھی جانے والی چیزوں) کا ادراک ہوتا ہے۔

۷ صفت کلام جو اس کو گونگا پن اور سکوت (جو تکلم نہ کرنے کا نام ہے) اور آفات کے ساتھ متصف ہونے سے جدا کرتی ہے۔

۸ صفت بقاء جو تمام موجودات (مخلوقات) سے پہلے موجود ہونے والی اور تمام چیزوں کے فنا ہو جانے کے بعد بھی باقی رہتی ہے۔

جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

آیت ۶ وَلِلّٰهِ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا (الاعراف:۱۸۰)

ترجمہ اور اسمائے حسنیٰ (اچھے اچھے نام) اللہ تعالیٰ ہی کے ہیں۔ لہٰذا اس کو انہی ناموں سے

پکارو۔

آیت ۷ أَنزَلَهُ بِعِلْمِهِ۔ (النساء:۱۶۶)

ترجمہ اس نے اسے اپنے علم سے نازل کیا ہے۔

آیت ۸ وَمَا تَحْمِلُ مِنْ أُنثَىٰ وَلَا تَضَعُ إِلَّا بِعِلْمِهِ۔ (فاطر:۱۱)

ترجمہ اور کسی مادہ کو جو کوئی حمل ہوتا ہے، اور جو بچہ وہ جنتی ہے، وہ سب اللہ تعالیٰ کے علم سے ہوتا ہے۔

آیت ۹ أَوَلَمْ يَرَوْا أَنَّ اللَّهَ الَّذِي خَلَقَهُمْ هُوَ أَشَدُّ مِنْهُمْ قُوَّةً۔ (حم السجدہ:۱۵)

ترجمہ بھلا کیا ان کو یہ نہیں سوجھا کہ جس اللہ نے ان کو پیدا کیا ہے، وہ طاقت میں ان سے کہیں زیادہ ہے؟

آیت ۱۰ إِنَّ اللَّهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِينُ۔ (الذاریات:۵۸)

ترجمہ اللہ تعالیٰ تو خود ہی رزاق ہے، مستحکم قوت والا۔

☆ یہ تمام آیات اللہ تعالیٰ کی ذات کے لیے ان صفات کے ثابت کرنے میں نص تھا۔

اللہ تعالیٰ نے اس کی بھی خبر دی ہے کہ اس کے لیے صفت وجہ بھی ہے۔ اس کی ذات قرن ہا قرن کے بعد بھی باقی رہنے والی ہے۔ جیسا فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

آیت ۱۱ كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ إِلَّا وَجْهَهُ۔ (القصص:۸۸)

ترجمہ سوائے ذات خداوندی کے ہر چیز اپنی ذات سے فانی اور معدوم ہے۔

آیت ۱۲ وَيَبْقَىٰ وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ۔ (الرحمن:۲۷)

ترجمہ بس باقی رہے گی ذات تیرے پروردگار کی جو بزرگی اور عظمت والا ہے۔

اس کے لیے صفت یدین بھی ہے جس کا اثبات قرآن مجید میں ہے:

آیت ۱۳ بَلْ يَدَاهُ مَبْسُوطَتَانِ يُنفِقُ كَيْفَ يَشَاءُ۔ (المائدہ:۶۴)

ترجمہ بلکہ اللہ تعالیٰ کے دونوں ہاتھ پوری طرح کشادہ ہیں۔

آیت ۱۴ يَا إِبْلِيسُ مَا مَنَعَكَ أَن تَسْجُدَ لِمَا خَلَقْتُ بِيَدَيَّ۔ (ص:۷۵)

ترجمہ اے ابلیس! تجھے کس بات نے روکا تھا کہ تو اس کو سجدہ کرے جس کو میں نے اپنے دونوں

ترجمہ: وہی (اللہ تعالیٰ) ہے جو آسمان میں بھی معبود ہے اور زمین میں بھی معبود ہے اور وہی ہے جو حکمت کا بھی مالک ہے، علم کا بھی مالک۔

6 اللہ تعالیٰ آخرت میں جنت میں اپنے مومن بندوں کے لیے تجلی فرمائیں گے۔ جس وہ اللہ تعالیٰ کا دیدار اپنی آنکھوں سے کریں گے۔ جیسا کہ قرآن مجید اس بارے ناطق میں ہے:

آیت ۲۲: وُجُوهٌ يَوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ إِلَىٰ رَبِّهَا نَاظِرَةٌ (القیامۃ: ۲۲، ۲۳)

ترجمہ: اس دن بہت سے چہرے تروتازہ ہوں گے اپنے رب کی طرف دیکھتے ہوں گے۔

اس بات کی تائید قرآن پاک کی اس آیت سے بھی ہوتی ہے جس میں کافروں کا ذکر ہے:

آیت ۲۵: كَلَّا إِنَّهُمْ عَن رَّبِّهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّمَحْجُوبُونَ (المطففین: ۱۵)

ترجمہ: ہرگز نہیں! حقیقت یہ ہے کہ یہ لوگ اس دن اپنے پروردگار کے دیدار سے محروم ہوں گے۔

اس طرح رؤیت باری تعالیٰ کی نعمت صرف مومنین کے لیے ہے۔ دیدار خداوندی سے متعلق مومنوں اور کافروں کے لیے حکم الگ الگ ہے۔ اس بارے میں حدیث صحیح حوالہ جات سے بھی موجود ہیں۔

اور جو اس بارے میں حضرت موسیٰ علیہ السلام سے قرآن مجید میں بیان ہوا ہے:

آیت ۲۶: رَبِّ أَرِنِي أَنظُرْ إِلَيْكَ (الاعراف: ۱۴۳)

ترجمہ: میرے پروردگار! مجھے دیدار کرا دیجئے کہ میں آپ کو دیکھوں۔

اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو رؤیت بصری کے جواز کا علم نہ ہوتا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کبھی اس کا سوال کرنے کی جرأت نہ کرتے۔

پوری آیت کریمہ یوں ہے:

آیت ۲۷: وَلَمَّا جَاءَ مُوسَىٰ لِمِيقَاتِنَا وَكَلَّمَهُ رَبُّهُ قَالَ رَبِّ أَرِنِي أَنظُرْ إِلَيْكَ ۚ قَالَ لَن تَرَانِي وَلَٰكِنِ انظُرْ إِلَى الْجَبَلِ فَإِنِ اسْتَقَرَّ مَكَانَهُ فَسَوْفَ

مختص ہونے اور مخلوقات کی صفات کے ساتھ متصف ہونے سے پاک اور منزہ ہے۔
اسی طرح اللہ تعالیٰ کو حرکت و انتقال اور قیام و قعود کے ساتھ بھی متصف نہیں کیا جاسکتا۔
کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

آیت ۱ لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ. وَهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ (الشوریٰ:۱۱)

ترجمہ کوئی چیز اس کے مثل نہیں ہے، اور وہی ہے جو ہر بات سنتا، سب کچھ دیکھتا ہے۔

اور اللہ تعالیٰ کا یہ بھی فرمان ہے:

آیت ۲ قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ. اللَّهُ الصَّمَدُ. لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُولَدْ. وَلَمْ يَكُن لَّهُ كُفُوًا أَحَدٌ. (سورت اخلاص:۱ تا ۴)

ترجمہ کہہ دو: "بات یہ ہے کہ اللہ ہر لحاظ سے ایک ہے۔ اللہ ہی ایسا ہے کہ سب اس کے محتاج ہیں، وہ کسی کا محتاج نہیں۔ نہ اس کی کوئی اولاد ہے، اور نہ وہ کسی کی اولاد ہے۔ اور اس کے جوڑ کا کوئی بھی نہیں"۔

اس لیے کہ یہ صفات حادث اور مخلوق ہونے پر دلالت کرتی ہیں، اور اللہ تعالیٰ تو اس سے بہت بلند اور برتر ہے۔

اگر یہ کہا جائے کیا اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان نہیں ہے؟:

آیت ۳ الرَّحْمَٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوَىٰ. (سورت طٰہٰ:۵)

ترجمہ وہ بڑی رحمت والا عرش پر استوا فرمائے ہوئے ہے۔

ہم کہیں گے: ہاں! اللہ تعالیٰ نے ایسا ہی فرمایا ہے۔ ہم ان جیسی آیات واحادیث کو مطلق رکھتے ہیں لیکن ہم اللہ تعالیٰ سے حدوث اور مخلوق کی صفات کی نفی کرتے ہیں، اور ہم کہتے ہیں: اللہ تعالیٰ کا استوا مخلوق کے استوا کے ساتھ ہرگز مشابہ نہیں ہے۔ ہم یہ بھی نہیں کہتے: عرش اللہ تعالیٰ کا جائے قرار ہے، اور عرش اس کا مکان یعنی رہنے کی جگہ ہے، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ تو موجود تھے، حالانکہ اس وقت مکان نہیں تھا۔ پھر جب اللہ تعالیٰ نے مکان کو پیدا کیا تو کسی قسم کی کوئی تبدیلی نہیں آئی۔

7 حضرت امام، المقری عثمان بن سعید بن عثمان بن عمر أبو عمرو الدانی رحمہ اللہ (المتوفی ۴۴۴ھ) کے عقائد

حضرت عثمان بن سعید بن عثمان بن عمر ابو عمرو الدانی اندلس کے ایک شہر دانیہ میں ۳۷۱ھ کو پیدا ہوئے۔ اپنے زمانہ میں "صیرفی" کے طور پر مشہور و معروف ہوئے۔ آپ امام زمانہ، علامۃ الدہر، حافظ و قاری، شیخ مشائخ المقرئین تھے۔ آپ حج کے لیے آئے تو آپ مصر بھی تشریف لے گئے۔ تو وہاں بے شمار مخلوق نے آپ سے استفادہ کیا۔ پھر آپ وطن واپس لوٹ گئے۔ آپ نے ۴۴۴ھ میں وفات پائی۔ فن قراءات میں آپ کی کتب کو بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ جن میں سے چند یہ ہیں:

التيسير، المقنع، جامع البيان، الوقف والابتداء، البيان في عد آي القرآن، المحكم في النقط علم العقائد میں آپ کی کتاب: "الرسالة الوافية لمذهب أهل السنة في الاعتقادات وأصول الديانات" مشہور و معروف ہے۔

حضرت امام ابو عمرو دانی وہ عظیم شخصیت ہیں جن کی کتاب "التیسیر" کو امام شاطبی نے منظوم کیا ہے۔ اس کو تمام مدارس میں پڑھایا جاتا ہے۔ اور اسی کتاب کو قراءات سبعہ کی بنیاد سمجھا جاتا ہے۔

الرسالة الوافية لمذهب أهل السنة في الاعتقادات وأصول الديانات مع بيان كردہ عقائد

حضرت امام مقری عثمان بن سعید بن عثمان بن عمر ابو عمرو دانی (المتوفی ۴۴۴ھ)
لکھتے ہیں:

فصل 1: في بيان التوحيد

1 والإيمان بالله تعالى: يتضمن التوحيد له سبحانه، والوصف له بصفاته، ونفي النقائص عنه الدالة على حدوث من جازت عليه، والتوحيد له: هو الإقرار بأنه ثابت موجود، وواحد معبود، على ما ورد به قوله تعالى: "وإلهكم إله واحد لا إله إلا هو الرحمن الرحيم".

وأنه الأول قبل جميع المحدثات، الباقي بعد فناء المخلوقات، على ما أخبر به تعالى في قوله: "هو الأول والآخر والظاهر والباطن وهو بكل شيء عليم". والعالم هو الذي لا يخفى عليه شيء. والقادر على اختراع كل مصنوع، وإبداع كل جنس مفعول على ما أخبر به في قوله: خالق كل شيء وهو على كل شيء وكيل. وأنه الحي الذي لا يموت، والدائم الذي لا يزول، إله كل مخلوق ومبدعه، ومنشئه ومخترعه

ترجمہ

1 اللہ تعالیٰ پر ایمان [illegible] اس کی صفات [illegible]

موصوف پایا جائے۔ اس سے ان تمام باتوں کی نفی کی جائے جو حدوث پر دلالت کرتے ہیں۔ اس کے لیے توحید کا تقاضا ہے کہ اس بات کا اقرار کیا جائے: اس کی ذات اور موجودات جیسے۔ وہی یکتا ہے، معبود ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

۱ وَإِلَٰهُكُمْ إِلَٰهٌ وَاحِدٌ ۖ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ الرَّحْمَٰنُ الرَّحِيمُ۔ (البقرۃ: ۱۶۳)

ترجمہ: تمہارا معبود ایک ہی معبود ہے۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ جو سب پر مہربان، بہت مہربان ہے۔

اللہ تعالیٰ تمام مخلوقات سے پہلے ہے۔ تمام مخلوقات کے بعد بھی باقی رہے گا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

۱ هُوَ الْأَوَّلُ وَالْآخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ ۖ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ۔ (الحدید: ۳)

ترجمہ: وہی اول بھی ہے اور آخر بھی، ظاہر بھی ہے اور چھپا ہوا بھی۔ اور وہ ہر چیز کو پوری طرح جاننے والا ہے۔

وہ ایسا جاننے والا ہے کہ اس سے کوئی چیز مخفی نہیں ہے اور ایسا قدرت والا ہے کہ ہر چیز کو بنانے پر قادر ہے۔ وہ ہر قسم کی چیز کو پیدا کرنے والا ہے۔ فرمان باری تعالیٰ ہے:

۲ اللَّهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ ۖ وَهُوَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ وَكِيلٌ۔ (الزمر: ۶۲)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ ہر چیز کو پیدا کرنے والا ہے اور وہی ہر چیز کا رکھوالا ہے۔

اللہ تعالیٰ حی (ہمیشہ سے زندہ) ہیں، اس کو کبھی موت نہیں آئے گی۔ وہ دائم (ہمیشہ رہنے والے) ہیں جن کو کبھی زوال نہیں۔ وہ مخلوق کے معبود ہیں۔ وہی ایجاد کرنے والا، بنانے والا اور صانع ہے۔

2 وأنه لم يزل مسمياً لنفسه بأسمائه، وواصفاً لها بصفاته قبل إيجاد خلقه، وأنه قديم بأسمائه وصفات ذاته التي منها:

۱ الحياة التي بان بها من الأموات والموات،

۲ والقدرة التي أبدع بها الأجناس والذوات،

٣ والعلم الذي أحكم به جميع المصنوعات، وأحاط بجميع المعلومات،
٤ والإرادة التي صرف بها جميع أصناف المخلوقات،
٥ والسمع والبصر اللذان أدرك بهما جميع المسموعات والمبصرات،
٦ والكلام الذي باين فيه أهل السكوت والخرس وذوي الآفات.
٧ والبقاء الذي سبق به المكونات، وباين معه جميع الفانيات، كما أخبر تعالى فقال: "ولله الأسماء الحسنى فادعوه بها" الآية.

وقال جل ثناؤه: "الله لا إله إلا هو الحي القيوم". وقال عز وجل: "وتوكل على الحي الذي لا يموت". وقال: "فإن لم يستجيبوا لكم فاعلموا أنما أنزل بعلم الله". وقال: "لكن الله يشهد بما أنزل إليك أنزله بعلمه". وقال: "وما تحمل من أنثى ولا تضع إلا بعلمه". وقال: "فلنقصن عليهم بعلم". وقال: "ألا يعلم من خلق وهو اللطيف الخبير". وقال: "ولقد خلقنا الإنسان ونعلم ما توسوس به نفسه". وقال: "يعلم خائنة الأعين وما تخفي الصدور". وقال: "إنني معكما أسمع وأرى". وقال: "إنه هو السميع العليم". و "إنه هو السميع البصير". و "العليم القدير". وقال: "إنما يريد الله أن يعذبهم بها في الدنيا". وقال: "إنما قولنا لشيء إذا أردناه أن نقول له كن فيكون". وقال: "أولم يروا أن الله الذي خلقهم هو أشد منهم قوة". وقال: "ذو القوة المتين". وقال: "ويحذركم الله نفسه". وقال: "واصطنعتك لنفسي". وقال: "تعلم ما في نفسي ولا أعلم ما في نفسك". وقال: "فإذا سويته ونفخت فيه من روحي". وقال: "قل أي شيء أكبر شهادة قل الله شهيد بيني وبينكم" في أشباه لهذه الآي.

ترجمہ: وہ ہمیشہ سے اپنی ذات اور اسماء کے ساتھ موسوم ہے، وہ مخلوقات کے پیدا کرنے سے پہلے ہی اپنی صفات کے ساتھ موصوف ہے۔ وہ اپنے اسماء اور صفات ذاتی کے ساتھ قدیم ہے، جو یہ ہیں:

۱ صفتِ حیات جو اس کو موت اور اموات سے جدا کرتی ہے۔

۲ صفتِ قدرت جس سے تمام انواع و اقسام کی مخلوق پیدا ہوئی ہیں۔

۳ صفتِ علم جس سے تمام مخلوقات کو محکم کیا ہے اور جس سے تمام معلومات کا احاطہ کیا گیا ہے۔

۴ صفتِ ارادہ جس سے قسم قسم کی مخلوقات میں تصرف کیا جاتا ہے۔

۶،۵ صفاتِ سمع و بصر جن سے تمام مسموعات (سنی جانے والی چیزیں) اور مبصرات (دیکھی جانے والی چیزیں) کا ادراک ہوتا ہے۔

۷ صفتِ کلام جو اس کو گونگا پن، سکوت (جو تکلم نہ کرنے کا نام ہے) اور آفات میں مبتلا ہونے سے جدا کرتا ہے۔

۸ صفتِ بقاء جو تمام مکونات (مخلوقات) سے پہلے موجود ہونے کو، اور تمام چیزوں کے فنا ہو جانے کے بعد بھی باقی رہتی ہے۔

جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

آیت ۱ وَلِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا. (الاعراف: ۱۸۰)

ترجمہ: اور اسمائے حسنیٰ (بہترین اچھے نام) اللہ تعالیٰ ہی کے ہیں، لہٰذا اس کو انہی ناموں سے پکارو۔

آیت ۲ اَللّٰهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ. (سورت البقرہ: ۲۵۵)

ترجمہ: اللہ وہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں، جو سدا زندہ ہے، جو پوری کائنات سنبھالے ہوئے ہے۔

آیت ۳ وَتَوَكَّلْ عَلَى الْحَيِّ الَّذِيْ لَا يَمُوْتُ. (الفرقان: ۵۸)

ترجمہ: اور تم اس ذات پر بھروسہ رکھو جو زندہ ہے، جسے کبھی موت نہیں آئے گی۔

آیت ۴ فَاِنْ لَّمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَكُمْ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَآ اُنْزِلَ بِعِلْمِ اللّٰهِ وَاَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا

هُوَ ۚ فَهَلْ أَنتُم مُّسْلِمُونَ ۔ (ہود: ۱۴)

ترجمہ اس کے بعد اگر یہ تمہاری بات قبول نہ کریں تو (اے لوگو!) یقین کرلو کہ یہ وحی صرف اللہ تعالیٰ کے علم سے اتری ہے۔ اور یہ کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے۔ تو کیا اب تم فرماں بردار بنو گے؟

آیت ۵ لَٰكِنِ اللَّهُ يَشْهَدُ بِمَا أَنزَلَ إِلَيْكَ ۖ أَنزَلَهُ بِعِلْمِهِ ۖ وَالْمَلَائِكَةُ يَشْهَدُونَ ۚ وَكَفَىٰ بِاللَّهِ شَهِيدًا ۔ (النساء: ۱۶۶)

ترجمہ لیکن اللہ تعالیٰ نے جو کچھ تم پر نازل کیا ہے، اس کے بارے میں وہ خود بھی گواہی دیتا ہے کہ اس نے اسے اپنے علم سے نازل کیا ہے، اور فرشتے بھی گواہی دیتے ہیں، اور (یوں تو) اللہ تعالیٰ کی گواہی ہی بالکل کافی ہے۔

آیت ۶ وَمَا تَحْمِلُ مِنْ أُنثَىٰ وَلَا تَضَعُ إِلَّا بِعِلْمِهِ ۔ (فاطر: ۱۱)

ترجمہ اور کسی مادہ کو جو کوئی حمل ہوتا ہے، اور جو کچھ وہ جنتی ہے، وہ سب اللہ تعالیٰ کے علم سے ہوتا ہے۔

آیت ۷ فَلَنَقُصَّنَّ عَلَيْهِم بِعِلْمٍ ۖ وَمَا كُنَّا غَائِبِينَ ۔ (الاعراف: ۷)

ترجمہ پھر ہم ان کے سامنے سارے واقعات خود اپنے علم کی بنیاد پر بیان کردیں گے، (کیونکہ) ہم (ان واقعات کے وقت) کہیں غائب تو نہیں تھے۔

آیت ۸ أَلَا يَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ وَهُوَ اللَّطِيفُ الْخَبِيرُ ۔ (الملک: ۱۴)

ترجمہ بھلا جس نے پیدا کیا وہی نہ جانے؟ جب کہ وہ بہت باریک بین، مکمل طور پر باخبر ہے!

آیت ۹ وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنسَانَ وَنَعْلَمُ مَا تُوَسْوِسُ بِهِ نَفْسُهُ ۖ وَنَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيدِ ۔ (ق: ۱۶)

ترجمہ اور حقیقت یہ ہے کہ ہم نے انسان کو پیدا کیا ہے، اور اس کے دل میں جو خیالات آتے ہیں، ان (تک) سے ہم خوب واقف ہیں، اور ہم اس کی شہ رگ سے بھی زیادہ اس کے قریب ہیں۔

آیت ۱۰ يَعْلَمُ خَائِنَةَ الْأَعْيُنِ وَمَا تُخْفِي الصُّدُورُ ۔ (مومن: ۱۹)

ترجمہ اللہ تعالیٰ آنکھوں کی چوری کو بھی جانتا ہے اور ان باتوں کو بھی جن کو سینوں نے چھپا رکھا ہے۔

آیت ۱۱ إِنَّنِي مَعَكُمَا أَسْمَعُ وَأَرَىٰ (طٰہٰ:۴۶)

ترجمہ میں تمہارے ساتھ ہوں، میں سنتا بھی ہوں اور دیکھتا بھی ہوں۔

آیت ۱۲ إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ (الانفال:۶۱)

ترجمہ یقیناً وہی ہے جو ہر بات سنتا سب کچھ جانتا ہے۔

آیت ۱۳ إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ (بنی اسرائیل:۱)

ترجمہ یقیناً وہی ہے جو ہر بات سنتا سب کچھ دیکھتا ہے۔

آیت ۱۴ وَهُوَ الْعَلِيمُ الْقَدِيرُ (الروم:۵۴)

ترجمہ اور وہی ہے جس کا علم بھی کامل ہے قدرت بھی کامل۔

آیت ۱۵ إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ أَن يُعَذِّبَهُم بِهَا فِي الدُّنْيَا (التوبہ:۸۵)

ترجمہ اللہ تعالیٰ تو یہ چاہتا ہے کہ انہی چیزوں سے ان کو دنیا میں عذاب دے۔

آیت ۱۶ إِنَّمَا قَوْلُنَا لِشَيْءٍ إِذَا أَرَدْنَاهُ أَن نَّقُولَ لَهُ كُن فَيَكُونُ (النحل:۴۰)

ترجمہ اور جب ہم کسی چیز کو پیدا کرنے کا ارادہ کرتے ہیں تو ہماری طرف سے صرف اتنی بات ہوتی ہے کہ ہم اسے کہتے ہیں "ہوجا" بس وہ ہوجاتی ہے۔

آیت ۱۷ أَوَلَمْ يَرَوْا أَنَّ اللَّهَ الَّذِي خَلَقَهُمْ هُوَ أَشَدُّ مِنْهُمْ قُوَّةً (حم السجدہ:۱۵)

ترجمہ بھلا کیا ان کو یہ نہیں سوجھا کہ جس اللہ نے ان کو پیدا کیا ہے وہ طاقت میں ان سے کہیں زیادہ ہے؟

آیت ۱۸ إِنَّ اللَّهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِينُ (الذاریات:۵۸)

ترجمہ اللہ تعالیٰ تو خود ہی رزاق ہے، مستحکم قوت والا۔

آیت ۱۹ وَيُحَذِّرُكُمُ اللَّهُ نَفْسَهُ (آل عمران:۲۸)

ترجمہ اور اللہ تعالیٰ تم کو اپنی ذات سے ڈراتا ہے۔

(یعنی اپنے ذاتی جلال اور قہر سے ڈراتا ہے)۔

آیت ۲۰ وَاصْطَنَعْتُكَ لِنَفْسِي (طٰہٰ:۴۱)

ترجمہ اور تجھ کو اپنی ذات کے لیے خاص کر لیا۔

آیت ۲۱ تَعْلَمُ مَا فِي نَفْسِي وَلَا أَعْلَمُ مَا فِي نَفْسِكَ إِنَّكَ أَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوبِ. (المائدة: ۱۱۶)

ترجمہ تو تو میرے باطن اور ضمیر کی بات کو خوب جانتا ہے اور میں تیرے جی کی بات کو بالکل نہیں جانتا اس لیے کہ بے شک تو ہی تمام پوشیدہ باتوں کا جاننے والا ہے۔

آیت ۲۲ فَإِذَا سَوَّيْتُهُ وَنَفَخْتُ فِيهِ مِن رُّوحِي فَقَعُوا لَهُ سَاجِدِينَ (الحجر: ۲۹)

ترجمہ "لہٰذا جب میں اس کو پوری طرح بنا لوں اور اس میں اپنی روح پھونک دوں تو تم سب اس کے آگے سجدے میں گر جانا۔

آیت ۲۳ قُلْ أَيُّ شَيْءٍ أَكْبَرُ شَهَادَةً قُلِ اللَّهُ شَهِيدٌ بَيْنِي وَبَيْنَكُمْ (الانعام: ۱۹)

ترجمہ کہو: کون سی چیز ایسی ہے جو (کسی بات کی) گواہی دینے کے لیے سب سے اعلیٰ درجے کی ہو؟" کہو" "اللہ! (اور وہی) میرے اور تمہارے درمیان گواہ ہے"۔

اس طرح کی آیات بیشمار ہیں۔

3 فنص سبحانه على إثبات أسمائه وصفات ذاته، فأخبر جل ثناؤه أنه ذو الوجه الباقي بعد تقضي الماضيات، وهلاك جميع المخلوقات، وقال تعالى: "كل شيء هالك إلا وجهه"، وقال: "ويبقى وجه ربك ذو الجلال والإكرام".

ترجمہ یہ تمام آیات اللہ تعالیٰ کی ذات کے لیے اسماء و صفات کے ثابت کرنے میں نص ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے اس کی بھی خبر دی ہے کہ اس کے لیے صفت وجہ بھی ہے۔ اس کی ذات قرن ہا قرن کے بعد بھی باقی رہنے والی ہے۔ تمام مخلوق ہلاک ہونے والی ہے:

آیت ۱ كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ إِلَّا وَجْهَهُ. (القصص: ۸۸)

ترجمہ سوائے ذات خداوندی کے ہر چیز اپنی ذات سے فانی اور معدوم ہے۔

آیت ۲ وَيَبْقَىٰ وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ. (الرحمن: ۲۷)

ترجمہ بس باقی رہے گی ذات تیرے پروردگار کی جو بزرگی اور عظمت والا ہے۔

4 والیدین: علی ما ورد من إثباتهما فی قوله تعالیٰ مخبراً عن نفسه فی کتابه: "وقالت الیهود ید الله مغلولة. غلت أیدیهم" الآیة. وقال عزوجل: "ما منعك أن تسجد لما خلقت بیدی". ولیستا بجارحتین. ولا ذواتی صورة. وقال تعالیٰ: والسموات مطویات بیمینه. وتواترت بإثبات ذلك من صفاته عن الرسول صلی الله علیه وسلم وقال: "کلتا یدیه یمین" یعنی صلی الله علیه وسلم أنه لا یتعذر علیه بأحدیهما ما یتأتی بالأخری

ترجمہ: اس کے لیے صفت یدین بھی ہے جس کا اثبات قرآن کریم میں ہے:

آیت ۱ وَقَالَتِ الْيَهُودُ يَدُ اللّٰهِ مَغْلُولَةٌ غُلَّتْ أَيْدِيهِمْ وَلُعِنُوا بِمَا قَالُوا بَلْ يَدَاهُ مَبْسُوطَتَانِ يُنْفِقُ كَيْفَ يَشَاءُ (المائدہ: ۶۴)

ترجمہ: اور یہودی کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں۔ ہاتھ تو خود ان کے بندھے ہوئے ہیں۔ اور جو بات انہوں نے کہی ہے اس کی وجہ سے ان پر لعنت الگ پڑی ہے، ورنہ اللہ تعالیٰ کے دونوں ہاتھ پوری طرح کشادہ ہیں، وہ جس طرح چاہتا ہے خرچ کرتا ہے۔

آیت ۲ يَا إِبْلِيسُ مَا مَنَعَكَ أَنْ تَسْجُدَ لِمَا خَلَقْتُ بِيَدَيَّ (ص: ۷۵)

ترجمہ: اے ابلیس! تجھے کس بات نے اس کو سجدہ کرنے سے روکا جس کو میں نے اپنے دونوں ہاتھوں (یعنی قدرت خاصہ) سے بنایا۔

نیز: یہ دونوں ہاتھ جوارح نہیں ہیں اور نہ ہی صورت اور ہیئت والے ہیں۔

آیت ۳ وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهِ وَالْأَرْضُ جَمِيعًا قَبْضَتُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَالسَّمَاوَاتُ مَطْوِيَّاتٌ بِيَمِينِهِ سُبْحَانَهُ وَتَعَالَىٰ عَمَّا يُشْرِكُونَ

(الزمر: ۶۷)

ترجمہ: اور جو لوگ شرک کے مرتکب ہوتے ہیں، حقیقت تو یہ ہے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی عظمت اور قدر و منزلت کو پہچانا ہی نہیں جیسا پہچاننا چاہیے تھا، ایسے لوگ ہیں کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی عظمت نہیں کی جیسے اللہ تعالیٰ کی عظمت کا حق تھا (اور ان کی عظمت یہ ہے کہ) قیامت کے دن

توحید کے بغیر ممکن نہیں۔ علاوہ ازیں اس کی شان یہ ہے کہ "ساری زمین اس کی مٹھی میں ہوگی، قیامت کے روز۔ اور تمام آسمان لپٹے ہوئے ہوں گے، اس کے دائیں ہاتھ میں۔ پس پاکی ہے اس پروردگار کی اور برتر ہے وہ ذات ان کے ہر شرک سے جو وہ کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی ان صفات کے بارے میں احادیث متواتر ہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان مبارک ہے:

"كِلْتَا يَدَيْهِ يَمِينٌ"۔

(مسند حمیدی رقم ۵۸۸؛ ابن ابی شیبہ ج ۱۳ ص ۱۲۷؛ مسند احمد رقم ۶۴۹۲؛ مسلم رقم ۱۸۲۷؛ نسائی؛ ابن حبان رقم ۴۴۸۴، ۴۴۸۵؛ سنن کبری بیہقی رقم ج ۱۰ ص ۸۷؛ شرح السنہ بغوی رقم ۲۴۷۰)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کے دونوں ہاتھ داہنے ہی ہیں۔

یعنی اس کو اس قسم کا کوئی عذر نہیں ہے کہ وہ جو ایک ہاتھ سے کر سکتا ہے، وہ دوسرے سے نہیں کر سکتا۔

5 **والأعين: كما أفصح القرآن بإثباتها من صفاته فقال عز وجل: "واصبر لحكم ربك فإنك بأعيننا"، وقال: "واصنع الفلك بأعيننا"، وقال: "تجري بأعيننا"، وقال: "ولتصنع على عيني"، و ليست عينه بحاسة من الحواس ولا تشبه الجوارح والأجناس إذ: "ليس كمثله شيء وهو السميع البصير". وقال صلى الله عليه وسلم حين ذكر الدجال: "وإنه أعور". وقال: "وإن ربكم ليس بأعور". فأثبت له العينين.**

ترجمہ: اور اس کے لیے صفت عین بھی ہے جس کا اثبات قرآن کریم نے اس کی صفات کو بیان کرتے ہوئے بڑی فصاحت سے کیا ہے۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث مبارکہ میں بھی تواتر کے ساتھ بیان ہوا ہے۔ فرمان باری تعالیٰ ہے:

آیت ۱ **وَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ فَإِنَّكَ بِأَعْيُنِنَا۔** (الطور: ۴۸)

آیت ۲ يُرِيدُ اللَّهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ. (البقرۃ:۱۸۵)

ترجمہ اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ آسانی کا معاملہ کرنا چاہتا ہے، اور تمہارے لیے مشکل پیدا کرنا نہیں چاہتا۔

آیت ۳ إِنَّمَا قَوْلُنَا لِشَيْءٍ إِذَا أَرَدْنَاهُ أَنْ نَقُولَ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ (النحل:۴۰)

ترجمہ جب ہم کسی چیز کو پیدا کرنے کا ارادہ کرتے ہیں تو ہماری طرف سے صرف اتنی بات ہوتی ہے کہ ہم اسے کہتے ہیں: "ہو جا" بس وہ ہو جاتی ہے۔

آیت ۴ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ. (المائدہ:۱۱۹)

ترجمہ اللہ تعالیٰ ان سے خوش ہے اور یہ اس سے خوش ہیں۔

آیت ۵ تَرَىٰ كَثِيرًا مِنْهُمْ يَتَوَلَّوْنَ الَّذِينَ كَفَرُوا. لَبِئْسَ مَا قَدَّمَتْ لَهُمْ أَنْفُسُهُمْ أَنْ سَخِطَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ وَفِي الْعَذَابِ هُمْ خَالِدُونَ.

(المائدہ:۸۰)

ترجمہ تم ان میں سے بہت سوں کو دیکھتے ہو کہ انہوں نے (بت پرست) کافروں کو اپنا دوست بنا رکھا ہے۔ یقیناً جو کچھ انہوں نے اپنے حق میں اپنے آگے بھیج رکھا ہے وہ بہت برا ہے، کیونکہ (اس کی وجہ سے) اللہ تعالیٰ ان سے ناراض ہو گیا ہے، اور وہ ہمیشہ عذاب میں رہیں گے۔

آیت ۶ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَوَلَّوْا قَوْمًا غَضِبَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ قَدْ يَئِسُوا مِنَ الْآخِرَةِ كَمَا يَئِسَ الْكُفَّارُ مِنْ أَصْحَابِ الْقُبُورِ (الممتحنہ:۱۳)

ترجمہ اے ایمان والو! ان لوگوں کو دوست نہ بناؤ جن پر اللہ تعالیٰ نے غضب فرمایا ہے۔ وہ آخرت سے اسی طرح مایوس ہو چکے ہیں جیسے کافر لوگ قبروں میں مدفون لوگوں سے مایوس ہیں۔

آیت ۷ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ التَّوَّابِينَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِينَ. (البقرہ:۲۲۲)

ترجمہ بیشک اللہ تعالیٰ ان لوگوں سے محبت کرتا ہے جو اس کی طرف کثرت سے رجوع کریں، اور ان سے محبت کرتا ہے جو خوب پاک صاف رہیں۔

آیت ۸ فَإِنَّ اللَّهَ عَدُوٌّ لِّلْكَافِرِينَ (البقرۃ: ۹۸)

ترجمہ: تو اللہ تعالیٰ کافروں کا دشمن ہے۔

آیت ۹ اللَّهُ وَلِيُّ الَّذِينَ آمَنُوا (البقرہ: ۲۵۷)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ ایمان والوں کا رکھوالا ہے۔

آیت ۱۰ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ الرَّحْمَٰنُ الرَّحِيمُ (البقرہ: ۱۶۳)

ترجمہ: اس کے سوا کوئی معبود نہیں وہ سب پر مہربان نہایت رحم والا ہے۔

آیت ۱۱ وَمَا تَشَاءُونَ إِلَّا أَن يَشَاءَ اللَّهُ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيمًا حَكِيمًا (الدھر: ۳۰)

ترجمہ: اور تم چاہو گے نہیں جب تک اللہ نہ چاہے۔ اور اللہ تعالیٰ علم کا بھی مالک ہے حکمت کا بھی مالک۔

اور اس طرح کی بے شمار آیات اس پر دلالت کرتی ہیں۔

فصل 3: في استواء الله على عرشه وعلوه على خلقه

7 ومن قولهم: أنه سبحانه فوق سماواته، مستوٍ على عرشه، ومستولٍ على جميع خلقه، وبائن منهم بذاته، غير بائن بعلمه، بل علمه محيط بهم، يعلم سرهم وجهرهم، ويعلم ما يكسبون، على ما ورد به خبره الصادق، وكتابه الناطق، فقال تعالى: «الرحمن على العرش استوى»، واستواؤه عز وجل: علوه بغير كيفية، ولا تحديد، ولا مجاورة، ولا مماسة.

ترجمہ: اللہ تعالیٰ آسمانوں کے اوپر ہیں۔ عرش پر مستوی ہیں۔ تمام مخلوق پر قابو رکھتے ہیں۔ مخلوق سے اپنی ذات کے لحاظ سے جدا ہیں، اپنے علم سے جدا نہیں ہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کا علم تمام مخلوق کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کے پوشیدہ اور ظاہر تمام حالات کو جانتا ہے۔ مخلوق کے تمام اعمال کو جاننے والا ہے۔ جیسا کہ سچی ذات نے خبر دی ہے اور اس کی کتاب ناطق خبر دے رہی ہے:

الرَّحْمَٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوَىٰ (سورہ طٰہ: ۵)

ترجمہ وہ بڑی رحمت والا عرش پر استوا فرمائے ہوئے ہے۔

اللہ تعالیٰ کا استوا بغیر کسی کیفیت، بغیر حد بندی، بغیر قرب و بعد، اور بغیر چھونے کے بلند ہوتا ہے۔

فصل 4: في نزوله سبحانه إلى السماء الدنيا

8 ومن قولهم (أهل السنة): إن الله جل جلاله وتقدست أسماؤه: ينزل في كل ليلة إلى السماء الدنيا في الثلث الباقي من الليل، فيقول: (هل من داع يدعوني فأستجيب له. وهل من سائل يسألني فأعطيه. وهل من مستغفر يستغفرني فأغفر له؛ حتى ينفجر الصبح. على ما صحت به الأخبار، وتواترت به الآثار عن رسول الله صلى الله عليه وسلم. ونزوله تبارك وتعالى كيف شاء بلا حد ولا تكييف، ولا وصف بانتقال، ولا زوال.

ترجمہ اہل السنت والجماعت کا یہ بھی عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر رات کو جب رات کا تہائی حصہ باقی رہ جاتا ہے تو آسمانِ دنیا پر نزول فرماتے ہیں۔ اس وقت اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: "کیا کوئی مجھ سے دعا مانگنے والا ہے کہ میں اس کی دعا قبول کروں؟ کیا کوئی مجھ سے سوال کرنے والا ہے کہ میں اس کو عطا کروں؟ کیا کوئی مجھ سے بخشش طلب کرنے والا ہے کہ میں اس کو بخشش دوں؟ یہاں تک کہ صبح صادق طلوع ہو جاتی ہے۔" اس بارے میں صحیح احادیث موجود ہیں اور جناب رسول اللہ ﷺ سے اس بارے میں اخبار متواترہ وارد ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا یہ نزول جس طرح اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں، اسی طرح ہوتا ہے۔ یہ نزول بغیر حد و نہایت، بلا کیف، بغیر حرکت و انتقال کے، بغیر کسی جگہ سے زائل ہونے کے ہے۔

9 وقال بعض أصحابنا: ينزل أمره تبارك وتعالى.

واحتج بقوله عز وجل: ﴿الذي خلق سبع سموات ومن الأرض

مثلهن يتنزل الأمر بينهن.

وكذا روى حبيب عن مالك بن أنس رحمه الله.

وسئل الأوزاعي عن التنزل فقال: يفعل الله ما يشاء.

أي: يظهر من أفعاله ما يشاء!!

ترجمہ: ہمارے بعض اصحاب نے نزول باری تعالیٰ کے بارے میں فرمایا ہے:

اس سے مراد اللہ تعالیٰ کے امر کا نازل ہونا مراد ہے۔

انہوں نے اپنے اس قول کی دلیل میں اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کو بیان کیا ہے:

أَللهُ الَّذِي خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ وَّمِنَ الْأَرْضِ مِثْلَهُنَّ ۚ يَتَنَزَّلُ الْأَمْرُ بَيْنَهُنَّ لِتَعْلَمُوْٓا أَنَّ اللهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۙ وَّأَنَّ اللهَ قَدْ أَحَاطَ بِكُلِّ شَيْءٍ عِلْمًا (الطلاق: ۱۲)

ترجمہ: اللہ وہ ہے جس نے سات آسمان پیدا کیے، اور زمین بھی انہی کی طرح۔ اللہ تعالیٰ کا حکم ان کے درمیان اترتا رہتا ہے، تاکہ تمہیں معلوم ہوجائے کہ اللہ ہر چیز پر پوری قدرت رکھتا ہے، اور یہ کہ اللہ کے علم نے ہر چیز کا احاطہ کیا ہوا ہے۔

اسی طرح کی روایت حضرت حبیبؒ نے حضرت امام مالکؒ سے بھی روایت کی ہے۔

حضرت امام اوزاعیؒ سے نزول باری تعالیٰ کے بارے میں سوال کیا گیا۔ تو انہوں نے فرمایا: اللہ تعالیٰ جو چاہتے ہیں، وہ کرتے ہیں۔

یعنی اپنے افعال میں سے جو چاہتے ہیں، اس کا اظہار فرماتے ہیں۔

10 حدثنا عبد الرحمن بن عثمان قال: نا قاسم بن أصبغ قال: نا أحمد بن زهير قال: نا عبد الوهاب بن نجدة قال: نا بقية بن الوليد قال: نا الأوزاعي قال: كان مكحول والزهري يقولان: أمِرّوا الأحاديث كما جاءت.

ترجمہ: حضرت امام اوزاعیؒ فرماتے ہیں کہ حضرت مکحولؒ اور حضرت امام زہریؒ فرماتے تھے: "احادیث صفات کو اسی طرح بیان کرو جس طرح مروی ہیں"۔

قال أبو عمر: وهذا دين الأمة، وقول أهل السنة في هذه الصفات

أن تُمرّ كما جاءت بغير تكييف، ولا تحديد، فمن تجاوز المروي فيها وكيَّف شيئاً منها ومثَّلها بشيءٍ من جوارحنا وآلتنا فقد ضلَّ واعتدى، وابتدع في الدين ما ليس منه، وخرق إجماع المسلمين، وفارق أئمة الدين.

قال نعيم بن حماد، وإسحاق بن راهويه: من شبه الله تعالى بشيءٍ من خلقه فهو كافر

ترجمہ: حضرت امام ابوعمرو دانی فرماتے ہیں: ”یہی اُمت محمدیہ کا دین ہے اور یہی اہل السنت والجماعت کا دین ہے کہ ان احادیث صفات کو بغیر کسی قسم کی کیفیت اور بغیر حدود کے ایسے ہی بیان کر دیجئے جو مروی ہیں۔ پھر جس شخص نے ان مروی الفاظ حدیث سے زیادہ تجاوز کیا اور ان میں کسی قسم کی کیفیت بیان کر دی اور ہمارے جوارح اور آلات کے ساتھ ان کی تمثیل بیان کر دی تو وہ گمراہ ہو گیا اور اس نے حد اعتدال کو تجاوز کر لیا۔ اس نے دین میں ایسی بدعت پیدا کر دی جو دین میں سے نہیں ہے، اس نے اجماع امت کو پارہ پارہ کر دیا اور وہ ائمہ دین کے راستے سے جدا ہو گیا۔

حضرت نعیم بن حماد اور حضرت اسحاق بن راہویہ فرماتے ہیں:

”جس کسی نے اللہ تعالیٰ کی اس کی مخلوق میں سے کسی کے ساتھ مشابہت بیان کر دی، تو وہ کافر ہے“۔

(الرسالة الوافية لمذهب أهل السنة في الاعتقادات وأصول الديانات، ص ١٣٥، المؤلف: عثمان بن سعيد بن عثمان بن عمر أبو عمرو الداني رحمه الله (المتوفى ٤٤٤هـ)، المحقق: أبي انس حلمي بن محمد بن اسماعيل الرشيدي، الناشر: دار البصيرة، الإسكندرية، مصر، الطبعة: الأولى ١٤٢١هـ)

فصل 5: في إثبات صفة الكلام لله

11 ومن قولهم: إن كلام الله صفة لذاته لم يزل ولا يزال موصوفاً به. قال جل ثناؤه: "ولو أن ما في الأرض من شجرة أقلام" الآية.
وقال: "قل لو كان البحر مداداً لكلمات ربي" الآية.
وقال: "يريدون أن يبدلوا كلام الله". وقال: "وتمت كلمة ربك صدقاً وعدلاً لا مبدل لكلماته".
وقال: "وقد كان فريق منهم يسمعون كلام الله".
وقال: "إني اصطفيتك على الناس برسالاتي وبكلامي".

12 وسامع كلامه منه تعالى بلا واسطة ولا ترجمان كجبريل وموسى ومحمد صلى الله عليه وسلم سمعه من الله غير متلو ولا مقروء، فهو القائل جل جلاله لموسى عليه السلام: "إنني أنا الله لا إله إلا أنا فاعبدني وأقم الصلاة لذكري". وكذلك قال تعالى: "وكلم الله موسى تكليماً"، فأكد الفعل بالمصدر الذي يزيل المجاز ويوجب الحقيقة.

وقال: "منهم من كلم الله" ومن عداهم ممن لا يتولى خطابه بنفسه فإنما يسمع كلامه متلواً ومقروءاً. وقال عز من قائل: "وإن أحد من المشركين استجارك فأجره حتى يسمع كلام الله" يريد: متلواً ومقروءاً.

ترجمہ: اہل السنت والجماعت کے ہاں یہ عقیدہ ہے کہ بیشک کلام اللہ تعالیٰ کی صفت ذاتی ہے جو ہمیشہ ہمیشہ سے اس کی ذات سے متصف ہے اور موصوف رہے گا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

آیت ۱: وَلَوْ أَنَّمَا فِي الْأَرْضِ مِن شَجَرَةٍ أَقْلَامٌ وَالْبَحْرُ يَمُدُّهُ مِن بَعْدِهِ سَبْعَةُ أَبْحُرٍ مَّا نَفِدَتْ كَلِمَاتُ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ (لقمان: ۲۷)

ترجمہ: اور اگر زمین میں جتنے درخت ہیں سب قلم بن جائیں اور یہ جو سمندر ہے اس کے

علاوہ ویسا ہی سات سمندر اس کے ساتھ اور مل جائیں (اور وہ روشنائی بن کر اللہ کی صفات لکھیں) تب بھی اللہ کی باتیں ختم نہیں ہوں گی۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ اقتدار کا بھی مالک ہے، حکمت کا بھی مالک۔

آیت ۲ قُلْ لَّوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِّكَلِمَاتِ رَبِّي لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ أَنْ تَنْفَدَ كَلِمَاتُ رَبِّي وَلَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهِ مَدَدًا (الکہف:۱۰۹)

ترجمہ (اے پیغمبر! لوگوں سے) کہہ دو کہ: "اگر میرے رب کی باتیں لکھنے کے لیے سمندر روشنائی بن جائے تو میرے رب کی باتیں ختم نہیں ہوں گی کہ اس سے پہلے سمندر ختم ہو چکا ہوگا، چاہے اس سمندر کی کمی پوری کرنے کے لیے ہم ویسا ہی ایک اور سمندر کیوں نہ لے آئیں۔"

آیت ۳ يُرِيدُونَ أَنْ يُبَدِّلُوا كَلَامَ اللَّهِ (الفتح:۱۵)

ترجمہ وہ چاہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی بات کو بدل دیں۔

آیت ۴ وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَعَدْلًا ۚ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمَاتِهِ ۚ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ (الانعام:۱۱۵)

ترجمہ اور تمہارے رب کا کلام سچائی اور انصاف میں کامل ہے۔ اس کی باتوں کو کوئی بدلنے والا نہیں۔ وہ ہر بات سننے والا، ہر بات جاننے والا ہے۔

آیت ۵ وَقَدْ كَانَ فَرِيقٌ مِّنْهُمْ يَسْمَعُونَ كَلَامَ اللَّهِ ثُمَّ يُحَرِّفُونَهُ (البقرہ:۷۵)

ترجمہ حالانکہ ان میں سے ایک گروہ کے لوگ اللہ تعالیٰ کے کلام کو سنتے تھے اور پھر اس میں تحریف کر ڈالتے تھے۔

آیت ۶ قَالَ يَا مُوسَىٰ إِنِّي اصْطَفَيْتُكَ عَلَى النَّاسِ بِرِسَالَاتِي وَبِكَلَامِي فَخُذْ مَا آتَيْتُكَ وَكُنْ مِّنَ الشَّاكِرِينَ (الاعراف:۱۴۴)

ترجمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "اے موسیٰ! میں نے اپنا پیغمبر بنا کر اور تم سے ہم کلام ہو کر تمہیں تمام انسانوں پر فوقیت دی ہے۔ لہٰذا میں نے جو کچھ تمہیں دیا ہے اسے لے لو اور شکر گزار شخص بن جاؤ۔"

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کلام الٰہی کو اللہ تعالیٰ سے کسی واسطے کے بغیر سنا اور اس میں کوئی

ترجمان جیسے حضرت جبرائیل علیہ السلام بھی نہ تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے اللہ تعالیٰ سے اس کلام کو بصورت "غیر متلو" اور "غیر مقروء" سنا۔

جیسے اللہ تعالیٰ نے یہی حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا تھا:

آیت ۷ إِنَّنِي أَنَا اللَّهُ لَا إِلَٰهَ إِلَّا أَنَا فَاعْبُدْنِي وَأَقِمِ الصَّلَاةَ لِذِكْرِي. (طٰہٰ: ۱۴)

ترجمہ حقیقت یہ ہے کہ میں ہی اللہ ہوں۔ میرے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ اس لیے میری عبادت کرو۔ اور مجھے یاد رکھنے کے لیے نماز قائم کرو۔

اسی مفہوم میں فرمان باری تعالیٰ ہے:

آیت ۸ وَكَلَّمَ اللَّهُ مُوسَىٰ تَكْلِيمًا. (النساء: ۱۶۴)

ترجمہ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام سے تو اللہ تعالیٰ براہ راست ہم کلام ہوا۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے فعل (كَلَّمَ) کو مصدر (تَكْلِيمًا) سے مؤکد فرمایا جس سے اس کے مجازی معنی مراد نہ رہے بلکہ اس کے حقیقی معنی کا وجوب ثابت ہو گیا۔

فرمان باری تعالیٰ ہے:

آیت ۹ تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ. مِّنْهُم مَّن كَلَّمَ اللَّهُ وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجَاتٍ. (البقرۃ: ۲۵۳)

ترجمہ یہ پیغمبر جو ہم نے (مخلوق کی اصلاح کے لیے) بھیجے ہیں ان کو ہم نے ایک دوسرے پر فضیلت عطا کی ہے۔ ان میں سے بعض وہ ہیں جن سے اللہ تعالیٰ نے کلام فرمایا اور ان میں سے بعض کو اس نے بدرجہا بلندی عطا فرمائی۔

ان کے علاوہ دوسروں سے اللہ تعالیٰ نے براہ راست کلام نہیں فرمایا۔ لہٰذا انہوں نے اللہ تعالیٰ کا کلام "متلو" اور "مقروء" ہی سنا۔

فرمان باری تعالیٰ ہے:

آیت ۱۰ وَإِنْ أَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِينَ اسْتَجَارَكَ فَأَجِرْهُ حَتَّىٰ يَسْمَعَ كَلَامَ اللَّهِ ثُمَّ أَبْلِغْهُ مَأْمَنَهُ. ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْلَمُونَ. (التوبہ: ۶)

ترجمہ اور اگر مشرکین میں سے کوئی تم سے پناہ مانگے تو اسے اس وقت تک پناہ دو جب تک وہ اللہ تعالیٰ کا کلام سن لے۔ پھر اسے اس کی امن کی جگہ پہنچا دو۔ یہ اس لیے کرنا چاہیے

لوگ ہیں جنہیں علم نہیں ہے۔

اس کلام سے مراد کلام "متلو" اور "مقروء" ہے۔

(الرسالة الوافية لمذهب أهل السنة في الاعتقادات وأصول الديانات ص ٣٠٢، ٣٠٣ـ المؤلف: عثمان بن سعيد بن عثمان بن عمر أبو عمرو الداني (المتوفى ٤٤٤هـ)ـ المحقق: أبي انس حنفي بن محمد بن اسماعيل الرشيدي ـ الناشر: دار البصيرة، الاسكندرية، مصر ـ الطبعة: الأولى (٢٠٠٢هـ)

فصل 6: في أن القرآن كلام الله غير مخلوق

13 ومن قولهم: إن القرآن كلام الله وصفة لذاته جديد لا يبلى ولا يفنى، ولا يخلق على كثرة الرد، منزل مفروق ليس بخالق ولا مخلوق، وقال الله تعالى: "قرآناً عربياً غير ذي عوج". قال ابن عباس: غير مخلوق.

وذلك كذلك إذ كل مخلوق معوج من حيث كان مفتقراً إلى خالقه.

14 وروى محمد بن إسماعيل البخاري عن الحكم بن محمد عن سفيان بن عيينة قال: أدركت مشايخنا منذ سبعين سنة، منهم: عمرو بن دينار يقولون: القرآن كلام الله ليس بمخلوق.

وقد أدرك عمرو ابن عمر، وابن عباس، وجابراً وغيرهم من الصحابة.

15 وروى غير واحد عن سفيان قال: سمعت عمرو بن دينار يقول: سمعت الناس منذ سبعين سنة يقولون: الله الخالق وما دونه مخلوق إلا القرآن فإنه كلام الله.

16 وكلام الله سبحانه قائم به، ومختص بذاته ولا يصح وجوده بغيره، وإن كان محفوظاً بالقلوب، متلواً بالألسن، مكتوباً في المصاحف

مقروء أي المحاريب على الحقيقة لا على المجاز، وغير حال في شيء من ذلك، ولو جاز وجوده في غيره لكان ذلك الغير متكلماً به وآمراً وناهياً وقائلاً: "أنا الله لا إله إلا أنا فاعبدني وأقم الصلاة لذكري"، وذلك خلاف دين المسلمين

17 وكلامه جل جلاله: مسموع بالآذان وإن كان مخالفاً لسائر اللغات وجميع الأصوات، وليس من جنس المسموعات، كما أنه جل وعز يُرى بالأبصار وإن كان مخالفاً الأجناس المرئيات وكما أنه تعالى موجود مخالف لجميع الحوادث الموجودات.

ولا يجوز أن يحكى كلام الله تعالى ولا أن يلفظ به؛ لأن الحكاية الشيء مثله وما يقاربه.

18 كلام الله عز وجل: لا مثل له من كلام البشر، ولا يجوز أن يتكلم به ويلفظ به الخلق لأن ذلك يوجب كون كلام المتكلمين قائماً بذاتين قديم ومحدث، وذلك خلاف الإجماع والمعقول.

19 ولا يسع أحداً أن يقول: القرآن كلام الله ويسكت، حتى يقول: غير مخلوق.

وقال أحمد بن حنبل رحمه الله: لولا ما وقع في القرآن - يعني من القول بخلقه - لوسعه السكوت، ولكن لم يسكت. يرى أنه إنما يسكت لريبة.

وقال رحمه الله: من قال: لفظي بالقرآن مخلوق فهو جهمي.

قال: ومن قال: لفظي به غير مخلوق فهو قدري. وقد قال أيضاً: فهو بدعي.

وقول أحمد هذا: قول جميع أهل السنة من الفقهاء، والمحدثين والمتكلمين!!

20 قال شيخنا أبو بكر محمد بن الطيب: قال أبو الحسن الأشعري

رحمه الله: من قال: لفظي بالقرآن مخلوق فهو ضال مبتدع وقائل بما لم يقل به أحد من سلف الأمة.

قال أبو بكر: وكذلك نضلل ونبدع من قال: لفظي به غير مخلوق.

وهو مذهب أحمد بن حنبل الذي رواه عنه ابناه صالح وعبد الله.

21 قال: نا سلمة بن سعيد قال: نا محمد بن الحسين قال: نا محمد بن مخلد قال: نا أبو داود قال: نا أحمد بن إبراهيم قال: سألت أحمد قلت: هؤلاء يقولون: ألفاظنا بالقرآن مخلوقة؟

فقال: هذا شر من قول الجهمية، من زعم هذا فقد زعم أن جبريل عليه السلام جاء بمخلوق وأن النبي صلى الله عليه وسلم تكلم بمخلوق.

22 حدثنا ابن سعيد قال: نا محمد قال: نا ابن مخلد قال: نا أبو داود قال: سألت أحمد ابن صالح عمن قال: القرآن كلام الله، ولا يقول مخلوق ولا غير مخلوق؟!

فقال: هذا شاك، والشاك كافر.

23 حدثنا محمد بن عيسى قال: نا وهب بن مسرة قال: نا محمد بن وضاح قال: كل من أدركت من فقهاء الأمصار مكة، والمدينة، والعراق، والشام، ومصر وغيرها يقولون: القرآن كلام الله ليس بخالق ولا مخلوق.

قال ابن وضاح: ولا يسع أحداً أن يقول: كلام الله فقط، حتى يقول: ليس بخالق ولا مخلوق.

ترجمہ ☆ اہل السنت والجماعت کا یہ بھی عقیدہ ہے کہ قرآن اللہ تعالیٰ کا کلام ہے وہ اس کی صفت ذات ہے، یہ جدید ہی رہے گا، پرانا نہیں ہوگا۔ اس کو بھی فنا نہیں ہے، کثرت سے پڑھنے کے باوجود یہ کبھی پرانا نہیں ہوگا۔ یہ منزل من اللہ ہے، یہ جدا کیا ہوا ہے۔ یہ نہ خالق ہے، نہ مخلوق ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

قُرْآنًا عَرَبِيًّا غَيْرَ ذِي عِوَجٍ لَّعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ (الزمر: ۲۸)

ترجمہ: یہ عربی قرآن جس میں کوئی ٹیڑھ نہیں، تاکہ لوگ تقویٰ اختیار کریں۔

اس میں قرآن کے غیر مخلوق ہونے کی طرف اشارہ ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"اس میں قرآن کے غیر مخلوق ہونے کا ذکر ہے۔"

یعنی قرآن کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: "غَيْرَ ذِي عِوَجٍ" اس میں کوئی کجی نہیں۔

یہ اس لیے ہے کہ: **إذ كُلُّ مَخْلُوقٍ مِعْوَجٌّ من حيث كان مفتقراً الى خالقه۔**

کوئی مخلوق ایسی نہیں ہے جس میں کجی نہ ہو۔ اس لیے کہ وہ مخلوق اپنے خالق کی محتاج ہے۔

☆ حضرت سفیان بن عیینہ فرماتے ہیں: "میں نے ستر سال کے طویل عرصے میں اپنے اساتذہ کرام کو جن میں خصوصیت سے عمرو بن دینار بھی ہیں یہی کہتے سنا ہے:

"قرآن اللہ تعالیٰ کا کلام ہے، وہ مخلوق نہیں ہے۔" (خلق افعال العباد ص ۲۹)

حضرت عمرو بن دینار نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ اور حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ وغیرہ صحابہ کرام کو دیکھا تھا۔

☆ حضرت سفیان بن عیینہ فرماتے ہیں: میں نے حضرت عمرو بن دینار سے سنا ہے۔ وہ فرماتے ہیں: "میں نے ستر سال کے طویل عرصے میں اپنے اساتذہ کو یہی کہتے سنا ہے:

"اللہ خالق ہے، اس کے علاوہ ہر چیز مخلوق ہے، مگر قرآن کہ وہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔"

(سنن الکبریٰ بیہقی ج ۱۰ ص ۲۰۳، الاعتقاد ص ۱۰۱، الاسماء والصفات ص ۲۴۱)

☆ اللہ تعالیٰ کا کلام اس کی ذات کے ساتھ قائم ہے۔ اس کی ذات سے متعلق ہے۔ اس کا وجود اس کی ذات کے بغیر ممکن نہیں ہے۔ اگرچہ قرآن پاک دلوں میں

محفوظ (حفظ کیا ہوا) ہے، زبانوں سے پڑھا جاتا ہے، مصاحف میں لکھا ہوا ہے، مساجد میں پڑھا جاتا ہے۔ یہ حقیقت میں قرآن ہے، نہ کہ مجازی طور پر۔ حالانکہ وہ قرآن ان میں سے کسی چیز میں حلول کرنے والا نہیں ہے۔ اگر بالفرض اس کو یہ مان لیا جائے کہ اس کا وجود کسی غیر میں ہو سکتا ہے تو اس کو بھی متکلم ماننا پڑے گا۔ وہ قرآن آمر (امر کرنے والا) اور ناہی (منع کرنے والا) ہے۔ وہ اس کا قائل بھی ہے:

آیت: إِنَّنِي أَنَا اللَّهُ لَا إِلَٰهَ إِلَّا أَنَا فَاعْبُدْنِي وَأَقِمِ الصَّلَاةَ لِذِكْرِي (طٰہٰ: ۱۴)

ترجمہ: حقیقت یہ ہے کہ میں ہی اللہ ہوں۔ میرے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ اس لیے میری عبادت کرو۔ اور مجھے یاد رکھنے کے لیے نماز قائم کرو۔

یہ بات تمام مسلمانوں کے دین کے خلاف ہے۔

☆ اللہ تعالیٰ کا کلام کانوں سے سنا جا سکتا ہے، اگرچہ وہ کلام تمام زبانوں اور تمام آوازوں سے مختلف ہے، اور وہ مسموعات (سنی جانے والی چیزوں) کی جنس سے نہیں ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کو (قیامت میں) دیکھا جائے گا اگرچہ وہ مرئیات (دیکھی جانے والی چیزوں) کی اقسام میں سے نہیں ہے، اور جیسا کہ اللہ تعالیٰ موجود ہیں، اگرچہ وہ تمام موجود حوادث سے مختلف ہیں۔

یہ بات جائز نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے کلام کی حکایت کی جائے اور نہ ہی اس کا تلفظ بیان کیا جا سکتا ہے۔ اس لیے کہ کسی شی کی حکایت تو اس کی مثل یا اس کے مقارب کی ہوتی ہے۔

☆ اللہ تعالیٰ کا کلام انسانوں کے کلام جیسا نہیں ہے۔ یہ بات جائز نہیں ہے کہ اس کا تکلم اور تلفظ کیا جا سکتا ہے کیونکہ اس سے یہ بات لازم آتی ہے کہ کلام کرنے والے کا کلام دو ذاتوں (وجودوں) یعنی قدیم اور محدث کے ساتھ متصف مانا جائے۔ یہ بات اجماع امت اور عقل و نظر کے خلاف ہے۔

☆ کسی شخص کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ کہے: "قرآن اللہ تعالیٰ کا کلام ہے" اور پھر خاموش ہو جائے، یہاں تک کہ اس کے ساتھ یہ بات بھی کہے: "قرآن مخلوق نہیں ہے"۔

حضرت امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں: ”اگر قرآن کے بارے میں وہ بات نہ کی جاتی (قرآن پاک کے مخلوق والا قول) تو سکوت کی گنجائش تھی، لیکن اب سکوت کی گنجائش کیونکر ہوسکتی ہے؟“۔

(ابوداؤد ”مسائل الامام احمد“ ص ۲۶۳، ۲۶۴: خلال فی السنۃ رقم ۱۷۴۹: اصبہانی فی ”الحجۃ“ ج ۱ ص ۲۹۰: آجری فی ”الشریعۃ“ ص ۱۸)

اس سے ان کی مراد یہ ہے: وہ شخص سکوت کی شک کی وجہ سے کرتا ہے۔

حضرت امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں: جو شخص یہ کہے: لفظی قرآن مخلوق ہے تو وہ جہمی ہے۔

آپ نے یہ بھی فرمایا: جو شخص یہ کہے: لفظی قرآن مخلوق نہیں ہے تو وہ بدعتی ہے۔

آپ نے یہ بھی فرمایا ہے: تو وہ بدعتی ہے۔

حضرت امام احمد کا یہ قول تمام اہل السنت: فقہاء، محدثین اور متکلمین کا قول ہے۔

☆ حضرت ابوبکر محمد بن طیب فرماتے ہیں کہ حضرت امام ابوالحسن اشعری نے فرمایا ہے: جس شخص نے کہا: لفظی قرآن مخلوق ہے تو وہ گمراہ اور بدعتی ہے۔ اس نے وہ بات کی ہے جو امت کے اسلاف میں سے کسی نے بھی نہیں کی ہے۔

(الابانۃ ص ۴۳: مقالات الاسلامیین ج ۱ ص ۲۹۶)

حضرت ابوبکر فرماتے ہیں: اسی طرح ہم بھی اسے گمراہ اور بدعتی کہتے ہیں جو کہے: لفظی قرآن مخلوق نہیں ہے۔

یہی مذہب حضرت امام احمد بن حنبل کا ہے جس کو ان کے دونوں بیٹوں: حضرت صالح اور حضرت عبداللہ نے روایت کیا ہے۔

☆ حضرت احمد بن ابراہیم فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت امام احمد بن حنبل سے سوال کیا: یہ لوگ جو کہتے تھے: ہمارے قرآنی الفاظ مخلوق ہیں؟

تو حضرت امام احمد نے فرمایا: یہ جہمیہ کا بدترین قول ہے۔ جس شخص کا یہ عقیدہ ہے تو اس کا یہ عقیدہ ہے کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام مخلوق لے کر آئے اور نبی اکرم ﷺ نے مخلوق کا ہی تکلم کیا ہے۔

صلى الله عليه وسلم، وعن غير واحد من الصحابة والتابعين.

25 وقال تعالى مخبراً عن موسى عليه السلام: "رب أرني أنظر إليك"، ولولا علمه بجواز الرؤية بالأبصار عليه لم أقدم على أن يسأله ذلك.

ورؤيته تعالى بغير حد، ولا نهاية، ولا مقابلة، ولا محاذاة، لأنه: "ليس كمثله شيء وهو السميع البصير"

26 وقال صلى الله عليه وسلم: "إنكم سترون ربكم كما ترون هذا القمر لا تضامون في رؤيته" وروى ابن وهب عن مالك أنه قال: أهل الجنة ينظرون إلى الله تعالى بأعينهم، وأشار ابن وهب إلى عينه.

ومعنى: "لا تضامون" أي: لا تدافعون ولا تزدحمون.

ومعنى الحديث الآخر: "لا تضارون في رؤيته" أي: لا يدخل عليكم ضرر في رؤيته.

ترجمہ: اہل السنت والجماعت کا یہ عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ آخرت میں ذات کے اپنے مومن بندوں کے لیے تجلی فرمائیں گے۔ جن وہ اللہ تعالیٰ کو بے پردہ اپنی آنکھوں سے دیکھیں گے جیسا کہ قرآن مجید اس پر دال ہے:

وُجُوهٌ يَوْمَئِذٍ نَاضِرَةٌ إِلَىٰ رَبِّهَا نَاظِرَةٌ. (قیامہ: ۲۲، ۲۳)

ترجمہ: اس دن بہت سے چہرے تروتازہ ہوں گے، اپنے رب کی طرف دیکھتے ہوں گے۔

اس بات کی تائید قرآن پاک کی اس آیت سے بھی ہوتی ہے جس میں کفار کا ذکر ہے:

كَلَّا إِنَّهُمْ عَن رَّبِّهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّمَحْجُوبُونَ. (مطففین: ۱۵)

ترجمہ: ہرگز نہیں! یقیناً یہ لوگ اس دن اپنے پروردگار کے دیدار سے محروم ہوں گے۔

اس طرح رؤیت باری تعالیٰ کی تخصیص مؤمنین کے لیے ہے۔ دیدار خداوندی کے

مسلمانوں، مؤمنوں اور کافروں سب کے لیے قطعاً الگ ہے۔

لِلَّذِينَ أَحْسَنُوا الْحُسْنَى وَزِيَادَةٌ. (یونس:۲۶)

ترجمہ: جن لوگوں نے بہتر عمل کیے تھے، بہترین حالت انہی کے لیے ہے، اور اس سے بڑھ کر کچھ اور بھی!

"زیادہ" سے مراد اللہ تعالیٰ کی طرف دیکھنا ہے۔ "زیادہ" کی یہ تفسیر حضور اکرم ﷺ اور بے شمار حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین سے مروی ہے۔

اور جو اس بارے میں حضرت موسیٰ علیہ السلام سے قرآن مجید میں بیان ہوا ہے:

رَبِّ أَرِنِي أَنْظُرْ إِلَيْكَ. (الاعراف:۱۴۳)

ترجمہ: میرے پروردگار! مجھے دیدار کرا دیجیے کہ میں آپ کو دیکھ لوں۔

اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو رؤیتِ باری کے جواز کا علم نہ ہوتا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کبھی بھی اس کا سوال کرنے کی جرأت نہ کرتے۔

پوری آیت کریمہ یوں ہے:

وَلَمَّا جَاءَ مُوسَى لِمِيقَاتِنَا وَكَلَّمَهُ رَبُّهُ قَالَ رَبِّ أَرِنِي أَنْظُرْ إِلَيْكَ. قَالَ لَنْ تَرَانِي وَلَكِنِ انْظُرْ إِلَى الْجَبَلِ فَإِنِ اسْتَقَرَّ مَكَانَهُ فَسَوْفَ تَرَانِي. فَلَمَّا تَجَلَّى رَبُّهُ لِلْجَبَلِ جَعَلَهُ دَكًّا وَخَرَّ مُوسَى صَعِقًا. فَلَمَّا أَفَاقَ قَالَ سُبْحَانَكَ تُبْتُ إِلَيْكَ وَأَنَا أَوَّلُ الْمُؤْمِنِينَ. (الاعراف:۱۴۳)

ترجمہ: اور جب حضرت موسیٰ علیہ السلام ہمارے مقررہ وقت پر پہنچے اور ان کا رب ان سے ہم کلام ہوا تو وہ کہنے لگے: "میرے پروردگار! مجھے دیدار کرا دیجیے کہ میں آپ کو دیکھ لوں"۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "تم مجھے ہرگز نہیں دیکھ سکو گے۔ البتہ پہاڑ کی طرف نظر اٹھاؤ۔ اس کے بعد اگر وہ اپنی جگہ برقرار رہا تو تم مجھے دیکھ لو گے"۔ پھر جب ان کے رب نے پہاڑ پر تجلی فرمائی تو اس کو ریزہ ریزہ کر دیا، اور حضرت موسیٰ علیہ السلام بے ہوش ہو کر گر پڑے۔ بعد میں جب انہیں ہوش آیا تو انہوں نے کہا: "پاک ہے آپ کی ذات! میں آپ کے حضور توبہ کرتا ہوں، اور میں سب سے پہلا ایمان لاتا ہوں"۔

حضرت امام بیہقیؒ نے اپنی دوسری کتاب: **الاعتقاد والهداية إلى سبيل الرشاد على مذهب السلف وأصحاب الحديث** میں اختلاف کو قدرے اختصار کے ساتھ بیان کیا ہے۔

1 تفویض وتاویل میں حضرت امام بیہقیؒ کی تحقیق

1 حضرت امام بیہقیؒ فرماتے ہیں:

وَأَصْحَابُ الْحَدِيثِ فِيمَا وَرَدَ بِهِ الْكِتَابُ وَالسُّنَّةُ مِنْ أَمْثَالِ هَذَا، وَلَمْ يَتَكَلَّمْ أَحَدٌ مِنَ الصَّحَابَةِ وَالتَّابِعِينَ فِي تَأْوِيلِهِ. ثُمَّ إِنَّهُمْ عَلَى قِسْمَيْنِ: مِنْهُمْ مَنْ قَبِلَهُ وَآمَنَ بِهِ وَلَمْ يُؤَوِّلْهُ وَوَكَلَ عِلْمَهُ إِلَى اللهِ وَنَفَى الْكَيْفِيَّةَ وَالتَّشْبِيهَ عَنْهُ، وَمِنْهُمْ مَنْ قَبِلَهُ وَآمَنَ بِهِ وَحَمَلَهُ عَلَى وَجْهٍ يَصِحُّ اسْتِعْمَالُهُ فِي اللُّغَةِ وَلَا يُنَاقِضُ التَّوْحِيدَ. وَقَدْ ذَكَرْنَا هَاتَيْنِ الطَّرِيقَتَيْنِ فِي كِتَابِ الْأَسْمَاءِ وَالصِّفَاتِ فِي الْمَسَائِلِ الَّتِي تَكَلَّمُوا فِيهَا مِنْ هَذَا الْبَابِ.

(الاعتقاد والهداية إلى سبيل الرشاد على مذهب السلف وأصحاب الحديث ص ۱۲۰۔ المؤلف: أحمد بن الحسين بن علي بن موسى الخسروجردي الخراساني، أبو بكر البيهقي رحمہ اللہ (المتوفى ۴۵۸ھ) المحقق: أحمد عصام الكاتب۔ الناشر: دار الآفاق الجديدة، بيروت۔ الطبعة: الأولى ۱۴۰۱ھ)

ترجمہ: ان آیات واحادیث کے بارے میں جو صفات متشابہات کے بارے میں وارد ہوئی ہیں ان کے بارے میں حضرات صحابہ کرام ﷺ اور تابعین عظامؒ نے ان کی تفسیر بیان نہیں کی ہے۔ محدثین کرامؒ کے ہاں دو طرح سے اس کا بیان ملتا ہے:

1 بعض حضرات ان کو قبول اور تسلیم کرتے ہیں، ان پر ایمان لاتے ہیں اور ان کی کسی بھی قسم کی تفسیر بیان نہیں کی ہے اور ان کا علم اللہ تعالیٰ کی ذات کے سپرد کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی ذات سے کیفیت اور تشبیہ کا بالکل ہی انکار کرتے ہیں۔

۲ کچھ حضرات وہ ہیں جو ان آیات واحادیث صفات کو قبول کرکے ان پر ایمان لائے ہیں اور ان کو ایسے معانی پر محمول کرتے ہیں جن کا استعمال لغت عرب کے مطابق درست اور صحیح ہو اور وہ توحید باری کے بھی منافی نہ ہوں۔

ہم نے اپنی کتاب "الاسماء والصفات" میں ان دونوں طریقوں کے مطابق ان آیات واحادیث صفات کے معانی بیان کیے ہیں۔

2 حضرت امام بیہقیؒ حضرت سفیان بن عیینہؒ کے قول: "**کل ما وصف الله من نفسه في كتابه فتفسيره تلاوته والسكوت عليه**" کے متعلق کہتے ہیں:

"**.....وانما أراد به. والله أعلم. فيما تفسيره يؤدي الى تكييف. وتكييفه يقتضي تشبيها له بخلقه في أوصاف الحدوث**"۔

(الاعتقاد والهداية، ص ۱۱۸، طبع دار الآفاق الجديدة، بيروت)

یعنی حضرت سفیان بن عیینہ تابعیؒ نے جو فرمایا: اللہ تعالیٰ نے جن صفات سے خود کو متصف کیا ہے۔ ان کی "تفسیر" ان کو پڑھنا ہی ہے۔ ان کے متعلق کچھ کہنے سے سکوت ہی ان کی تفسیر ہے۔ امام بیہقیؒ کہتے ہیں یہ قول تفسیر، کیفیت اور موہم تشبیہ صفات کا حکم ہے...... اور جن صفات کی تفسیر سے تشبیہ لازم نہیں آتی، ان کی تفسیر درست اور جائز ہے۔ تلاوت پر اکتفا ضروری نہیں ہے۔ امام بیہقیؒ نے یہ بھی بتادیا کہ مخلوق کے ساتھ ایسی تشبیہ جس سے اللہ تعالیٰ کے لیے حدوث ثابت ہوتا ہے ایسی ممنوع ہے اور اس سے اجتناب لازم ہے۔

3 **أَخْرَجَ الْبَيْهَقِيُّ مِنْ طَرِيقِ أَبِي دَاوُدَ الطَّيَالِسِيِّ قَالَ: كَانَ سُفْيَانُ الثَّوْرِيُّ وَشُعْبَةُ وَحَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ وَحَمَّادُ بْنُ سَلَمَةَ وَشَرِيكٌ وَأَبُو عَوَانَةَ لَا يُحَدِّدُونَ وَلَا يُشَبِّهُونَ وَيَرْوُونَ هٰذِهِ الْأَحَادِيثَ وَلَا يَقُولُونَ: كَيْفَ. قَالَ أَبُو دَاوُدَ: وَهُوَ قَوْلُنَا. قَالَ الْبَيْهَقِيُّ: وَعَلَى هٰذَا مَضَى أَكَابِرُنَا.**

(فتح الباری ج ۱۳ ص ۴۹۸ طبع دار السلام، ریاض، کتاب التوحید، باب قول اللہ ... رقم ۷۴۰۱)

وَتَعَالَى.

(کتاب الاسماء والصفات ج ۲ ص [illegible] تحت رقم [illegible] طبع مکتبۃ السوادی للتوزیع جدہ)

ترجمہ: ہم نے اپنے متقدمین میں سے اپنے اصحاب سے یہی روایت کیا ہے کہ وہ ان جیسی متشابہ آیات صفات میں کلام نہیں کرتے تھے اور اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے حد تشبیہ اور تمثیل کی نفی بھی کرتے تھے۔

7 أَخْبَرَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ الْحَارِثِ الْفَقِيهُ، أنا أَبُو مُحَمَّدِ بْنُ حَيَّانَ، ثنا الْحَسَنُ بْنُ مُحَمَّدٍ الدَّارَكِيُّ، ثنا أَبُو زُرْعَةَ، ثنا ابْنُ مُصَفًّى، ثنا بَقِيَّةُ، ثنا الْأَوْزَاعِيُّ، عَنِ الزُّهْرِيِّ وَمَكْحُولٍ، قَالَا: امْضُوا الْأَحَادِيثَ عَلَى مَا جَاءَتْ.

(کتاب الاسماء والصفات ج ۲ ص ۳۷۷ تحت رقم ۹۵۵ طبع مکتبۃ السوادی للتوزیع جدہ)

ترجمہ: حضرت امام اوزاعی، حضرت امام زہری اور حضرت مکحول سے روایت کرتے ہیں کہ وہ دونوں فرماتے تھے: ان احادیث (صفات) کو اسی طرح بیان کرو جیسے وہ مروی ہیں۔

8 أَخْبَرَنَا أَبُو عَبْدِ اللَّهِ الْحَافِظُ، ثنا أَبُو بَكْرٍ مُحَمَّدُ بْنُ أَحْمَدَ بْنِ بَالَوَيْهِ، ثنا مُحَمَّدُ بْنُ بِشْرِ بْنِ مَطَرٍ، ثنا الْهَيْثَمُ بْنُ خَارِجَةَ، ثنا الْوَلِيدُ بْنُ مُسْلِمٍ، قَالَ: سُئِلَ الْأَوْزَاعِيُّ وَمَالِكٌ وَسُفْيَانُ الثَّوْرِيُّ وَاللَّيْثُ بْنُ سَعْدٍ عَنْ هَذِهِ الْأَحَادِيثِ الَّتِي جَاءَتْ فِي التَّشْبِيهِ فَقَالُوا: أَمِرُّوهَا كَمَا جَاءَتْ بِلَا كَيْفِيَّةٍ.

(کتاب الاسماء والصفات ج ۲ ص ۳۷۷ تحت رقم ۹۵۶ طبع مکتبۃ السوادی للتوزیع جدہ)

ترجمہ: حضرات امام اوزاعی، امام مالک، سفیان ثوری اور لیث بن سعد سے ان احادیث جن میں بظاہر تشبیہ معلوم ہوتی ہے، کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا: ان کو ایسے ہی بلا کیفیت جیسے وہ وارد ہوئی ہیں بیان کرو۔

9 أَخْبَرَنَا أَبُو عَبْدِ اللَّهِ الْحَافِظُ، قَالَ: سَمِعْتُ أَبَا عَبْدِ اللَّهِ مُحَمَّدَ بْنَ إِبْرَاهِيمَ بْنِ حَمْشٍ، سَمِعْتُ أَبَا الْعَبَّاسِ الْأَزْهَرِيَّ، سَمِعْتُ سَعِيدَ بْنَ يَعْقُوبَ الطَّالَقَانِيَّ، سَمِعْتُ سُفْيَانَ بْنَ عُيَيْنَةَ يَقُولُ: كُلُّ مَا وَصَفَ

شأنه. وأما المتأخرون منهم فإنهم تكلموا في تأويله بما يحتمله.

(کتاب الاسماء والصفات ج ۲ ص ۱۸: مکتبۃ السوادی للتوزیع جدہ)

ترجمہ: ہمارے اصحاب میں سے متقدمین اس حدیث (حدیث اطیط) کی تاویل میں مشغول نہیں ہوئے۔ انہوں نے اس حدیث کو اسی طرح بیان کیا۔ انہوں نے اس حدیث سے اور اس جیسی دوسری احادیث سے یہ بات سمجھی کہ ان سب کو اللہ تعالیٰ کی قدرت اور عظمت بیان کرنے کے لیے روایت کیا گیا ہے۔ متاخرین علماء میں سے بعض حضرات نے ان احادیث میں تاویلات کی ہیں

2 بَابُ الْقَوْلِ فِي الْقُرْآنِ، الْقُرْآنُ كَلَامُ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ، وَكَلَامُ اللهِ صِفَةٌ مِنْ صِفَاتِ ذَاتِهِ، وَلَا يَجُوزُ أَنْ يَّكُونَ شَيْءٌ مِنْ صِفَاتِ ذَاتِهِ مَخْلُوقًا وَلَا مُحْدَثًا وَلَا حَادِثًا

قَالَ اللهُ جَلَّ ثَنَاؤُهُ: إِنَّمَا قَوْلُنَا لِشَيْءٍ إِذَا أَرَدْنَاهُ أَنْ نَقُولَ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ (النحل: ۴۰). فَلَوْ كَانَ الْقُرْآنُ مَخْلُوقًا لَكَانَ اللهُ سُبْحَانَهُ قَائِلًا لَهُ كُنْ، وَالْقُرْآنُ قَوْلُهُ، وَيَسْتَحِيلُ أَنْ يَكُونَ قَوْلُهُ مَقُولًا لَهُ، لِأَنَّ هٰذَا يُوجِبُ قَوْلًا ثَانِيًا. وَالْقَوْلُ فِي الْقَوْلِ الثَّانِي وَفِي تَعَلُّقِهِ بِقَوْلٍ ثَالِثٍ كَالْأَوَّلِ، وَهٰذَا يُفْضِي إِلَى مَا لَا نِهَايَةَ لَهُ، وَهُوَ فَاسِدٌ، وَإِذَا فَسَدَ ذٰلِكَ فَسَدَ أَنْ يَكُونَ الْقُرْآنُ مَخْلُوقًا، وَوَجَبَ أَنْ يَكُونَ الْقَوْلُ أَمْرًا أَزَلِيًّا مُتَعَلِّقًا بِالْمُكَوَّنِ فِيمَا لَا يَزَالُ كَمَا أَنَّ الْأَمْرَ مُتَعَلِّقٌ بِصَلَاةِ غَدٍ، وَغَدٌ غَيْرُ مَوْجُودٍ، وَمُتَعَلِّقٌ بِمَنْ يُخْلَقُ مِنَ الْمُكَلَّفِينَ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ، إِلَّا أَنَّ تَعَلُّقَهُ بِهِمْ عَلَى الشَّرْطِ الَّذِي يَصِحُّ فِيمَا بَعْدُ. كَذٰلِكَ قَوْلُهُ فِي

التَّكْوِينِ. وَهٰذَا كَمَا أَنَّ عِلْمَ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ أَزَلِيٌّ مُتَعَلِّقٌ بِالْمَعْلُومَاتِ عِنْدَ خَلْقِهَا. وَسَمْعَهُ أَزَلِيٌّ مُتَعَلِّقٌ بِإِدْرَاكِ الْمَسْمُوعَاتِ عِنْدَ ظُهُورِهَا. وَبَصَرَهُ أَزَلِيٌّ مُتَعَلِّقٌ بِإِدْرَاكِ الْمَرْئِيَّاتِ عِنْدَ وُجُودِهَا مِنْ غَيْرِ حُدُوثِ مَعْنًى فِيهِ تَعَالَى عَنْ أَنْ يَكُونَ مَحَلًّا لِلْحَوَادِثِ، وَأَنْ يَكُونَ شَيْءٌ مِنْ صِفَاتِ ذَاتِهِ مُحْدَثًا. وَلِأَنَّ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ قَالَ:

"اَلرَّحْمٰنُ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ خَلَقَ الْاِنْسَانَ" (الرحمن:١،٢،٣)

فَلَمَّا جَمَعَ فِي الذِّكْرِ بَيْنَ الْقُرْآنِ الَّذِي هُوَ كَلَامُهُ وَصِفَتُهُ وَبَيْنَ الْإِنْسَانِ الَّذِي هُوَ خَلْقُهُ وَمَصْنُوعُهُ، خَصَّ الْقُرْآنَ بِالتَّعْلِيمِ. وَالْإِنْسَانَ بِالتَّخْلِيقِ، فَلَوْ كَانَ الْقُرْآنُ مَخْلُوقًا كَالْإِنْسَانِ لَقَالَ: خَلَقَ الْقُرْآنَ وَالْإِنْسَانَ. وَقَالَ:- "أَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْأَمْرُ" (الأعراف:٥٤). فَفَرَّقَ بَيْنَ خَلْقِهِ وَأَمْرِهِ بِالْوَاوِ الَّذِي هُوَ حَرْفُ الْفَصْلِ بَيْنَ الشَّيْئَيْنِ الْمُتَغَايِرَيْنِ. فَدَلَّ عَلَى أَنَّ قَوْلَهُ غَيْرُ خَلْقِهِ. وَقَالَ: "لِلّٰهِ الْأَمْرُ مِنْ قَبْلُ وَمِنْ بَعْدُ" (الروم:٤). يَعْنِي مِنْ قَبْلِ أَنْ يَخْلُقَ الْخَلْقَ وَمِنْ بَعْدِ ذٰلِكَ. وَهٰذَا يُوجِبُ أَنَّ الْأَمْرَ غَيْرُ مَخْلُوقٍ. وَقَالَ:- "وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِينَ" (الصافات:١٧١). وَقَالَ:- "لَوْلَا كِتَابٌ مِنَ اللّٰهِ سَبَقَ" (الأنفال:٦٨). وَالسَّبْقُ عَلَى الْإِطْلَاقِ يَقْتَضِي سَبْقَ كُلِّ شَيْءٍ سِوَاهُ. وَقَالَ:- "وَكَلَّمَ اللّٰهُ مُوسٰى تَكْلِيمًا" (النساء:١٦٤). وَلَا يَجُوزُ أَنْ يَكُونَ كَلَامُ الْمُتَكَلِّمِ قَائِمًا بِغَيْرِهِ ثُمَّ يَكُونَ هُوَ بِهِ مُتَكَلِّمًا مُكَلِّمًا دُونَ ذٰلِكَ الْغَيْرِ. كَمَا لَا يَجُوزُ ذٰلِكَ فِي الْعِلْمِ وَالسَّمْعِ وَالْبَصَرِ. وَقَالَ:- "وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ أَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ إِلَّا وَحْيًا أَوْ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ أَوْ يُرْسِلَ رَسُولًا فَيُوحِيَ بِإِذْنِهِ مَا يَشَآءُ". (الشورى:٥١). فَلَوْ كَانَ كَلَامُ اللّٰهِ لَا يُوجَدُ إِلَّا مَخْلُوقًا فِي شَيْءٍ مَخْلُوقٍ، لَمْ يَكُنْ لِاشْتِرَاطِ هٰذِهِ الْوُجُوهِ مَعْنًى لِاسْتِوَاءِ جَمِيعِ الْخَلْقِ فِي سَمَاعِهِ مِنْ غَيْرِ اللّٰهِ وَوُجُودِهِمْ ذٰلِكَ عِنْدَ الْجَهْمِيَّةِ مَخْلُوقًا فِي غَيْرِ اللّٰهِ وَهٰذَا

يُوجِبُ إِسْقَاطَ مَرْتَبَةِ النَّبِيِّينَ صَلَوَاتُ اللهِ عَلَيْهِمْ أَجْمَعِينَ وَ يَجِبُ عَلَيْهِمْ إِذَا زَعَمُوا أَنَّ كَلَامَ اللهِ لِمُوسَى خَلَقَهُ فِي شَجَرَةٍ أَنْ يَكُونَ مَنْ سَمِعَ كَلَامَ اللهِ مِنْ مَلَكٍ أَوْ مِنْ نَبِيٍّ أَتَاهُ بِهِ مِنْ عِنْدِ اللهِ أَفْضَلَ مَرْتَبَةً فِي سَمَاعِ الْكَلَامِ مِنْ مُوسَى لِأَنَّهُمْ سَمِعُوهُ مِنْ نَبِيٍّ وَلَمْ يَسْمَعْهُ مُوسَى عَلَيْهِ السَّلَامُ مِنَ اللهِ وَإِنَّمَا سَمِعَهُ مِنْ شَجَرَةٍ وَأَنْ يَزْعُمُوا أَنَّ الْيَهُودَ إِذْ سَمِعَتْ كَلَامَ اللهِ مِنْ مُوسَى نَبِيِّ اللهِ أَفْضَلُ مَرْتَبَةً فِي هَذَا الْمَعْنَى مِنْ مُوسَى بْنِ عِمْرَانَ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلَى نَبِيِّنَا وَسَلَّمَ لِأَنَّ الْيَهُودَ سَمِعَتْهُ مِنْ نَبِيٍّ مِنَ الْأَنْبِيَاءِ وَمُوسَى صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلَى نَبِيِّنَا وَسَلَّمَ سَمِعَهُ مَخْلُوقًا فِي شَجَرَةٍ وَلَوْ كَانَ مَخْلُوقًا فِي شَجَرَةٍ لَمْ يَكُنِ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ مُكَلِّمًا لِمُوسَى مِنْ وَرَاءِ حِجَابٍ وَلِأَنَّ كَلَامَ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ لِمُوسَى عَلَيْهِ السَّلَامُ لَوْ كَانَ مَخْلُوقًا فِي شَجَرَةٍ كَمَا زَعَمُوا لَزِمَهُمْ أَنْ تَكُونَ الشَّجَرَةُ بِذَلِكَ الْكَلَامِ مُتَكَلِّمَةً، وَوَجَبَ عَلَيْهِمْ أَنَّ مَخْلُوقًا مِنَ الْمَخْلُوقِينَ كَلَّمَ مُوسَى وَقَالَ لَهُ: ﴿إِنَّنِي أَنَا اللهُ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنَا فَاعْبُدْنِي﴾ (طه: ١٤)، وَهَذَا ظَاهِرُ الْفَسَادِ، وَقَدِ احْتَجَّ عَلِيُّ بْنُ إِسْمَاعِيلَ رَحِمَهُ اللهُ بِهَذِهِ الْفُصُولِ. وَاحْتَجَّ بِهَا غَيْرُهُ مِنْ سَلَفِنَا رَحِمَهُمُ اللهُ.

وَأَخْبَرَنَا أَبُو عَبْدِ الرَّحْمَنِ السُّلَمِيُّ أَنَا الْحَسَنُ بْنُ رَشِيقٍ إِجَازَةً ثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سُفْيَانَ بْنِ سَعِيدٍ ثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ الْأَصْبَهَانِيُّ بِمَكَّةَ قَالَ: سَمِعْتُ الْجَارُودِيَّ يَقُولُ: ذَكَرَ الشَّافِعِيُّ إِبْرَاهِيمَ بْنَ إِسْمَاعِيلَ ابْنَ عُلَيَّةَ فَقَالَ: أَنَا مُخَالِفٌ لَهُ فِي كُلِّ شَيْءٍ وَفِي قَوْلِهِ: لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ لَسْتُ أَقُولُ كَمَا يَقُولُ أَنَا أَقُولُ: لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ الَّذِي كَلَّمَ مُوسَى مِنْ وَرَاءِ حِجَابٍ وَذَاكَ يَقُولُ: لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ الَّذِي خَلَقَ كَلَامًا أَسْمَعَهُ مُوسَى مِنْ وَرَاءِ حِجَابٍ.

قُلْنَا: وَلِأَنَّ اللهَ قَالَ مُخْبِرًا عَنِ الْمُشْرِكِينَ أَنَّهُمْ قَالُوا: ﴿إِنْ هَذَا إِلَّا

قَوْلُ الْبَشَرِ" (المدثر:۲۵)، يَعْنُونَ الْقُرْآنَ. فَمَنْ زَعَمَ أَنَّ الْقُرْآنَ
مَخْلُوقٌ فَقَدْ جَعَلَهُ قَوْلًا لِلْبَشَرِ، وَهٰذَا مِمَّا أَنْكَرَهُ اللّٰهُ عَلَى الْمُشْرِكِينَ،
وَلِأَنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى قَالَ: "قُلْ لَوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِكَلِمَاتِ رَبِّي لَنَفِدَ
الْبَحْرُ قَبْلَ أَنْ تَنْفَدَ كَلِمَاتُ رَبِّي وَلَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهِ مَدَدًا"
(الكهف:۱۰۹)، فَلَوْ كَانَتِ الْبِحَارُ مِدَادًا يُكْتَبُ بِهِ لَنَفِدَتِ الْبِحَارُ
وَتَكَسَّرَتِ الْأَقْلَامُ وَلَمْ يَلْحَقِ الْفَنَاءُ كَلِمَاتِ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ كَمَا لَا
يَلْحَقُ الْفَنَاءُ عِلْمَ اللّٰهِ، لِأَنَّ مَنْ فَنِيَ كَلَامُهُ لَحِقَتْهُ الْآفَاتُ وَجَرَى
عَلَيْهِ السُّكُوتُ. فَلَمَّا لَمْ يَجُزْ ذٰلِكَ عَلٰى رَبِّنَا عَزَّ وَجَلَّ صَحَّ أَنَّهُ لَمْ يَزَلْ
مُتَكَلِّمًا وَلَا يَزَالُ مُتَكَلِّمًا، وَقَدْ نَفَى النَّفَادَ عَنْ كَلَامِهِ كَمَا نَفَى
الْهَلَاكَ عَنْ وَجْهِهِ. وَأَمَّا قَوْلُ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ: "إِنَّهُ لَقَوْلُ رَسُولٍ
كَرِيمٍ" (التكوير:۱۹)، مَعْنَاهُ: قَوْلٌ تَلَقَّاهُ عَنْ رَسُولٍ كَرِيمٍ أَوْ
سَمِعَهُ مِنْ رَسُولٍ كَرِيمٍ، أَوْ نَزَلَ بِهِ رَسُولٌ كَرِيمٌ. فَقَدْ قَالَ: "فَأَجِرْهُ
حَتّٰى يَسْمَعَ كَلَامَ اللّٰهِ" (التوبة:۶)، فَأَثْبَتَ أَنَّ الْقُرْآنَ كَلَامُ اللّٰهِ عَزَّ
وَجَلَّ، وَلَا يَكُونُ شَيْءٌ وَاحِدٌ كَلَامًا لِلرَّسُولِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
وَكَلَامًا لِلّٰهِ، دَلَّ أَنَّ الْمُرَادَ بِالْأَوَّلِ مَا قُلْنَا. وَقَوْلُهُ: "إِنَّا جَعَلْنَاهُ قُرْآنًا
عَرَبِيًّا" (الزخرف:۳) مَعْنَاهُ: سَمَّيْنَاهُ قُرْآنًا عَرَبِيًّا وَأَنْزَلْنَاهُ مَعَ
الْمَلَكِ الَّذِي أَسْمَعْنَاهُ إِيَّاهُ حَتّٰى نَزَلَ بِهِ بِلِسَانِ الْعَرَبِ لِيَعْقِلُوا
مَعْنَاهُ وَهُوَ كَمَا قَالَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ: "وَيَجْعَلُونَ لِلّٰهِ مَا يَكْرَهُونَ"
(النحل:۶۲)، يَعْنِي: يَصِفُونَ لِلّٰهِ مَا يَكْرَهُونَ وَلَمْ يُرِدْ بِهِ الْخَلْقَ،
وَقَوْلُهُ: "مَا يَأْتِيهِمْ مِنْ ذِكْرٍ مِنْ رَبِّهِمْ مُحْدَثٍ إِلَّا اسْتَمَعُوهُ وَهُمْ
يَلْعَبُونَ" (الأنبياء:۲)، يَحْتَمِلُ أَنْ يَكُونَ مَعْنَاهُ ذِكْرًا غَيْرَ الْقُرْآنِ،
وَهُوَ كَلَامُ الرَّسُولِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَوَعْظُهُ إِيَّاهُمْ بِقَوْلِهِ:
"وَذَكِّرْ فَإِنَّ الذِّكْرٰى تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِينَ" (الذاريات:۵۵)، وَلِأَنَّهُ لَمْ
يَقُلْ: لَا يَأْتِيهِمْ ذِكْرٌ إِلَّا كَانَ مُحْدَثًا، وَإِنَّمَا قَالَ: مَا يَأْتِيهِمْ مِنْ ذِكْرٍ

مِنْ رَبِّهِمْ مُحْدَثٍ إِلَّا اسْتَمَعُوهُ وَهُمْ يَلْعَبُونَ. (الأنبياء:۲)، فَدَلَّ عَلَى أَنَّ ذِكْرًا غَيْرَ مُحْدَثٍ ثُمَّ إِنَّهُ إِنَّمَا أَرَادَ ذِكْرَ الْقُرْآنِ لَهُمْ وَتِلَاوَتَهُ عَلَيْهِمْ وَعِلْمَهُمْ بِهِ، وَكُلُّ ذَلِكَ مُحْدَثٌ. وَالْمَذْكُورُ الْمَتْلُوُّ الْمَعْلُومُ غَيْرُ مُحْدَثٍ. كَمَا أَنَّ ذِكْرَ الْعَبْدِ لِلَّهِ وَعِلْمَهُ بِهِ وَعِبَادَتَهُ لَهُ مُحْدَثٌ. وَالْمَذْكُورُ الْمَعْلُومُ الْمَعْبُودُ غَيْرُ مُحْدَثٍ. وَحِينَ احْتُجَّ بِهِ عَلَى أَحْمَدَ بْنِ حَنْبَلٍ رَحِمَهُ اللهُ قَالَ أَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: قَدْ يَحْتَمِلُ أَنْ يَكُونَ تَنْزِيلُهُ إِلَيْنَا هُوَ الْمُحْدَثُ لَا الذِّكْرُ نَفْسُهُ مُحْدَثٌ

قَالَ الشَّيْخُ رَحِمَهُ اللهُ: وَهَذَا الَّذِي أَجَابَ بِهِ أَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ رَحِمَهُ اللهُ ظَاهِرٌ فِي الْآيَةِ، وَإِتْيَانُهُ تَنْزِيلُهُ عَلَى لِسَانِ الْمَلَكِ الَّذِي أَتَى بِهِ، وَالتَّنْزِيلُ مُحْدَثٌ، وَقَدْ أَجَابَ أَحْمَدُ رَحِمَهُ اللهُ بِالْجَوَابِ الْأَوَّلِ.

وَأَمَّا تَسْمِيَةُ عِيسَى بِكَلِمَةِ اللهِ فَعَلَى مَعْنَى أَنَّهُ صَارَ مُكَوَّنًا بِكَلِمَةِ اللهِ مِنْ غَيْرِ أَبٍ كَمَا صَارَ آدَمُ مُكَوَّنًا بِكَلِمَةِ اللهِ مِنْ غَيْرِ أَبٍ وَلَا أُمٍّ. وَقَدْ بَيَّنَهُ بِقَوْلِهِ: إِنَّ مَثَلَ عِيسَى عِنْدَ اللهِ كَمَثَلِ آدَمَ خَلَقَهُ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ. (آل عمران:۵۹).

وَقَدْ رُوِّينَا فِي الْحَدِيثِ الصَّحِيحِ عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ: وَكَتَبَ فِي الذِّكْرِ كُلَّ شَيْءٍ. وَالْقُرْآنُ فِيمَا كُتِبَ فِي الذِّكْرِ لِقَوْلِهِ عَزَّ وَجَلَّ: بَلْ هُوَ قُرْآنٌ مَجِيدٌ فِي لَوْحٍ مَحْفُوظٍ. (البروج:۲۲).

وَفِي ذَلِكَ دَلَالَةٌ عَلَى قِدَمِ الْقُرْآنِ وَوُجُودِهِ قَبْلَ وُقُوعِ الْحَاجَةِ إِلَيْهِ. وَمِمَّا يَدُلُّ عَلَى ذَلِكَ الْحَدِيثُ الصَّحِيحُ الَّذِي:

أَخْبَرَنَاهُ مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللهِ الْحَافِظُ. أَخْبَرَنَا أَبُو عَبْدِ اللهِ مُحَمَّدُ بْنُ يَعْقُوبَ، وَأَبُو الْفَضْلِ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، قَالَا: حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ سَلَمَةَ، حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ مُوسَى الْأَنْصَارِيُّ، حَدَّثَنَا أَنَسُ بْنُ عِيَاضٍ، حَدَّثَنَا الْحَارِثُ بْنُ أَبِي ذُبَابٍ، عَنْ يَزِيدَ بْنِ هُرْمُزَ، وَعَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ

الْأَعْرَجِ قَالَا: سَمِعْنَا أَبَا هُرَيْرَةَ يَقُولُ، قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "احْتَجَّ آدَمُ وَمُوسَى عِنْدَ رَبِّهِمَا فَحَجَّ آدَمُ مُوسَى عَلَيْهِمَا السَّلَامُ. فَقَالَ مُوسَى: أَنْتَ الَّذِي خَلَقَكَ اللهُ بِيَدِهِ، وَنَفَخَ فِيكَ مِنْ رُوحِهِ، وَأَسْجَدَ لَكَ مَلَائِكَتَهُ، وَأَسْكَنَكَ جَنَّتَهُ، ثُمَّ أَهْبَطْتَ النَّاسَ بِخَطِيئَتِكَ إِلَى الْأَرْضِ. قَالَ آدَمُ: أَنْتَ مُوسَى الَّذِي اصْطَفَاكَ اللهُ بِرِسَالَاتِهِ وَكَلَامِهِ، وَأَعْطَاكَ الْأَلْوَاحَ فِيهَا تِبْيَانُ كُلِّ شَيْءٍ، وَقَرَّبَكَ اللهُ نَجِيًّا، فَبِكَمْ وَجَدْتَ التَّوْرَاةَ قَبْلَ أَنْ أُخْلَقَ، قَالَ مُوسَى: بِأَرْبَعِينَ عَامًا. قَالَ آدَمُ: وَجَدْتَ فِيهَا: "وَعَصَى آدَمُ رَبَّهُ فَغَوَى" (طه:١٢١)؟ قَالَ: نَعَمْ، قَالَ: أَفَتَلُومُنِي أَنْ أَعْمَلَ عَمَلًا كَتَبَهُ اللهُ عَلَيَّ أَعْمَلَهُ بِعِلْمِهِ قَبْلَ أَنْ يَخْلُقَنِي بِأَرْبَعِينَ سَنَةً. قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: فَحَجَّ آدَمُ مُوسَى.

قَالَ الشَّيْخُ: وَهَذَا التَّارِيخُ يَرْجِعُ إِلَى إِظْهَارِهِ ذَلِكَ لِمَنْ شَاءَ مِنْ مَلَائِكَتِهِ. وَفِي ذَلِكَ مَعَ الْآيَةِ دِلَالَةٌ عَلَى وُجُودِهِ قَبْلَ وُقُوعِ الْخَطِيئَةِ مِنْ آدَمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ. وَكَلَامُ اللهِ تَعَالَى مَوْجُودٌ فِيمَا لَمْ يَزَلْ، مَوْجُودٌ فِيمَا لَا يَزَالُ، وَبِإِسْمَاعِهِ كَلَامَهُ مَنْ شَاءَ مِنْ مَلَائِكَتِهِ وَرُسُلِهِ وَعِبَادِهِ مَتَى شَاءَ، صَارَ كَلَامُهُ مَسْمُوعًا لَهُ بِلَا كَيْفٍ، وَالْمَسْمُوعُ كَلَامُهُ الَّذِي لَمْ يَزَلْ وَلَا يَزَالُ مَوْصُوفًا بِهِ، وَكَلَامُهُ لَا يُشْبِهُ كَلَامَ الْمَخْلُوقِينَ، كَمَا لَا يُشْبِهُ سَائِرُ أَوْصَافِهِ أَوْصَافَ الْمَخْلُوقِينَ. وَبِاللهِ التَّوْفِيقُ.

(الاعتقاد والهداية إلى سبيل الرشاد على مذهب السلف وأصحاب الحديث ص ٩٢-٩٤۔ المؤلف: أحمد بن الحسين بن علي بن موسى الخسروجردي الخراساني، أبو بكر البيهقي رحمه الله (المتوفى [illegible])۔ المحقق: أحمد عصام الكاتب۔ الناشر: دار الآفاق الجديدة، بيروت۔ الطبعة: الأولى، [illegible])

ترجمہ: اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

آیت 8 وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ أَنْ يُكَلِّمَهُ اللَّهُ إِلَّا وَحْيًا أَوْ مِنْ وَرَاءِ حِجَابٍ أَوْ يُرْسِلَ رَسُولًا فَيُوحِيَ بِإِذْنِهِ مَا يَشَاءُ ۚ إِنَّهُ عَلِيٌّ حَكِيمٌ۔ (الشوریٰ: ۵۱)

ترجمہ: اور کسی انسان میں یہ طاقت نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ اس سے (روبرو) بات کرے، سوائے اس کے کہ وہ وحی کے ذریعے ہو، یا کسی پردے کے پیچھے سے، یا پھر وہ کوئی پیغام لانے والا (فرشتہ) بھیج دے، اور وہ اس کے حکم سے جو وہ چاہے وحی کا پیغام پہنچادے۔ یقیناً وہ بہت اونچی شان والا، بڑی حکمت کا مالک ہے۔

پس اگر کلام اللہ بھی باقی مخلوقات کی طرح ایک مخلوق ہی ہو تو وہاں وجوہ کے لحاظ سے صحیح نہیں ہے کہ تمام لوگ اس کے سننے میں غیر اللہ سے برابر ہے، اور ان کا وجود جہمیہ کے نزدیک غیر اللہ میں مخلوق ہے۔ یہ انبیاء علیہم السلام کے مرتبے کے گرنے کا بھی سبب بن جائے گا۔ ورنہ ان پر یہ بات واجب ہو جائے گی جب ان کا کہنا یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لیے اس نے کلام اللہ کو درخت میں پیدا کردیا کہ وہ لوگ جنھوں نے اللہ تعالیٰ کا کلام کسی فرشتے سے سنا، یا کسی نبی علیہ السلام سے سنا جو ان کے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے آیا ہو، وہ مرتبے کے لحاظ سے کلام سننے میں حضرت موسیٰ علیہ السلام سے افضل ہوں، اس لیے کہ انہوں نے تو نبی علیہ السلام سے کلام سنا ہے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کلام اللہ تعالیٰ سے نہیں سنا ہے، بلکہ درخت سے کلام سنا ہے۔ یہ لوگ یہ کہتے ہیں کہ یہود نے تو کلام حضرت موسیٰ علیہ السلام سے سنا ہے، وہ اس معنیٰ کے لحاظ سے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے افضل ہو گئے۔ اس لیے کہ یہود نے تو نبیوں میں سے ایک نبی علیہ السلام سے کلام سنا ہے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے تو ایک مخلوق کا کلام درخت میں سے سنا ہے، اور اگر درخت میں مخلوق کلام ہے تو اللہ تعالیٰ تو حضرت موسیٰ علیہ السلام سے پردے کے پیچھے کلام کرنے والے نہ ہوئے۔ اور اس لیے بھی کہ اللہ تعالیٰ کا کلام حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لیے درخت میں مخلوق ہو، جیسا کہ ان کا گمان ہے، تو اس سے یہ بات لازم آئے گی کہ درخت اس کلام کے ساتھ متکلم ہو گیا تھا، تو اس سے یہ بات لازم آئے گی کہ مخلوقات میں سے ایک مخلوق نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کلام کیا تھا، حالانکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

روشنائی بن جائے تو میرے رب کی باتیں ختم نہیں ہوں گی کہ اس سے پہلے سمندر ختم ہو چکا ہوگا اگرچہ اس سمندر کی پوری کرنے کے لیے ہم ویسا ہی ایک اور سمندر کیوں نہ لے آئیں۔

پس اگر سمندر سیاہی ہو جائیں جس کے ذریعے لکھا جاتا ہے تو وہ سمندر سیاہی کے ختم ہو جائیں گے اور قلمیں ٹوٹ جائیں گی اور اللہ تعالیٰ کے کلمات ختم نہیں ہوں گے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے علم کو فنا نہیں ہے۔ اس لیے کہ جس کا کلام فنا ہو گیا اس کو آفات لاحق ہوں گی اور اس پر سکوت طاری ہو جائے گا۔ پھر جب یہ بات اللہ تعالیٰ پر صادق نہیں آتی تو یہ بات صحیح ثابت ہوئی کہ وہ ازل سے متکلم ہے اور ابد تک رہے گا۔ اور اس کے کلام کو فنا نہیں ہے جیسا کہ اس کے چہرے (ذات) کو فنا نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ کے اس قول:

آیت 12 إِنَّهُ لَقَوْلُ رَسُولٍ كَرِيمٍ۔ (التکویر:۱۹)

ترجمہ یہ (قرآن) یقینی طور پر ایک معزز فرشتے کا لایا ہوا کلام ہے۔

اس کا معنی ہے: یہ ایسا قول ہے جو معزز فرشتے سے حاصل کیا گیا یا اس کو معزز فرشتے سے سنا گیا ہے یا اس کو معزز فرشتے کے ذریعے نازل کیا گیا ہے۔

پس اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

آیت 13 وَإِنْ أَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِينَ اسْتَجَارَكَ فَأَجِرْهُ حَتَّىٰ يَسْمَعَ كَلَامَ اللَّهِ ثُمَّ أَبْلِغْهُ مَأْمَنَهُ ۚ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْلَمُونَ۔ (التوبۃ:۶)

ترجمہ اور اگر مشرکین میں سے کوئی تم سے پناہ مانگے تو اسے اس وقت تک پناہ دو جب تک وہ اللہ تعالیٰ کا کلام سن لے۔ پھر اسے اس کی امن کی جگہ پہنچا دو۔ یہ اس لیے کہ یہ ایسے لوگ ہیں جنہیں علم نہیں ہے۔

پس اس سے یہ بات ثابت ہوئی کہ قرآن اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔ ایسا ہرگز ممکن نہیں کہ ایک ہی شی ہو اور وہ جناب رسول اللہ ﷺ کا کلام بھی ہو اور وہ اللہ تعالیٰ کا بھی کلام ہو۔ یہ چیز اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ یہی بات صحیح ہے جس کو ہم نے کہا ہے۔

آیت 14 إِنَّا جَعَلْنَاهُ قُرْآنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ۔ (الزخرف:۳)

ترجمہ　ہم نے اسے عربی زبان کا قرآن بنایا ہے تاکہ تم سمجھو۔

اس کا معنی ہے: ہم نے اس کا نام قرآن عربی رکھا ہے اور اس کو ہم نے فرشتہ کے ذریعہ اتارا ہے، اس کے ذریعہ ہم نے اس کو سنایا ہے یہاں تک کہ وہ عربی زبان میں نازل کیا گیا ہے تاکہ اہل عرب اس کے معنی کو سمجھیں۔ اور وہ وہی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

آیت 15 وَيَجْعَلُونَ لِلَّهِ مَا يَكْرَهُونَ۔ (النحل: ۶۲)

ترجمہ　اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کے لیے وہ چیزیں مقرر کی ہیں جنہیں خود ناپسند کرتے ہیں۔

یعنی اللہ تعالیٰ کے لیے وہ چیزیں بیان کرتے ہیں جنہیں وہ خود بھی ناپسند کرتے ہیں۔

اور اس سے ان کی مراد مخلوق نہیں ہوتی۔

اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

آیت 16 مَا يَأْتِيهِم مِّن ذِكْرٍ مِّن رَّبِّهِم مُّحْدَثٍ إِلَّا اسْتَمَعُوهُ وَهُمْ يَلْعَبُونَ۔

(الانبیاء: ۲)

ترجمہ　جب کبھی ان کے پروردگار کی طرف سے نصیحت کی کوئی نئی بات ان کے پاس آتی ہے تو وہ اسے مذاق بنایا کرتے ہیں۔

اس کا احتمال یہ بھی ہے کہ اس کا معنی قرآن کے علاوہ کوئی اور نصیحت کی بات ہو اور وہ جناب رسول اللہ ﷺ کا کلام ہو، اور وہ ان کافروں کو وعظ کی صورت میں سنایا گیا ہو۔ فرمان باری تعالیٰ ہے:

آیت 17 وَذَكِّرْ فَإِنَّ الذِّكْرَىٰ تَنفَعُ الْمُؤْمِنِينَ۔ (الذاریات: ۵۵)

ترجمہ　اور نصیحت کرتے رہو، کیونکہ نصیحت ایمان والوں کو فائدہ دیتی ہے۔

اور اس لیے بھی کہ اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا: نہیں آتی ان کے پاس کوئی نصیحت مگر وہ نئی ہی ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تو یوں ہی فرمایا ہے:

آیت 18 مَا يَأْتِيهِم مِّن ذِكْرٍ مِّن رَّبِّهِم مُّحْدَثٍ إِلَّا اسْتَمَعُوهُ وَهُمْ يَلْعَبُونَ۔

(الانبیاء: ۲)

ترجمہ　جب کبھی ان کے پروردگار کی طرف سے نصیحت کی کوئی نئی بات ان کے پاس آتی ہے

پیشانی وطہارت کے بغیر چھونا ممنوع ہے۔ اس کے ساتھ آیت کے مضمون والے
سے اس بات پر دلالت ہوتی ہے کہ کلام اللہ وہی ہے جو حضرت محمد ﷺ سے ہم تک
تواتر سے نقل ہو کر پہنچا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا کلام ہمیشہ سے موجود رہا ہے اور ہمیشہ موجود
رہے گا۔ اللہ تعالیٰ اپنے کلام کو فرشتوں رسولوں اور اپنے بندوں میں سے جس کو
چاہے اور جب چاہے سنا دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا کلام بلا کیف بھی مسموع ہوتا (سنا
جاتا) ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے جو ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا وہ
اس کی ذات کے ساتھ متصف ہے۔ اس کا کلام مخلوق کے کلام کے مشابہ نہیں ہے۔
جیسا کہ اس کی ساری صفات مخلوقات کی صفات کے مشابہ نہیں ہیں۔

3 بَابُ الْقَوْلِ فِي الِاسْتِوَاءِ

قَالَ اللهُ تَبَارَكَ وَتَعَالَى: "الرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى" (طه:٥)، وَالْعَرْشُ هُوَ السَّرِيرُ الْمَشْهُورُ فِيمَا بَيْنَ الْعُقَلَاءِ. قَالَ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ: "وَكَانَ عَرْشُهُ عَلَى الْمَاءِ" (هود:٧)، وَقَالَ: "وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ" (التوبة:١٢٩)، وَقَالَ: "ذُو الْعَرْشِ الْمَجِيدُ" (البروج:١٥)، وَقَالَ: "وَتَرَى الْمَلٰٓئِكَةَ حَآفِّينَ مِنْ حَوْلِ الْعَرْشِ" (الزمر:٧٥)، وَقَالَ: "اَلَّذِينَ يَحْمِلُونَ الْعَرْشَ وَمَنْ حَوْلَهُ يُسَبِّحُونَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ" (غافر:٧) الْآيَةَ. وَقَالَ: "وَيَحْمِلُ عَرْشَ رَبِّكَ فَوْقَهُمْ يَوْمَئِذٍ ثَمٰنِيَةٌ" (الحاقة:١٧)، وَقَالَ: "إِنَّ رَبَّكُمُ اللهُ الَّذِي خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ" (الأعراف:٥٤)، وَقَالَ: "اَللهُ الَّذِي رَفَعَ السَّمٰوٰتِ بِغَيْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ" (الرعد:٢)، وَقَالَ: "ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ" (الأعراف:٥٤). وَقَالَ: "وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهِ" (الأنعام:١٨) وَقَالَ: "يَخَافُونَ رَبَّهُمْ مِنْ فَوْقِهِمْ وَيَفْعَلُونَ مَا يُؤْمَرُونَ" (النحل:٥٠)، وَقَالَ: "إِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ" (فاطر:١٠)، إِلَى

سَائِرِ مَا وَرَدَ فِي هَذَا الْمَعْنَى، وَقَالَ: "أَأَمِنْتُمْ مَنْ فِي السَّمَاءِ" (الملک:١٦)، وَأَرَادَ مَنْ فَوْقَ السَّمَاءِ، كَمَا قَالَ: "وَلَأُصَلِّبَنَّكُمْ فِي جُذُوعِ النَّخْلِ" (طه:٧١)، يَعْنِي عَلَى جُذُوعِ النَّخْلِ، وَقَالَ: "فَسِيحُوا فِي الْأَرْضِ" (التوبة:٢)، يَعْنِي عَلَى الْأَرْضِ، وَكُلُّ مَا عَلَا فَهُوَ سَمَاءٌ، وَالْعَرْشُ أَعْلَى السَّمَاوَاتِ، فَمَعْنَى الْآيَةِ، وَاللَّهُ أَعْلَمُ: أَأَمِنْتُمْ مَنْ عَلَى الْعَرْشِ، كَمَا صَرَّحَ بِهِ فِي سَائِرِ الْآيَاتِ.

وَأَخْبَرَنَا أَبُو عَبْدِ اللَّهِ الْحَافِظُ، أَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ حَمْدَانَ، ثنا مُحَمَّدُ بْنُ غَالِبٍ، ثنا سَعْدُ بْنُ عَبْدِ الْحَمِيدِ بْنِ جَعْفَرٍ، ثنا فُلَيْحُ بْنُ سُلَيْمَانَ، عَنْ هِلَالِ بْنِ عَلِيٍّ، عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي حَدِيثٍ ذَكَرَهُ: فَإِنَّ فِي الْجَنَّةِ مِائَةَ دَرَجَةٍ أَعَدَّهَا اللَّهُ لِلْمُجَاهِدِينَ فِي سَبِيلِهِ مَا بَيْنَ كُلِّ دَرَجَتَيْنِ كَمَا بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ، فَإِذَا سَأَلْتُمُ اللَّهَ فَسَلُوهُ الْفِرْدَوْسَ، فَإِنَّهُ وَسَطُ الْجَنَّةِ وَأَعْلَى الْجَنَّةِ، وَفَوْقَهُ عَرْشُ الرَّحْمَنِ وَمِنْهُ تَتَفَجَّرُ أَنْهَارُ الْجَنَّةِ.

أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ الْحَافِظُ، ثنا أَبُو الْعَبَّاسِ مُحَمَّدُ بْنُ يَعْقُوبَ، ثنا مُحَمَّدُ بْنُ خَالِدِ بْنِ خَلِيٍّ، ثنا بِشْرُ بْنُ شُعَيْبِ بْنِ أَبِي حَمْزَةَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ أَبِي الزِّنَادِ، عَنِ الْأَعْرَجِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَمَّا قَضَى اللَّهُ الْخَلْقَ كَتَبَ فِي كِتَابٍ فَهُوَ عِنْدَهُ فَوْقَ الْعَرْشِ: إِنَّ رَحْمَتِي غَلَبَتْ غَضَبِي".

قَالَ الْأُسْتَاذُ الْإِمَامُ رَحِمَهُ اللَّهُ: وَالْأَخْبَارُ فِي مِثْلِ هَذَا كَثِيرَةٌ، وَفِيمَا كَتَبْنَا مِنَ الْآيَاتِ دَلَالَةٌ عَلَى إِبْطَالِ قَوْلِ مَنْ زَعَمَ مِنَ الْجَهْمِيَّةِ أَنَّ اللَّهَ سُبْحَانَهُ وَتَعَالَى بِذَاتِهِ فِي كُلِّ مَكَانٍ، وَقَوْلُهُ عَزَّ وَجَلَّ: "وَهُوَ مَعَكُمْ أَيْنَ مَا كُنْتُمْ" (الحدید:٤)، إِنَّمَا أَرَادَ بِهِ بِعِلْمِهِ لَا بِذَاتِهِ.

ثُمَّ الْمَذْهَبُ الصَّحِيحُ فِي جَمِيعِ ذَلِكَ الِاقْتِصَارُ عَلَى مَا وَرَدَ بِهِ التَّوْقِيفُ دُونَ التَّكْيِيفِ. وَإِلَى هَذَا ذَهَبَ الْمُتَقَدِّمُونَ مِنَ

أَصْحَابِنَا وَمَنْ تَبِعَهُمْ مِنَ الْمُتَأَخِّرِينَ وَقَالُوا: الِاسْتِوَاءُ عَلَى الْعَرْشِ قَدْ نَطَقَ بِهِ الْكِتَابُ فِي غَيْرِ آيَةٍ وَوَرَدَتْ بِهِ الْأَخْبَارُ الصَّحِيحَةُ، فَقَبُولُهُ مِنْ جِهَةِ التَّوْقِيفِ وَاجِبٌ وَالْبَحْثُ عَنْهُ وَطَلَبُ الْكَيْفِيَّةِ لَهُ غَيْرُ جَائِزٍ.

أَخْبَرَنَا أَبُو بَكْرٍ أَحْمَدُ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ الْحَارِثِ الْفَقِيهُ انا أَبُو مُحَمَّدِ بْنُ حَيَّانَ ثنا أَبُو جَعْفَرٍ أَحْمَدُ بْنُ زِيرَكَ الْيَزْدِيُّ قَالَ: سَمِعْتُ مُحَمَّدَ بْنَ عَمْرِو بْنِ النَّضْرِ النَّيْسَابُورِيَّ يَقُولُ: سَمِعْتُ يَحْيَى بْنَ يَحْيَى يَقُولُ: كُنَّا عِنْدَ مَالِكِ بْنِ أَنَسٍ فَجَاءَ رَجُلٌ فَقَالَ: يَا أَبَا عَبْدِ اللَّهِ! "الرَّحْمَنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوَى" (طه:٥). كَيْفَ اسْتَوَى؟ قَالَ: فَأَطْرَقَ مَالِكٌ رَأْسَهُ حَتَّى عَلَاهُ الرُّحَضَاءُ، ثُمَّ قَالَ: الِاسْتِوَاءُ غَيْرُ مَجْهُولٍ، وَالْكَيْفُ غَيْرُ مَعْقُولٍ، وَالْإِيمَانُ بِهِ وَاجِبٌ وَالسُّؤَالُ عَنْهُ بِدْعَةٌ، وَمَا أَرَاكَ إِلَّا مُبْتَدِعًا. فَأَمَرَ بِهِ أَنْ يُخْرَجَ.

قَالَ الشَّيْخُ: وَعَلَى مِثْلِ هَذَا دَرَجَ أَكْثَرُ عُلَمَائِنَا فِي مَسْأَلَةِ الِاسْتِوَاءِ وَفِي مَسْأَلَةِ الْمَجِيءِ وَالْإِتْيَانِ وَالنُّزُولِ. قَالَ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ: "وَجَاءَ رَبُّكَ وَالْمَلَكُ صَفًّا صَفًّا" (الفجر:٢٢). وَقَالَ: "هَلْ يَنْظُرُونَ إِلَّا أَنْ يَأْتِيَهُمُ اللَّهُ فِي ظُلَلٍ مِنَ الْغَمَامِ" (البقرة:٢١٠).

أَخْبَرَنَا عَلِيُّ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ بِشْرَانَ، ثنا أَحْمَدُ بْنُ سَلْمَانَ، قَالَ: قُرِئَ عَلَى سُلَيْمَانَ بْنِ الْأَشْعَثِ، وَأَخْبَرَنَا أَبُو عَلِيٍّ الرُّوذْبَارِيُّ، انا أَبُو بَكْرِ بْنُ دَاسَةَ، ثنا أَبُو دَاوُدَ، ثنا الْقَعْنَبِيُّ، عَنْ مَالِكٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ، وَعَنْ أَبِي عَبْدِ اللَّهِ الْأَغَرِّ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "يَنْزِلُ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ كُلَّ لَيْلَةٍ إِلَى سَمَاءِ الدُّنْيَا حِينَ يَبْقَى ثُلُثُ اللَّيْلِ الْآخِرِ فَيَقُولُ: مَنْ يَدْعُونِي فَأَسْتَجِيبَ لَهُ، مَنْ يَسْأَلُنِي فَأُعْطِيَهُ، مَنْ يَسْتَغْفِرُنِي فَأَغْفِرَ لَهُ".

قَالَ رَحِمَهُ اللهُ: وَهٰذَا حَدِيثٌ صَحِيحٌ رَوَاهُ جَمَاعَةٌ مِنَ الصَّحَابَةِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. وَأَصْحَابُ الْحَدِيثِ فِيمَا وَرَدَ بِهِ الْكِتَابُ وَالسُّنَّةُ مِنْ أَمْثَالِ هٰذَا. وَلَمْ يَتَكَلَّمْ أَحَدٌ مِنَ الصَّحَابَةِ وَالتَّابِعِينَ فِي تَأْوِيلِهِ، ثُمَّ إِنَّهُمْ عَلَى قِسْمَيْنِ: مِنْهُمْ مَنْ قَبِلَهُ وَآمَنَ بِهِ وَلَمْ يُؤَوِّلْهُ وَوَكَلَ عِلْمَهُ إِلَى اللهِ وَنَفَى الْكَيْفِيَّةَ وَالتَّشْبِيهَ عَنْهُ وَمِنْهُمْ مَنْ قَبِلَهُ وَآمَنَ بِهِ وَحَمَلَهُ عَلَى وَجْهٍ يَصِحُّ اسْتِعْمَالُهُ فِي اللُّغَةِ وَلَا يُنَاقِضُ التَّوْحِيدَ وَقَدْ ذَكَرْنَا هَاتَيْنِ الطَّرِيقَتَيْنِ فِي كِتَابِ الْأَسْمَاءِ وَالصِّفَاتِ فِي الْمَسَائِلِ الَّتِي تَكَلَّمُوا فِيهَا مِنْ هٰذَا الْبَابِ.

وَفِي الْجُمْلَةِ يَجِبُ أَنْ يُعْلَمَ أَنَّ اسْتِوَاءَ اللهِ سُبْحَانَهُ وَتَعَالَى لَيْسَ بِاسْتِوَاءِ اعْتِدَالٍ عَنِ اعْوِجَاجٍ وَلَا اسْتِقْرَارٍ فِي مَكَانٍ، وَلَا مُمَاسَّةٍ لِشَيْءٍ مِنْ خَلْقِهِ، لٰكِنَّهُ مُسْتَوٍ عَلَى عَرْشِهِ كَمَا أَخْبَرَ بِلَا كَيْفٍ بِلَا أَيْنَ، بَائِنٌ مِنْ جَمِيعِ خَلْقِهِ، وَأَنَّ إِتْيَانَهُ لَيْسَ بِإِتْيَانٍ مِنْ مَكَانٍ إِلَى مَكَانٍ، وَأَنَّ مَجِيئَهُ لَيْسَ بِحَرَكَةٍ. وَأَنَّ نُزُولَهُ لَيْسَ بِنَقْلَةٍ. وَأَنَّ نَفْسَهُ لَيْسَ بِجِسْمٍ، وَأَنَّ وَجْهَهُ لَيْسَ بِصُورَةٍ، وَأَنَّ يَدَهُ لَيْسَتْ بِجَارِحَةٍ، وَأَنَّ عَيْنَهُ لَيْسَتْ بِحَدَقَةٍ. وَإِنَّمَا هٰذِهِ أَوْصَافٌ جَاءَ بِهَا التَّوْقِيفُ. فَقُلْنَا بِهَا وَنَفَيْنَا عَنْهَا التَّكْيِيفَ. فَقَدْ قَالَ: "لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ" (الشورى: ۱۱). وَقَالَ: "وَلَمْ يَكُنْ لَهُ كُفُوًا أَحَدٌ" (الإخلاص: ۴). وَقَالَ: "هَلْ تَعْلَمُ لَهُ سَمِيًّا" (مريم: ۶۵).

أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللهِ الْحَافِظُ. أنا أَبُو بَكْرٍ مُحَمَّدُ بْنُ أَحْمَدَ بْنِ بَالَوَيْهِ. ثنا مُحَمَّدُ بْنُ بِشْرِ بْنِ مَطَرٍ. ثنا الْهَيْثَمُ بْنُ خَارِجَةَ. حَدَّثَنَا الْوَلِيدُ بْنُ مُسْلِمٍ. قَالَ: سُئِلَ الْأَوْزَاعِيُّ وَمَالِكٌ وَسُفْيَانُ الثَّوْرِيُّ وَاللَّيْثُ بْنُ سَعْدٍ عَنْ هٰذِهِ الْأَحَادِيثِ فَقَالُوا: أَمِرُّوهَا كَمَا جَاءَتْ بِلَا كَيْفِيَّةٍ.

أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللهِ الْحَافِظُ. أَخْبَرَنِي مُحَمَّدُ بْنُ يَزِيدَ، سَمِعْتُ أَبَا يَحْيَى الْبَزَّازَ. يَقُولُ: سَمِعْتُ الْعَبَّاسَ بْنَ حَمْزَةَ يَقُولُ: سَمِعْتُ أَحْمَدَ

بْنَ أَبِي الْحَوَارِي يَقُولُ: سَمِعْتُ سُفْيَانَ بْنَ عُيَيْنَةَ، يَقُولُ: كُلُّ مَا وَصَفَ اللّٰهُ مِنْ نَفْسِهِ فِي كِتَابِهِ فَتَفْسِيرُهُ تِلَاوَتُهُ وَالسُّكُوتُ عَلَيْهِ.

قَالَ الشَّيْخُ: وَإِنَّمَا أَرَادَ بِهِ، وَاللّٰهُ أَعْلَمُ، فِيمَا تَفْسِيرُهُ يُؤَدِّي إِلَى تَكْيِيفٍ، وَتَكْيِيفُهُ يَقْتَضِي تَشْبِيهًا لَهُ بِخَلْقِهِ فِي أَوْصَافِ الْحَدَثِ.

(الاعتقاد والهداية إلى سبيل الرشاد على مذهب السلف وأصحاب الحديث ج ۱ ص ۱۱۲ تا ۱۱۶ - المؤلف: أحمد بن الحسين بن علي بن موسى الخسروجردي الخراساني، أبو بكر البيهقي رحمه اللہ (المتوفى ۴۵۸ھ) - المحقق: أحمد عصام الكاتب - الناشر: دار الآفاق الجديدة، بيروت - الطبعة: الأولى ۱۴۰۱ھ)

ترجمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

آیت ۱ اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰی. (سورت طٰہٰ: ۵)

ترجمہ وہ بڑی رحمت والا عرش پر استوا فرمائے ہوئے ہے۔

عرش کے بارے میں کئی آیات ہیں۔

فرمان باری تعالیٰ ہے:

آیت ۲ وَكَانَ عَرْشُهُ عَلَى الْمَاءِ. (هود: ۷)

ترجمہ اور اس کا عرش پانی پر تھا۔

آیت ۳ وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ. (التوبة: ۱۲۹)

ترجمہ اور وہ عرش عظیم کا مالک ہے۔

آیت ۴ ذُو الْعَرْشِ الْمَجِيدُ. (البروج: ۱۵)

ترجمہ عرش کا مالک ہے بزرگی والا ہے۔

آیت ۵ وَتَرَى الْمَلَائِكَةَ حَافِّينَ مِنْ حَوْلِ الْعَرْشِ. (الزمر: ۷۵)

ترجمہ اور تم فرشتوں کو دیکھو گے کہ عرش کے گرد حلقہ بنائے ہوئے ہیں۔

آیت ۶ اَلَّذِينَ يَحْمِلُونَ الْعَرْشَ وَمَنْ حَوْلَهُ يُسَبِّحُونَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ. (غافر: ۷)

ترجمہ وہ (فرشتے) جو عرش کو اٹھائے ہوئے ہیں، اور جو اس کے ارد گرد موجود ہیں، وہ سب اپنے پروردگار کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کرتے ہیں۔

آیت ۷ إِنَّ رَبَّكُمُ اللَّهُ الَّذِي خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوَىٰ عَلَى الْعَرْشِ (الاعراف:۵۴)

ترجمہ بیشک تمہارا پروردگار وہ اللہ ہے جس نے سارے آسمان و زمین چھ دن میں بنائے۔ پھر اس نے عرش پر استوا فرمایا۔

آیت ۸ اَللّٰهُ الَّذِي رَفَعَ السَّمَاوَاتِ بِغَيْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا ثُمَّ اسْتَوَىٰ عَلَى الْعَرْشِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ كُلٌّ يَجْرِي لِأَجَلٍ مُسَمًّى يُدَبِّرُ الْأَمْرَ يُفَصِّلُ الْآيَاتِ لَعَلَّكُمْ بِلِقَاءِ رَبِّكُمْ تُوقِنُونَ (الرعد:۲)

ترجمہ اللہ وہ ہے جس نے آسمانوں کو ایسے ستونوں کے بغیر بلند کیا جو تمہیں نظر آسکیں۔ پھر اس نے عرش پر استوا فرمایا، اور سورج اور چاند کو کام پر لگایا۔ ہر چیز ایک معین میعاد تک کے لیے رواں دواں ہے۔ وہی تمام کاموں کی تدبیر کرتا ہے۔ وہی ان نشانیوں کو تفصیل سے بیان کرتا ہے تاکہ تم اس بات کا یقین کرلو کہ (ایک دن) تمہیں اپنے پروردگار سے جاملنا ہے۔

آیت ۹ ثُمَّ اسْتَوَىٰ عَلَى الْعَرْشِ. (الاعراف:۵۴)

ترجمہ پھر اس نے عرش پر استوا فرمایا۔

آیت ۱۰ وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهِ (الانعام:۱۸، ۶۱)

ترجمہ وہی اپنے بندوں پر مکمل قدرت رکھتا ہے۔

آیت ۱۱ يَخَافُونَ رَبَّهُمْ مِنْ فَوْقِهِمْ وَيَفْعَلُونَ مَا يُؤْمَرُونَ. (النحل:۵۰)

ترجمہ وہ اپنے اس پروردگار سے ڈرتے ہیں جو ان کے اوپر ہے، اور وہی کام کرتے ہیں جس کا انہیں حکم دیا جاتا ہے۔

آیت ۱۲ إِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ وَالْعَمَلُ الصَّالِحُ يَرْفَعُهُ. (فاطر:۱۰)

ترجمہ پاکیزہ کلمہ اسی کی طرف چڑھتا ہے، اور نیک عمل اس کو اوپر اٹھاتا ہے۔
اور روحیں بھی اللہ تعالیٰ کی طرف جاتی ہیں۔

آیت ۱۳ أَأَمِنْتُمْ مَنْ فِي السَّمَاءِ أَنْ يَخْسِفَ بِكُمُ الْأَرْضَ فَإِذَا هِيَ تَمُورُ.
(الملک:۱۶)

اور جو آیات ہم نے اوپر ذکر کی ہیں وہ جہمیہ کے اس عقیدہ کے باطل کرنے کے لیے کافی ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنی ذات کے ساتھ ہر مکان اور جگہ میں موجود ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان:

آیت ۱۶ **وَهُوَ مَعَكُمْ أَيْنَ مَا كُنْتُمْ۔** (الحدید: ۴)

ترجمہ: وہ اللہ تمہارے ہی ساتھ ہے جہاں کہیں بھی تم ہو۔

میں اللہ تعالیٰ کا علم مراد ہے نہ کہ اس کی ذات۔

۲۔ پھر اس بارے میں صحیح مذہب یہ ہے کہ اس بارے میں توقیف کا طریقہ اختیار کیا جائے اور تکییف کو یعنی کیفیت کے بیان کرنے کو۔ اسی مذہب کی طرف ہمارے اصحاب میں سے متقدمین اور ان کی پیروی کرنے والے متاخرین گئے ہیں۔ ان کا فرمان یہ ہے: استواء علی العرش کے بارے میں کتاب اللہ کی بہت سی آیات اور بہت سی احادیث صحیحہ وارد ہوئی ہیں۔ جن کو توقیف کے لحاظ سے ماننا واجب ہے اور اس بارے میں بحث و تفتیش کرنا اور اس کی کیفیت کے درپے ہونا جائز نہیں ہے۔

حضرت امام بیہقیؒ نے اپنی سند سے بیان کیا ہے کہ حضرت یحییٰ بن یحییٰ فرماتے تھے کہ ہم حضرت امام مالکؒ کے پاس تھے کہ ایک شخص آیا تو اس نے کہا: اے ابوعبداللہ! قرآن مجید میں ہے: **اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى** (طٰہٰ: ۵) (وہ بڑی رحمت والا عرش پر استواء فرمائے ہوئے ہے)۔ حق تعالیٰ عرش پر کیسے مستوی ہے؟ اور اس کا استواء کیسا ہے؟ تو حضرت امام مالکؒ نے (حق تعالیٰ کی عظمت اور ہیبت کی بنا پر) سر نیچے جھکا لیا اور خوف سے پسینہ پسینہ ہو گئے۔ پھر فرمایا: "استواء مجہول نہیں ہے اور کیفیت غیر معقول (سمجھ میں نہ آنے والی) ہے اور اس پر ایمان لانا واجب ہے اور اس بارے میں سوال کرنا بدعت ہے اور اے سائل تو بڑا ہی برا آدمی اور بدعتی شخص ہے۔" پھر اپنے اصحاب سے فرمایا: "اس کو یہاں سے نکال دو۔"

حضرت شیخ علامہ محققؒ فرماتے ہیں: ان قواعد سے ہمارے اکثر علمائے کرام نے مسئلہ استواء علی العرش کو بیان کیا ہے۔ اسی طرح مسئلہ نزول باری تعالیٰ اور مسئلہ آمد باری تعالیٰ کو بیان کیا ہے۔ فرمان باری تعالیٰ ہے:

1. بعض حضرات ان کو حق اور سچ جان کر ایمان لائے، اور ان کی کسی بھی قسم کی تفسیر بیان نہیں کی ہے اور اس کا علم اللہ تعالی کی ذات کے سپرد کرتے ہیں اور اللہ تعالی کی ذات سے کیفیت اور تشبیہ کی کامل طور پر نفی کرتے ہیں۔
2. کچھ حضرات وہ ہیں جو ان آیات و احادیث صفات کو قبول کر کے ان پر ایمان لائے ہیں اور ان کو ایسے معانی پر محمول کرتے ہیں جن کا استعمال لغت عرب کے مطابق درست اور صحیح ہو اور وہ توحید باری کے بھی منافی نہ ہوں۔

ہم نے اپنی کتاب "الاسماء والصفات" میں ان دونوں طریقوں کے مطابق ان آیات و احادیث صفات کے معانی بیان کیے ہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ یہ جاننا واجب ہے کہ عرش پر اللہ تعالی کا استواء اعتدال کے ساتھ بیٹھنے کا نہیں ہے، نہ کسی مکان یا جگہ میں قرار پکڑنے کا ہے، نہ اپنی مخلوق میں سے کسی بھی چیز سے مماست (چھونے) کا ہے۔ لیکن یہ استواء عرش پر ایسا ہے جیسا کہ اس نے خبر دی ہے، بغیر کیف (کیفیت) کے بغیر این (جگہ) کے تمام مخلوق سے جدا۔

اللہ تعالی کا آنا ایسا نہیں ہے جیسے کہ ایک مکان سے دوسرے مکان میں آنا ہوتا ہے۔ اللہ تعالی کا آنا حرکت کے ساتھ نہیں ہے۔

اللہ تعالی کا نزول حرکت و انتقال والا نہیں ہے۔ اللہ تعالی کی ذات جسم نہیں ہے۔ اللہ تعالی کا چہرہ شکل و صورت والا نہیں ہے۔ اللہ تعالی کے ہاتھ اعضائے جارحہ نہیں ہیں۔ اللہ تعالی کی آنکھ حلقہ اور عدسہ والی نہیں ہے۔ یہ اللہ تعالی کی صفات ہیں جن میں تفویض و توقیف کا عقیدہ رکھنا ہے۔ ہم نے ان آیت و احادیث کو پڑھا اور اللہ تعالی سے کیف (کیفیت) کی نفی کا عقیدہ رکھا۔ اللہ تعالی کا فرمان ہے:

آیت ۱۹ لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ ۚ وَهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ (الشوری: ۱۱)

ترجمہ: کوئی چیز اس کے مثل نہیں ہے، اور وہی ہے جو ہر بات سنتا، سب کچھ دیکھتا ہے۔

آیت ۲۰ قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ. اللَّهُ الصَّمَدُ. لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُولَدْ. وَلَمْ يَكُن لَّهُ كُفُوًا أَحَدٌ. (سورت اخلاص: ۱تا۴)

ترجمہ: کہہ دو: "بات یہ ہے کہ اللہ ہر لحاظ سے ایک ہے، اللہ ہی ایسا ہے کہ سب اس کے محتاج ہیں، وہ کسی کا محتاج نہیں۔ نہ اس کی کوئی اولاد ہے، اور نہ وہ کسی کی اولاد ہے۔ اور اس کے جوڑ کا کوئی بھی نہیں"۔

۲۱ هَلْ تَعْلَمُ لَهُ سَمِيًّا (مریم: ۶۵)

ترجمہ: کیا تمہارے علم میں کوئی اور ہے جو اس جیسی صفات رکھتا ہو؟

حضرات امام اوزاعی، امام مالک، سفیان ثوری اور لیث بن سعد سے ان احادیث جن میں بظاہر تشبیہ معلوم ہوتی ہے، کے بارے میں پوچھا گیا۔ تو انہوں نے فرمایا: ان کو ایسے ہی بلا کیفیت جیسے وارد ہوئی ہیں بیان کرو۔

شیخ حضرت سفیان بن عیینہ تابعی نے جو فرمایا: اللہ تعالیٰ نے جن صفات سے خود کو متصف کیا ہے۔ ان کی "تفسیر" ان کو پڑھنا ہی ہے۔ ان کے متعلق کچھ کہنے سے سکوت ہی اس کی تفسیر ہے۔

حضرت شیخ علامہ بیہقیؒ فرماتے ہیں: اس سے مراد وہ صفات ہیں جن کی تفسیر بیان کرنے سے ان کی کیفیت بیان ہوتی ہو، کیفیت بیان کرنے سے ان کی مخلوق کے ساتھ تشبیہ لازم آتی ہے، جس سے حدوث ثابت ہوتا ہے۔

تشریح: امام بیہقیؒ کہتے ہیں یہ محتمل نقص وکمال اور موہم تشبیہ صفات کا حکم ہے۔۔۔۔۔ اور جن صفات کی تفسیر سے تشبیہ لازم نہیں آتی، ان کی تفسیر درست اور جائز ہے۔ تلاوت پر اکتفاء ضروری نہیں ہے۔ امام بیہقیؒ نے یہ بھی بتا دیا کہ مخلوق کے ساتھ ایسی تشبیہ جس سے اللہ تعالیٰ کے لیے حدوث ثابت ہوتا ہے، یہ ممنوع ہے اور اس سے اجتناب لازم ہے۔

4 کتاب الاسماء والصفات میں استواء علی العرش کی تحقیق

1 آیاتِ استواء علی العرش

آیت 1 إِنَّ رَبَّكُمُ اللَّهُ الَّذِي خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوَىٰ عَلَى الْعَرْشِ يُغْشِي اللَّيْلَ النَّهَارَ يَطْلُبُهُ حَثِيثًا وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُومَ مُسَخَّرَاتٍ بِأَمْرِهِ ۗ أَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْأَمْرُ ۗ تَبَارَكَ اللَّهُ رَبُّ الْعَالَمِينَ

ترجمہ: یقیناً تمہارا پروردگار وہ اللہ ہے جس نے سب آسمانوں اور زمین کو چھ دن میں پیدا کیا، پھر اس نے عرش پر استواء فرمایا۔ وہ دن کو رات کی چادر اوڑھا دیتا ہے، جو تیزی سے چلتی ہوئی اس کو آ دبوچتی ہے۔ اور اس نے سورج اور چاند اور تارے پیدا کیے جو سب اس کے حکم کے آگے مسخر ہیں۔ یاد رکھو کہ پیدا کرنا اور حکم دینا سب اسی کا کام ہے۔ بڑی برکت والا ہے اللہ جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے۔

آیت 2 إِنَّ رَبَّكُمُ اللَّهُ الَّذِي خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوَىٰ عَلَى الْعَرْشِ ۖ يُدَبِّرُ الْأَمْرَ ۖ مَا مِن شَفِيعٍ إِلَّا مِن بَعْدِ إِذْنِهِ ۚ ذَٰلِكُمُ اللَّهُ رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوهُ ۚ أَفَلَا تَذَكَّرُونَ

ترجمہ: حقیقت یہ ہے کہ تمہارا پروردگار وہ اللہ ہے جس نے سارے آسمانوں اور زمین کو چھ دن میں پیدا کیا، پھر اس نے عرش پر اس طرح استواء فرمایا کہ وہ ہر چیز کا انتظام کرتا ہے۔ کوئی اس کی اجازت کے بغیر (اس کے سامنے کسی کی) سفارش کرنے والا نہیں۔ وہی اللہ ہے تمہارا پروردگار، لہٰذا اس کی عبادت کرو۔ کیا پھر بھی تم دھیان نہیں دیتے؟

آیت 3 اللَّهُ الَّذِي رَفَعَ السَّمَاوَاتِ بِغَيْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا ۖ ثُمَّ اسْتَوَىٰ عَلَى الْعَرْشِ ۖ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ۖ كُلٌّ يَجْرِي لِأَجَلٍ مُّسَمًّى ۚ يُدَبِّرُ الْأَمْرَ

4 أَخْبَرَنَا أَبُو عَبْدِ اللهِ الْحَافِظُ، أَخْبَرَنِي أَحْمَدُ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ إِسْمَاعِيلَ بْنِ مِهْرَانَ، ثنا أَبِي، حَدَّثَنَا أَبُو الرَّبِيعِ ابْنُ أَخِي رِشْدِينَ بْنِ سَعْدٍ قَالَ: سَمِعْتُ عَبْدَ اللهِ بْنَ وَهْبٍ يَقُولُ: كُنَّا عِنْدَ مَالِكِ بْنِ أَنَسٍ فَدَخَلَ رَجُلٌ فَقَالَ: يَا أَبَا عَبْدِ اللهِ! "اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى" (طه:٥). كَيْفَ اسْتِوَاؤُهُ؟ قَالَ: فَأَطْرَقَ مَالِكٌ وَأَخَذَتْهُ الرُّحَضَاءُ ثُمَّ رَفَعَ رَأْسَهُ فَقَالَ: "اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى" (طه:٥) كَمَا وَصَفَ نَفْسَهُ وَلَا يُقَالُ: كَيْفَ، وَكَيْفَ عَنْهُ مَرْفُوعٌ، وَأَنْتَ رَجُلُ سُوءٍ صَاحِبُ بِدْعَةٍ، أَخْرِجُوهُ. قَالَ: فَأُخْرِجَ الرَّجُلُ.

(کتاب الاسماء والصفات رقم ۸۶۶ صحیح جید)

ترجمہ: حضرت امام بیہقیؒ نے سند جید کے ساتھ بیان کیا ہے (جیسا کہ حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری میں بیان کیا ہے) کہ حضرت عبداللہ بن وہبؒ فرماتے ہیں کہ ہم لوگ حضرت امام مالکؒ کے پاس موجود تھے۔ پھر ایک شخص آیا تو اس نے کہا: اے ابو عبداللہ! قرآن مجید میں ہے: اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى (سورت طٰہٰ:۵) (وہ بڑی رحمت والا عرش پر استوا فرمائے ہوئے ہے)۔ حق تعالیٰ عرش پر کیسے مستوی ہیں؟ اور ان کا استوا کیسا ہے؟" تو حضرت امام مالکؒ نے (حق تعالیٰ کی عظمت اور ہیبت کی بنا پر) سر نیچے جھکا لیا اور خوف سے پسینہ پسینہ ہو گئے۔ پھر سر اٹھایا اور فرمایا: "وہ بڑی رحمت والا عرش پر استوا فرمائے ہوئے ہے جیسا کہ خود اس نے اپنی اس صفت کو بیان کیا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی ذات کے بارے میں "کیف" (کیفیت) کا سوال نہیں کیا جا سکتا۔ اور کیف (کیفیت) تو اللہ تعالیٰ کی ذات سے مرفوع ہے۔ اے شخص! تو بلاشبہ ایک برا آدمی اور بدعتی شخص ہے"۔ پھر آپ نے حاضرین سے فرمایا: "اس کو یہاں سے نکال دو۔" اس شخص کو وہاں سے نکال دیا گیا۔

5 أَخْبَرَنَا أَبُو بَكْرٍ أَحْمَدُ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ الْحَارِثِ الْفَقِيهُ الْأَصْفَهَانِيُّ أَنَا أَبُو مُحَمَّدٍ عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ جَعْفَرِ بْنِ حَيَّانَ الْمَعْرُوفُ بِأَبِي الشَّيْخِ ثنا أَبُو جَعْفَرٍ أَحْمَدُ بْنُ زِيرَكَ الْيَزْدِيُّ سَمِعْتُ مُحَمَّدَ بْنَ عَمْرِو بْنِ

النَّضْرِ النَّيْسَابُورِيَّ يَقُولُ: سَمِعْتُ يَحْيَى بْنَ يَحْيَى يَقُولُ: كُنَّا عِنْدَ مَالِكِ بْنِ أَنَسٍ فَجَاءَ رَجُلٌ فَقَالَ: يَا أَبَا عَبْدِ اللهِ! "اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى" (طه:٥). فَكَيْفَ اسْتَوٰى؟ قَالَ: فَأَطْرَقَ مَالِكٌ بِرَأْسِهٖ حَتّٰى عَلَاهُ الرُّحَضَاءُ، ثُمَّ قَالَ: "الْاِسْتِوَاءُ غَيْرُ مَجْهُولٍ، وَالْكَيْفُ غَيْرُ مَعْقُولٍ، وَالْإِيْمَانُ بِهٖ وَاجِبٌ، وَالسُّؤَالُ عَنْهُ بِدْعَةٌ، وَمَا أَرَاكَ إِلَّا مُبْتَدِعًا" فَأَمَرَ بِهٖ أَنْ يُخْرَجَ (کتاب الاسماء والصفات رقم ۸۶۷ طبع جدید)

ترجمہ: حضرت یحییٰ بن یحییٰؒ فرماتے ہیں کہ ہم لوگ حضرت امام مالکؒ کے پاس موجود تھے پھر ایک شخص آیا تو اس نے کہا: اے ابو عبداللہ! قرآن مجید میں ہے: اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى (سورت طٰہٰ:۵) (وہ بڑی رحمت والا عرش پر استواء فرمائے ہوئے ہے)۔ حق تعالیٰ کا عرش پر استواء کیسے ہے؟ تو حضرت امام مالکؒ نے (حق تعالیٰ کی عظمت اور ہیبت کی بنا پر) سر نیچے جھکایا اور خوف سے پسینہ پسینہ ہو گئے۔ پھر سر اٹھایا اور فرمایا: "استواء تو مجہول نہیں ہے اور "کیف" (کیفیت) عقل میں نہیں آ سکتا اس پر ایمان لانا واجب ہے اور اس کے بارے میں سوال کرنا بدعت ہے اور میں تو تجھے بدعتی ہی خیال کرتا ہوں"۔ پھر اپنے اصحاب سے فرمایا: "اس کو یہاں سے نکال دو"۔

6 وَرُوِيَ فِي ذٰلِكَ أَيْضًا عَنْ رَبِيْعَةَ بْنِ أَبِيْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ أُسْتَاذِ مَالِكِ بْنِ أَنَسٍ رَضِيَ اللهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا۔

أَخْبَرَنَا أَبُوْ بَكْرِ بْنُ الْحَارِثِ، أنا أَبُو الشَّيْخِ، ثنا مُحَمَّدُ بْنُ أَحْمَدَ بْنِ مَعْدَانَ، ثنا أَحْمَدُ بْنُ مَهْدِيٍّ، ثنا مُوْسَى بْنُ خَاقَانَ، ثنا عَبْدُ اللهِ بْنُ صَالِحِ بْنِ مُسْلِمٍ، قَالَ: سُئِلَ رَبِيْعَةُ الرَّأْيُ عَنْ قَوْلِ اللهِ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى: اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى (طه:٥)، كَيْفَ اسْتَوٰى؟ قَالَ: "الْكَيْفُ مَجْهُوْلٌ، وَالْاِسْتِوَاءُ غَيْرُ مَعْقُوْلٍ، وَيَجِبُ عَلَيَّ وَعَلَيْكُمُ الْإِيْمَانُ بِذٰلِكَ كُلِّهٖ"۔ (کتاب الاسماء والصفات رقم ۸۶۸ طبع جدید)

ترجمہ: حضرت امام مالکؒ کے استاذ حضرت ربیعہ بن عبدالرحمنؒ سے اللہ تعالیٰ کے قول:

الرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى (سورۃ طٰہٰ: ۵) (وہ بڑی رحمت والا عرش پر استوا فرمائے ہوئے ہے) کے بارے میں سوال کیا گیا کہ اللہ تعالیٰ کا عرش پر کیسے استواء ہے؟ تو انہوں نے فرمایا: "کیف (کیفیت) مجہول ہے اور استواء معقول (عقل میں آنے والا) ہی ہے۔ میرے اور تمہارے لیے اس پر ایمان لانا واجب ہے۔"

7 أَخْبَرَنَا أَبُو عَبْدِ اللهِ الْحَافِظُ، أَخْبَرَنِي مُحَمَّدُ بْنُ يَزِيدَ، سَمِعْتُ أَبَا يَحْيَى الْبَزَّازَ يَقُولُ: سَمِعْتُ الْعَبَّاسَ بْنَ حَمْزَةَ يَقُولُ: سَمِعْتُ أَحْمَدَ بْنَ أَبِي الْحَوَارِيِّ يَقُولُ: سَمِعْتُ سُفْيَانَ بْنَ عُيَيْنَةَ يَقُولُ: كُلُّ مَا وَصَفَ اللهُ تَعَالَى مِنْ نَفْسِهِ فِي كِتَابِهِ فَتَفْسِيرُهُ تِلَاوَتُهُ وَالسُّكُوتُ عَلَيْهِ.

(کتاب الاسماء والصفات رقم ۸۶۹ طبع بیروت)

ترجمہ: حضرت سفیان بن عیینہ فرماتے ہیں: "ہر وہ صفت جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے اپنے بارے میں اپنی کتاب میں ذکر کیا ہے تو اس کی تفسیر و تشریح اس کی تلاوت کرنا ہی ہے اور اس کے بارے میں سکوت کرنا ہے۔"

8 أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللهِ الْحَافِظُ، قَالَ: هٰذِهِ نُسْخَةُ الْكِتَابِ الَّذِي أَمْلَاهُ الشَّيْخُ أَبُو بَكْرٍ أَحْمَدُ بْنُ إِسْحَاقَ بْنِ أَيُّوبَ فِي مَذْهَبِ أَهْلِ السُّنَّةِ فِيمَا جَرَى بَيْنَ مُحَمَّدِ بْنِ إِسْحَاقَ بْنِ خُزَيْمَةَ وَبَيْنَ أَصْحَابِهِ، فَذَكَرَهَا وَذَكَرَ فِيهَا: الرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى (طٰہٰ: ۵) بِلَا كَيْفٍ، وَالْآثَارُ عَنِ السَّلَفِ فِي مِثْلِ هٰذَا كَثِيرَةٌ.

(کتاب الاسماء والصفات ج ۲ ص ۳۰۸ رقم ۸۷۰ طبع مکتبہ السوادی للتوزیع جدہ)

ترجمہ: حضرت شیخ ابوبکر احمد بن ایوب نے اہل سنت کا مذہب بیان کرتے ہوئے اس مجلس میں جو حضرت محمد بن اسحٰق بن خزیمہ اور ان کے ساتھیوں کے درمیان ہوئی، اس میں یہ بات بھی فرمائی: اللہ تعالیٰ نے عرش پر بلا کیف استواء فرمایا ہے۔

9 اس بارے میں سلف سے بہت سے آثار مروی ہیں۔

1 وَعَلٰى هٰذِهِ الطَّرِيقِ يَدُلُّ مَذْهَبُ الشَّافِعِيِّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، وَإِلَيْهَا

ذَهَبَ أَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ وَالْحُسَيْنُ بْنُ الْفَضْلِ الْبَجَلِيُّ. وَمِنَ الْمُتَأَخِّرِينَ أَبُو سُلَيْمَانَ الْخَطَّابِيُّ.

۲ وَذَهَبَ أَبُو الْحَسَنِ عَلِيُّ بْنُ إِسْمَاعِيلَ الْأَشْعَرِيُّ إِلَى أَنَّ اللهَ تَعَالَى جَلَّ ثَنَاؤُهُ فَعَلَ فِي الْعَرْشِ فِعْلًا سَمَّاهُ اسْتِوَاءً، كَمَا فَعَلَ فِي غَيْرِهِ فِعْلًا سَمَّاهُ رِزْقًا أَوْ نِعْمَةً أَوْ غَيْرَهُمَا مِنْ أَفْعَالِهِ. ثُمَّ لَمْ يُكَيِّفِ الْاِسْتِوَاءَ إِلَّا أَنَّهُ جَعَلَهُ مِنْ صِفَاتِ الْفِعْلِ لِقَوْلِهِ: "اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى" (طه:٥) وَثُمَّ لِلتَّرَاخِي وَالتَّرَاخِي إِنَّمَا يَكُونُ فِي الْأَفْعَالِ، وَأَفْعَالُ اللهِ تَعَالَى تُوجَدُ بِلَا مُبَاشَرَةٍ مِنْهُ إِيَّاهَا وَلَا حَرَكَةٍ

۳ وَذَهَبَ أَبُو الْحَسَنِ عَلِيُّ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ مَهْدِيٍّ الطَّبَرِيُّ فِي آخَرِينَ مِنْ أَهْلِ النَّظَرِ إِلَى أَنَّ اللهَ تَعَالَى فِي السَّمَاءِ فَوْقَ كُلِّ شَيْءٍ مُسْتَوٍ عَلَى عَرْشِهِ بِمَعْنَى أَنَّهُ عَالٍ عَلَيْهِ، وَمَعْنَى الْاِسْتِوَاءِ: الْاِعْتِلَاءُ، كَمَا يَقُولُ: اسْتَوَيْتُ عَلَى ظَهْرِ الدَّابَّةِ، وَاسْتَوَيْتُ عَلَى السَّطْحِ بِمَعْنَى عَلَوْتُهُ وَاسْتَوَتِ الشَّمْسُ عَلَى رَأْسِي وَاسْتَوَى الطَّيْرُ عَلَى قِمَّةِ رَأْسِي بِمَعْنَى عَلَا فِي الْجَوِّ فَوُجِدَ فَوْقَ رَأْسِي.

۴ وَالْقَدِيمُ سُبْحَانَهُ عَالٍ عَلَى عَرْشِهِ لَا قَاعِدٌ وَلَا قَائِمٌ وَلَا مُمَاسٌّ وَلَا مُبَايِنٌ عَنِ الْعَرْشِ يُرِيدُ بِهِ: مُبَايَنَةَ الذَّاتِ الَّتِي هِيَ بِمَعْنَى الْاِعْتِزَالِ أَوِ التَّبَاعُدِ، لِأَنَّ الْمُمَاسَّةَ وَالْمُبَايَنَةَ الَّتِي هِيَ ضِدُّهَا، وَالْقِيَامُ وَالْقُعُودُ مِنْ أَوْصَافِ الْأَجْسَامِ. وَاللهُ عَزَّ وَجَلَّ أَحَدٌ صَمَدٌ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُولَدْ وَلَمْ يَكُنْ لَهُ كُفُوًا أَحَدٌ. فَلَا يَجُوزُ عَلَيْهِ مَا يَجُوزُ عَلَى الْأَجْسَامِ تَبَارَكَ وَتَعَالَى.

۵ وَحَكَى الْأُسْتَاذُ أَبُو بَكْرِ بْنُ فُورَكٍ هٰذِهِ الطَّرِيقَةَ عَنْ بَعْضِ أَصْحَابِنَا أَنَّهُ قَالَ: اسْتَوَى بِمَعْنَى: عَلَا. ثُمَّ قَالَ: وَلَا يُرِيدُ بِذٰلِكَ عُلُوًّا بِالْمَسَافَةِ وَالتَّحَيُّزِ وَالْكَوْنِ فِي مَكَانٍ مُتَمَكِّنًا فِيهِ، وَلٰكِنْ يُرِيدُ مَعْنَى قَوْلِ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ: "ءَاَمِنْتُمْ مَّنْ فِي السَّمَاءِ" (الملك:١٦) أَيْ: مَنْ

فَوْقَهَا عَلَى مَعْنَى نَفْيِ الْحَدِّ عَنْهُ، وَأَنَّهُ لَيْسَ مِمَّا يَحْوِيهِ طَبَقٌ أَوْ يُحِيطُ بِهِ قُطْرٌ. وَوَصَفَ اللَّهُ سُبْحَانَهُ وَتَعَالَى بِذَلِكَ بِطَرِيقَةِ الْخَبَرِ. فَلَا نَتَعَدَّى مَا وَرَدَ بِهِ الْخَبَرُ.

٣ قُلْتُ: وَهُوَ عَلَى هَذِهِ الطَّرِيقَةِ مِنْ صِفَاتِ الذَّاتِ، وَكَلِمَةُ ثُمَّ تَعَلَّقَتْ بِالْمُسْتَوَى عَلَيْهِ لَا بِالِاسْتِوَاءِ، وَهُوَ كَقَوْلِهِ: ثُمَّ اللَّهُ شَهِيدٌ عَلَى مَا يَفْعَلُونَ (یونس:٤٦) يَعْنِي: ثُمَّ يَكُونُ عَمَلُهُمْ فَيَشْهَدُهُ.

٤ وَقَدْ أَشَارَ أَبُو الْحَسَنِ عَلِيُّ بْنُ إِسْمَاعِيلَ إِلَى هَذِهِ الطَّرِيقَةِ حِكَايَةً، فَقَالَ: وَقَالَ بَعْضُ أَصْحَابِنَا: إِنَّهُ صِفَةُ ذَاتٍ، وَلَا يُقَالُ: لَمْ يَزَلْ مُسْتَوِيًا عَلَى عَرْشِهِ، كَمَا أَنَّ الْعِلْمَ بِأَنَّ الْأَشْيَاءَ قَدْ حَدَثَتْ مِنْ صِفَاتِ الذَّاتِ، وَلَا يُقَالُ: لَمْ يَزَلْ عَالِمًا بِأَنْ قَدْ حَدَثَتْ، وَلَمَّا حَدَثَتْ بَعْدُ.

٥ قَالَ: وَجَوَابِي هُوَ الْأَوَّلُ، وَهُوَ أَنَّ اللَّهَ مُسْتَوٍ عَلَى عَرْشِهِ وَأَنَّهُ فَوْقَ الْأَشْيَاءِ بَائِنٌ مِنْهَا، بِمَعْنَى أَنَّهَا لَا تَحُلُّهُ وَلَا يَحُلُّهَا، وَلَا يَمَسُّهَا وَلَا يُشْبِهُهَا، وَلَيْسَتِ الْبَيْنُونَةُ بِالْعُزْلَةِ. تَعَالَى اللَّهُ رَبُّنَا عَنِ الْحُلُولِ وَالْمُمَاسَّةِ عُلُوًّا كَبِيرًا.

(کتاب الاسماء والصفات ج ۲ ص ۳۰۸، ۳۰۹ تحت رقم ۸۷۴ طبع جدید)

ترجمہ: حضرت امام بیہقی فرماتے ہیں:

۱ اسی طریق کے مطابق حضرت امام شافعی کا مذہب بھی ہے۔ اسی طرف حضرت امام احمد بن حنبل اور حضرت حسین بن فضل بجلی اور متاخرین میں سے امام ابو سلیمان خطابی بھی گئے ہیں۔

۲ حضرت امام ابو الحسن علی بن اسماعیل اشعری فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے عرش میں ایک ایسا فعل کیا جس کو استواء کا نام دیا، جیسا کہ اس نے اس کے علاوہ بھی افعال سر انجام دیئے جن کو رزق، نعمت وغیرہ کا نام دیا ہے۔ پھر صفت استواء کی کیفیت بیان نہیں کی سوائے اس کے کہ اس کو صفات فعل میں سے قرار دیا جیسے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

"اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى." (طٰهٰ:۵)

ترجمہ: وہ بڑی رحمت والا عرش پر استواء فرمائے ہوئے ہے۔

"ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ" میں لفظ "ثُمَّ" تراخی (تاخیر) کے لیے آتا ہے۔ تراخی تو افعال میں ہی ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے افعال تو بغیر کسی چیز کے چھونے اور بغیر حرکت کے ہوتے ہیں۔

۳ اہل علم و نظر میں سے حضرت ابوالحسن علی بن محمد بن مہدی طبری فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ آسمان میں ہر چیز کے اوپر عرش پر مستوی ہیں۔ اس معنی کے لحاظ سے کہ وہ ہر چیز سے عالی ہیں۔ استواء کا معنی عالی (بلند) ہوتا ہے۔ جیسا کہ کوئی کہے: میں سواری کی پشت پر سوار ہوا۔ میں مکان کی چھت پر چڑھا۔ اس کا معنی ہوتا ہے: میں بلندی پر چڑھا۔ سورج میرے سر پر بلند ہوا۔ پرندہ میرے سر کی چوٹی پر بلند ہوا۔ یعنی فضا میں بلند ہوا تو وہ میرے سر کے اوپر پایا گیا۔

۴ اللہ تعالیٰ کی قدیم ذات عرش سے بہت بلند ہے۔ وہ عرش پر متمکن ہے نہ عرش کو چھوتا ہے، نہ اس کو چھو رہی ہے، نہ عرش سے جدا ہے۔ مباینت کا معنی ذات کی جدائی اور دوری ہے، وہ الگ ہونے اور دور ہونے کے معنی میں ہے۔ اس لیے کہ مماست (چھونا) اور مباینت (جدا ہونا) دونوں اضداد میں سے ہیں۔ اسی طرح قیام اور قعود تو اجسام کی صفات ہیں۔ "اللہ تعالیٰ کی ذات ہر لحاظ سے ایک ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات ایسی ہے کہ سب اس کے محتاج ہیں، وہ کسی کا محتاج نہیں۔ نہ اس کی کوئی اولاد ہے اور نہ وہ کسی کی اولاد ہے۔ اور اس کے جوڑ کا کوئی بھی نہیں۔" جو صفات اجسام کی ہیں اللہ تعالیٰ پر ان کا اطلاق جائز نہیں۔

۵ حضرت استاذ ابوبکر بن فورک کا اپنے بعض رسالوں سے اسی طریقہ سے بیان کردہ روایت کیا گیا ہے: استویٰ کا معنی ہے: بلند ہونا۔ پھر فرمایا: اس بلند ہونے سے مراد مسافت اور تحیز کے لحاظ سے بلند ہونا اور کسی خاص مکان میں متمکن ہونا مراد نہیں۔ بلکہ اس کا معنی اللہ تعالیٰ کے اس قول: "ءَاَمِنْتُمْ مَّنْ فِي السَّمَآءِ" (الملک:۱۶) (کیا تم آسمان والے سے بے خوف ہو بیٹھے ہو؟) کے مطابق ہے، یعنی جو اس کے

9 امام الحرمین، ابوالمعالی عبدالملک بن عبداللہ بن یوسف الجوینی (المتوفی ۴۷۸ھ) کے عقائد

حضرت عبد الملک بن عبد اللہ بن یوسف بن محمد الجوینی، أبو المعالی، رکن الدین، الملقب بإمام الحرمین ۴۱۹ھ کو نیشاپور کے نواحی علاقے جوین میں پیدا ہوئے۔ پھر آپ بغداد تشریف لے گئے۔ بعد ازاں آپ مکہ مکرمہ میں تشریف لے گئے۔ پھر آپ مدینہ منورہ چلے گئے اور وہیں تدریس اور افتاء کے شعبے سے منسلک رہے۔ حرمین شریفین میں آپ کا قیام چار سال رہا۔ اس وجہ سے آپ کا لقب امام الحرمین مشہور ہوا۔ پھر آپ واپس اپنے وطن نیشاپور تشریف لے آئے۔ وہاں آپ کے لیے وزیر نظام الملک نے مدرسہ نظامیہ قائم کیا۔ وہاں آپ کے درس و تدریس کا سلسلہ شروع ہوا تو بڑے بڑے اکابر علماء اس میں شریک ہوتے تھے۔ نیشاپور ہی میں آپ کا انتقال ۴۷۸ھ میں ہوا۔

ان کی کتاب اصول عقائد کے بیان میں "**الارشاد الی قواطع الأدلة فی اصول الاعتقاد**" بہت مشہور ہوئی ہے۔ یہ کتاب مؤسسة الکتب الثقافیة، بیروت سے شائع ہوئی ہے۔ اس میں آپ نے کرامیہ کے عقیدہ تجسیم باری تعالیٰ کے خلاف خوب لکھا ہے۔ محمد بن کرام (المتوفی ۲۵۵ھ) بانی فرقہ کا رد کیا ہے۔ صفات باری تعالیٰ کی بھی اچھی مدلل تفصیل بیان کی ہے۔ رؤیت باری تعالیٰ، استواء علی العرش، اور جبر و قدر کی بحث بھی لائق مطالعہ ہے۔

ان کی کتاب "**العقيدة النظامية في الأركان الإسلامية**" جو مکتبۃ الازہریۃ مصر ۱۴۱۲ھ سے شائع ہوئی ہے۔ عقائد کے بارے میں بہت ہی معتمد اور معروف کتاب ہے۔

1: اللہ تعالیٰ بغیر جہت اور مکان کے موجود ہیں

1 امام الحرمین فرماتے ہیں:

أن الرب تعالى متقدس عن الاختصاص بالجهات والاتصاف بالمحاذاة لا تحيط به الأقطار ولا تكتنفه الأقتار ويجل عن قبول الحد والمقدار... فإن سئلنا عن قوله تعالى: "الرحمن على العرش استوى".

قلنا المراد بـ"الاستواء": القهر والغلبة والعلو.

ومنه قول العرب استوى فلان على المملكة أي: استعلى عليها واطردت له.

ومنه قول الشاعر:

قد استوى بشر على العراق   من غير سيف ودم مهراق

(لمع الأدلة في قواعد عقائد أهل السنة والجماعة ص ١٠٧، ١٠٨، المؤلف: عبد الملك بن عبد الله بن يوسف بن محمد الجويني، أبو المعالي، ركن الدين، الملقب بإمام الحرمين رحمه الله (المتوفى ٤٧٨هـ)، المحقق: فوقية حسين محمود، الناشر: عالم الكتب، لبنان، الطبعة: الثانية، ١٤٠٧هـ)

ترجمہ: اللہ رب العزت جہت کے ساتھ مختص ہونے اور محاذات کے ساتھ متصف ہونے سے پاک ہیں۔ اطراف اس کا احاطہ نہیں کر سکتیں اور وہ حدود اور مقدار سے وراء ہے .... پھر اگر ہم سے سوال کیا جائے کہ اس آیت: اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى (سورت طٰہٰ:۵) (وہ بڑی رحمت والا عرش پر استواء فرمائے ہوئے ہے) کی تفسیر کیا ہے؟ تو ہم کہیں گے کہ یہاں استواء سے مراد قہر، غلبہ اور علو ہے۔ اسی معنی میں اہل عرب کا قول ہے: "استوى فلان على المملكة" یعنی: وہ اس ملک پر غالب ہو گیا اور اس کا حکم چلنے لگا۔ اور اسی معنی میں شاعر کا قول بھی ہے:

قَدِ اسْتَوَى بِشْرٌ عَلَى الْعِرَاقِ   مِنْ غَيْرِ سَيْفٍ وَّدَمٍ مُّهْرَاقِ

بشر نے عراق پر قبضہ کر لیا اور تلوار اور خون بہائے بغیر حاصل کر لیا۔

2 الاستواء: القهر والغلبة. وذلك شائع في اللغة اذ العرب تقول: استوى فلان على الممالك اذا احتوى على مقاليد الملك واستعلى على الرقاب

(الارشاد الى قواطع الأدلة في أصول الاعتقاد ص ۴۰، المؤلف: عبد الملک بن عبد الله بن يوسف بن محمد الجويني، أبو المعالي، ركن الدين، الملقب بإمام الحرمين (المتوفى ۴۷۸ھ) مؤسسة الكتب الثقافية بيروت)

ترجمہ: استواء کا معنی قہر اور غلبہ ہے۔ یہ معنی لغت عرب میں مشہور و معروف ہے جیسا کہ اہل عرب کہتے ہیں: "استوى فلان على الممالك" جب اس کے پاس ملک کے خزانوں کی چابیاں آجائیں اور لوگوں پر اس کا غلبہ ہو جائے۔

3 حضرت امام الحرمین جوینی (المتوفی ۴۷۸ھ) فرماتے ہیں:

أن الرب تعالى متقدس عن الاختصاص بالجهات والاتصاف بالمحاذاة لا تحيط به الأقطار ولا تكتنفه الأقطار ويجل عن قبول الحد والمقدار. والدليل على ذلك:

أن كل مختص بجهة شاغل لها متحيز وكل متحيز قابل لملاقاة الجواهر ومفارقتها وكل ما يقبل الاجتماع والافتراق لا يخلو عنهما وما لا يخلو عن الاجتماع والافتراق حادث كالجواهر.

فإذا ثبت تقدس الباري عن التحيز والاختصاص بالجهات فيترتب على ذلك تعاليه عن الاختصاص بمكان وملاقاة أجرام وأجسام.

فإن سئلنا عن قوله تعالى: "الرحمن على العرش استوى".

قلنا المراد "بالاستواء": القهر والغلبة والعلو.

ومنه قول العرب استوى فلان على "المملكة أي استعلى عليها واطردت له. ومنه قول الشاعر:

قد استوى بشر على العراق　　　　من غير سيف ودم مهراق

(لمع الأدلة في قواعد عقائد أهل السنة والجماعة، ص ۱۰۸، ۱۰۹۔ المؤلف: عبد الملك بن عبد الله بن يوسف بن محمد الجويني، أبو المعالي، ركن الدين، الملقب بإمام الحرمين ؒ (المتوفى: ۴۷۸ھ)۔ المحقق: فوقية حسين محمود۔ الناشر: عالم الكتب، لبنان۔ الطبعة: الثانية، ۱۴۰۷ھ)

ترجمہ: اللہ رب العزت جہت کے ساتھ مختص ہونے اور محاذات کے ساتھ متصف ہونے سے پاک و برتر ہیں۔ اطراف اس کا احاطہ نہیں کر سکتیں اور وہ حد و اور مقدار سے ورا اور بلند و برتر ہے۔ اس پر دلیل یہ ہے:

ہر وہ چیز جو جہت کے ساتھ مختص ہوگی، اور جو اس کو گھیرنے والی ہوگی وہ متحیز ہوگی۔ اور ہر متحیز جواہر کے ساتھ ملنے والی یا اس سے جدا ہونے والی ہے۔ اور جو اجتماع اور افتراق کو قبول کرنے والی ہو وہ اس سے خالی نہیں ہو سکتی، اور جو اجتماع اور افتراق سے خالی نہیں ہوگی وہ حادث ہوگی جیسے جواہر۔

جب یہ بات ثابت ہوگئی تو اللہ تعالیٰ تحیز اور جہت کے ساتھ مختص ہونے سے پاک ہیں۔ تو اس سے یہ بات بھی ثابت ہوگئی کہ اللہ تعالیٰ کسی بھی مکان کے ساتھ مختص ہونے اور اجرام و اجسام سے اتصال ہونے سے پاک اور بلند و برتر ہیں۔

پھر اگر ہم سے یہ سوال کیا جائے کہ اس آیت: اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى۔ (سورۃ طٰہٰ: ۵) (وہ بڑی رحمت والا عرش پر استوا فرمائے ہوئے ہے) کی تفسیر کیا ہے؟ تو ہم کہیں گے کہ یہاں استواء سے مراد قہر، غلبہ اور علو ہے۔ اسی معنی میں اہل عرب کا قول ہے: "استوى فلانٌ على المملكة" یعنی وہ اس ملک پر غالب ہو گیا اور اس پر حکم چلنے لگا۔ اور اسی معنی میں شاعر کا قول بھی ہے:

قَدِ اسْتَوٰى بِشْرٌ عَلَى الْعِرَاقِ　　　　مِنْ غَيْرِ سَيْفٍ وَدَمٍ مُهْرَاقِ

بشر نے عراق پر بغیر تلوار چلائے اور خون بہائے غلبہ حاصل کر لیا۔

4　مشہور مفسر ابو عبد اللہ القرطبی اپنی تفسیر میں فرماتے ہیں:

وَقَالَ أَبُو الْمَعَالِي: قَوْلُهُ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَا تُفَضِّلُونِي عَلَى

يُونُسَ بْنِ مَتَّى"، الْمَعْنَى: فَإِنِّي لَمْ أَكُنْ وَأَنَا فِي سِدْرَةِ الْمُنْتَهَى بِأَقْرَبَ إِلَى اللَّهِ مِنْهُ، وَهُوَ فِي قَعْرِ الْبَحْرِ فِي بَطْنِ الْحُوتِ. وَهَذَا يَدُلُّ عَلَى أَنَّ الْبَارِي سُبْحَانَهُ وَتَعَالَى لَيْسَ فِي جِهَةٍ.

(الجامع لأحكام القرآن = تفسير القرطبي سورة الأنبياء: ٨٧-٨٨، ج ١١ ص ٣٣٣، ٣٣٤، المؤلف: أبو عبد الله محمد بن أحمد بن أبي بكر بن فرح الأنصاري الخزرجي شمس الدين القرطبي رحمه الله (المتوفى: ٦٧١هـ)، تحقيق: أحمد البردوني وإبراهيم أطفيش، الناشر: دار الكتب المصرية، القاهرة، الطبعة: الثانية، ١٣٨٤هـ)

ترجمہ: امام ابو المعالی نے اس حدیث کے بارے میں فرمایا: نبی کریم ﷺ کا فرمان: "لَا تُفَضِّلُونِي عَلَى يُونُسَ بْنِ مَتَّى" کا معنی یہ ہے کہ جب میں سدرۃ المنتہیٰ پر تھا تو اس وقت بھی میں اللہ تعالیٰ سے زیادہ قریب نہ تھا جتنا حضرت یونس علیہ السلام تھے جب وہ مچھلی کے پیٹ میں سمندر کی گہرائی میں تھے۔ یہ حدیث اس پر دلالت کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات کسی جہت میں نہیں ہے۔

5 اسی مضمون کو قاضی ابن العربی اندلسی نے سورۃ الصافات میں بیان کیا ہے۔

وَقَالَ ابْنُ الْعَرَبِيِّ: أَخْبَرَنِي غَيْرُ وَاحِدٍ مِنْ أَصْحَابِنَا عَنْ إِمَامِ الْحَرَمَيْنِ أَبِي الْمَعَالِي عَبْدِ الْمَلِكِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ يُوسُفَ الْجُوَيْنِيِّ: أَنَّهُ سُئِلَ عَنِ الْبَارِي فِي جِهَةٍ؟ فَقَالَ: لَا، هُوَ يَتَعَالَى عَنْ ذَلِكَ. قِيلَ لَهُ: مَا الدَّلِيلُ عَلَيْهِ؟ قَالَ: الدَّلِيلُ عَلَيْهِ قَوْلُ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "لَا تُفَضِّلُونِي عَلَى يُونُسَ بْنِ مَتَّى". فَقِيلَ لَهُ: مَا وَجْهُ الدَّلِيلِ فِي هَذَا الْخَبَرِ؟ فَقَالَ: لَا أَقُولُهُ حَتَّى يَأْخُذَ ضَيْفِي هَذَا أَلْفَ دِينَارٍ يَقْضِي بِهَا دَيْنًا. فَقَامَ رَجُلَانِ فَقَالَا: هِيَ عَلَيْنَا. فَقَالَ: لَا يَتْبَعُ بِهَا اثْنَيْنِ لِأَنَّهُ يَشُقُّ عَلَيْهِ. فَقَالَ وَاحِدٌ: هِيَ عَلَيَّ. فَقَالَ: إِنَّ يُونُسَ بْنَ مَتَّى رَمَى بِنَفْسِهِ فِي الْبَحْرِ فَالْتَقَمَهُ الْحُوتُ، فَصَارَ فِي قَعْرِ الْبَحْرِ فِي ظُلُمَاتٍ ثَلَاثٍ. وَنَادَى: لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ سُبْحَانَكَ إِنِّي كُنْتُ

اب وہ سمندر کی گہرائی میں تین اندھیروں میں ہو گئے تو انہوں نے اللہ تعالیٰ کو پکارا:

لَّا إِلَٰهَ إِلَّا أَنتَ سُبْحَانَكَ إِنِّي كُنتُ مِنَ الظَّالِمِينَ ۔ (الأنبياء: ۸۷)

ترجمہ (یا اللہ!) تیرے سوا کوئی معبود نہیں، تو ہر عیب سے پاک ہے۔ بیشک میں قصوروار ہوں۔

جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اس بارے خبر دی ہے۔ حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم جب جبرئیل کے تاکشن پر بیٹھ کر بلندیوں کی طرف پرواز کرتے جاتے تھے، یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس مقام تک تشریف لے گئے جہاں قلم (تقدیر) کے چلنے کی آواز آپ صلی اللہ علیہ وسلم سن رہے تھے۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ مناجات بھی کی جو اللہ تعالیٰ نے چاہی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف وحی بھی نازل فرمائی جو اللہ تعالیٰ نے وحی نازل فرمانا چاہی۔ اس وقت بھی حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے زیادہ قریب نہیں تھے بہ نسبت حضرت یونس بن متی علیہ السلام کے، جب کہ وہ مچھلی کے پیٹ میں سمندر کے اندھیروں میں تھے۔

2:۔ صفاتِ متشابہات میں تفویض و تاویل

6 وقد اختلفت مسالك العلماء في الظواهر التي وردت في الكتاب و السنة. وامتنع أهل الحق اعتقاد فحواها، وإجراؤها على موجب ما تبتدره أفهام أرباب اللسان منها. فرأى بعضهم تأويلها و التزام هذا المنهج في آي الكتاب، و ما يصح من سنن الرسول صلى الله عليه وآله وسلم.

و ذهب أئمة السلف إلى الانكفاف عن التأويل و إجراء الظواهر على مواردها، و تفويض معانيها إلى الرب تعالى. والذي نرتضيه رأيا، و ندين الله به عقلا: اتباع سلف الأمة. فالأولى الاتباع و ترك الابتداع و الدليل السمعي القاطع في ذلك: أن إجماع الأمة حجة متبعة وهو مستند معظم الشريعة.

وقد درج صحب رسول الله صلى الله عليه وسلم، ورضي عنهم على ترك التعرض لمعانيها و درك ما فيها، وهم صفوة الإسلام، و المستقلون بأعباء الشريعة. وكانوا لا يألون جهدا في ضبط قواعد الملة، والتواصي بحفظها، و تعليم الناس ما يحتاجون إليه منها. فلو كان تأويل هذه الآي و الظواهر مسوغا، و محتوما، لأوشك أن يكون اهتمامهم بها فوق اهتمامهم بفروع الشريعة
وإذا انصرم عصرهم، وعصر التابعين على الإضراب عن التأويل كان ذلك قاطعا بأنه الوجه المتبع. فحق على ذي دين: أن يعتقد تنزه الباري عن صفات المحدثين، و لا يخوض في تأويل المشكلات، و يكل معناها إلى الرب تبارك و تعالى.
وعدّ إمام القراء و سيدهم: الوقوف على قوله تبارك و تعالى: "و ما يعلم تأويله إلا الله" من العزائم، ثم الابتداء: "و الراسخون في العلم" (آل عمران:٧). ومما استحسن من كلام إمام دار الهجرة رضي الله عنه هو مالك بن أنس رضي الله عنه. أنه سئل عن قوله تبارك و تعالى: "الرحمن على العرش استوى" (طه:٥). فقال: "الاستواء معلوم، و الكيفية مجهولة، و السؤال عنه بدعة". فلتجر آية الاستواء، و المجيء، و قوله: "لما خلقت بيدي" (ص: ٧٥)، و "ويبقى وجه ربك" (الرحمن :٢٧)، و قوله: "تجري بأعيننا" (القمر:١٤) و ما صح من أخبار الرسول صلى الله عليه و سلم كخبر النزول و غيره، على ما ذكرناه.
فهذا بيان ما يجب لله تبارك و تعالى.

(العقيدة النظامية في الأركان الإسلامية ص ٣٢، ٣٤۔ المؤلف: عبد الملك بن عبد الله بن يوسف بن محمد الجويني، أبو المعالي، ركن الدين، الملقب بإمام الحرمين رحمه الله (المتوفى ٤٧٨ھ)۔ المحقق: محمد زاهد الكوثري۔ الناشر:

دیتا ہے۔ اس بارے میں یقینی دلیل نقلی یہ ہے: اجماعِ اُمت ہی وہ دلیل ہے جس کی پیروی لازم ہے اور یہ شریعت کی بہت بڑی اور مستند دلیل ہے۔

☆ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ان کے معانی کے درپے نہیں ہوتے تھے اور اس کے مقاصد کو سمجھتے تھے۔ وہی اسلام کے منتخب اور پسندیدہ تھے۔ وہی شریعت کی اعباء کو اٹھانے والے تھے۔ وہی ملتِ اسلام کے قواعد کے ضبط کرنے والے، اس کی حفاظت کی وصیت کرنے والے، اور لوگوں کی ضروریاتِ دین کی تعلیم کرنے والے تھے۔ اگر ان آیات اور ان کے ظواہر میں تاویل کرنا پسندیدہ اور حتمی ہوتا تو لازماً وہ ان کا بہت زیادہ اہتمام کرتے۔

☆ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا دور ختم ہوا۔ دورِ تابعین بھی تاویل سے دور ہی رہا۔ یہ قطعی دلیل ہے کہ یہی طریقہ اتباع کے قابل ہے۔ لہٰذا اہلِ دین پر یہ بات لازم ہے: وہ اللہ تعالیٰ کو مخلوق کی صفت سے منزہ جانیں۔ متشابہات اور مشکلات کی تاویل کرنے میں غور و خوض نہ کریں۔ ان کے معانی کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیں۔

☆ قرآن پاک کی آیت:

هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ مِنْهُ اٰيٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ الْكِتٰبِ وَاُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ ۭ فَاَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَاۗءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَاۗءَ تَاْوِيْلِهٖ ڼ وَمَا يَعْلَمُ تَاْوِيْلَهٗٓ اِلَّا اللّٰهُ ۘ وَالرّٰسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ يَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِهٖ ۙ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا ۚ وَمَا يَذَّكَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ (آل عمران:۷)

ترجمہ (اے رسول!) وہی اللہ ہے جس نے تم پر کتاب نازل کی ہے جس کی کچھ آیتیں تو محکم ہیں جن پر کتاب کی اصل بنیاد ہے اور کچھ دوسری آیتیں متشابہ ہیں۔ اب جن لوگوں کے دلوں میں کجی ہے وہ ان متشابہ آیتوں کے پیچھے پڑے رہتے ہیں تاکہ فتنہ پیدا کریں اور ان آیتوں کی تاویلات تلاش کریں، حالانکہ ان آیتوں کا ٹھیک ٹھیک مطلب اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ اور جن لوگوں کا علم پختہ ہے وہ یہ کہتے ہیں کہ ”ہم اس (مطلب) پر ایمان لاتے ہیں (جو اللہ کو معلوم ہے) سب کچھ

اور اس کو استواء کیا ہے؟ تو حضرت امام مالکؒ نے (حق تعالیٰ کی عظمت اور ہیبت کی وجہ سے) سر نیچے جھکالیا اور خوف سے پسینہ پسینہ ہوگئے۔ پھر سر اٹھایا اور فرمایا: "وہ بڑی رحمت والا عرش پر استواء فرماتے ہوتے ہے جیسا کہ خود اس نے اپنی اس صفت کو بیان کیا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی ذات کے بارے میں "کیف" (کیفیت) کا سوال نہیں کیا جاسکتا۔ اور **کَیْفَ** (کیفیت) تو اللہ تعالیٰ کی ذات سے مرفوع ہے۔ اے سائل تو یا تو ایک برا آدمی اور بدعتی شخص ہے"۔ پھر اپنے اصحاب سے فرمایا: "اس کو یہاں سے نکال دو"۔

اس روایت سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت امام مالکؒ نے صفت "استویٰ" کو اللہ تعالیٰ کے لیے ثابت کرتے تفصیل سے سکوت فرمایا اور صرف ان الفاظ پر اکتفاء کیا: **کَمَا وَصَفَ بِهٖ نَفْسَهٗ**۔ اور کیفیت کو جو اجسام کی صفت ہے اللہ تعالیٰ سے نفی کیا۔

☆ لہٰذا آیت استواء اور نزول باری تعالیٰ کو اسی طرح بیان کرنا چاہیے۔ یہی طریقہ ہے ان آیات میں:

آیت ۱ **لِمَا خَلَقْتُ بِيَدَيَّ**۔ (ص: ۷۵)

ترجمہ جس کو میں نے اپنے دونوں ہاتھوں (اور قدرت خاصہ) سے بنایا۔

آیت ۲ **وَيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ**۔ (الرحمن: ۲۷)

ترجمہ بس باقی رہے گی ذات تیرے پروردگار کی جو بڑائی اور عظمت والا ہے۔

آیت ۳ **تَجْرِي بِأَعْيُنِنَا**۔ (القمر: ۱۴)

ترجمہ وہ ہماری آنکھوں کے سامنے چلتی ہے۔

اور اسی طرح وہ احادیث مبارکہ جو جناب رسول اللہ ﷺ سے صحیح سند کے ساتھ مروی ہیں۔

یہی بیان کرنا چاہیے ان صفات کے بارے میں جن کا ثبوت جناب باری تعالیٰ کے لیے ثابت ہے۔

تشریح علامہ زاہد الکوثریؒ اس کے حاشیہ میں فرماتے ہیں:

اس فصل کو سونے کے پانی سے لکھا جانا چاہیے، خصوصاً اس لیے بھی کہ یہ کتاب امام الحرمینؒ کی آخری تصنیف ہے، جیسا کہ کتاب: ''العمدۃ'' کے مصنفؒ نے اس کا ذکر کیا ہے۔ اس کتاب کی اس فصل سے بعض حشویہ بے جا خوش فہمی کا شکار ہیں کہ امام الحرمینؒ آخر کار اپنے مذہب سے رجوع کر کے ان کی طرف مائل ہو گئے تھے۔ حالانکہ ایسا ہرگز نہیں ہے۔ حضرت امام الحرمینؒ نے اس کتاب کی کئی فصول میں اللہ تعالیٰ کی حوادث اور صفاتِ حوادث سے قطعی طور پر تنزیہ بیان کی ہے۔

1. رہی استواء کی صفت تو ممکن ہے کہ اس کی مراد یہ ہو: وہ اس سے اللہ تعالیٰ کی بادشاہی اور سلطنت مراد ہو کہ اللہ تعالیٰ نے استعارہ و تمثیلیہ کے طریق سے آسمان و زمین اور اپنے بندوں کو پیدا کرنے کے بعد ان پر مرضی کا حکم جاری کرنا شروع کر دیا ہو۔ جیسا کہ تو اس کی تفصیل کتاب: ''لفت اللحظ'' (ص ۳۱) میں دیکھ سکتا ہے۔

2. صفت مجیئی (آمد)۔ اس کے بارے میں علامہ ابن حزمؒ نے اپنی کتاب: ''الفصل'' میں فرمایا ہے:

ہم نے حضرت امام احمدؒ سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے سورت فجر کی آیت ۲۲: "وَجَاءَ رَبُّكَ وَالْمَلَكُ صَفًّا صَفًّا" کا معنی "جَاءَ أَمْرُ رَبِّكَ" سے کیا ہے جیسا کہ سورت نحل آیت نمبر ۳۳: "هَلْ يَنظُرُونَ إِلَّا أَن تَأْتِيَهُمُ الْمَلَائِكَةُ أَوْ يَأْتِيَ أَمْرُ رَبِّكَ" میں ہے۔ قرآن کی بعض آیات دوسری آیات کی تفسیر بیان کرتی ہیں۔ ایسا ہی مضمون علامہ ابن جوزیؒ نے اپنی کتاب: ''زاد المسیر'' میں بیان کیا ہے۔

3. آیت: لِمَا خَلَقْتُ بِيَدَيَّ. (ص: ۷۵) میں عنایت خاصہ مراد ہے۔ عرب کہتے ہیں: "يداك أوكتا"۔ سے مراد ہاتھوں سے عنایت خاصہ لیتے ہیں۔

4. آیت: وَيَبْقَىٰ وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ. (الرحمن: ۲۷) میں وجہ سے مراد ذات عالی باری تعالیٰ لیتے ہیں۔ اس کی دلیل: ذُو الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ کا مرفوع ہونا ہے۔

5. آیت: تَجْرِي بِأَعْيُنِنَا. (القمر: ۱۴) کا معنی ہے: ہمارے علم کے تحت۔

الخلائق على اختلاف الأحوال و الطرائق فكل جائز من صفات الخلق يستحيل إلى صفة واجبة للخالق فيجب جواز استرسالهم في الأوامر و الزواجر، اتصاف ربهم بالأمر و النهي و الوعد و الوعيد وهو الملك حقاً ولا يتم وصف الملك دون الاتصاف بالاقتدار على تغيير الخلق قهرا. و إمكان توجيه الأمر و النهي عليهم تعبدا و تكليفا: فتقرر بذلك وجوب كونه تعالى و تقدس متكلما

فظن من لم يحصل علم هذا الباب أن القدرية وصفوا الرب تبارك و تعالى بكونه متكلما و زعموا أن كلامه مخلوق. و ليس هذا مذهب القوم بل حقيقة معتقدهم: أن الكلام فعل من أفعال الله عز و جل كخلقه الجواهر و أعراضها. و لا يرجع إلى حقيقة وجوده حكم من الكلام فحصول أصلهم: أنه ليس- تعالى عن قولهم - كلام. و ليس قائلا آمرا ناهيا. و إنما يخلق أصواتا في جسم من الأجسام دالة على إرادته و ليس يخفى على ذي بصيرة: أن آيات القرآن نصوص في اتصاف الرب تبارك و تعالى بالقول فكم في سياق الآي من أخبار الرب عن نفسه بالاتصاف بالقول كما قال تعالى: "قال الله هذا يوم ينفع الصادقين صدقهم". (المائدة:١١٩). و قال تبارك و تعالى: "يا نار كوني بردا و سلاما". (الأنبياء:٦٩). وقال جل وعز: "و قال ربكم ادعوني أستجب لكم" (غافر:٦٠). و من لزم الإنصاف

وجانب الاعتساف تبين أن هذه الآيات مصرحة بإتصاف الرب بقوله. و من أحدث أصواتا في جسم دالة على غرض له. لا يقال قال: كذا و كذا. و مما يوضح الحق في ذلك أن من أصل هؤلاء: أنه لا معنى لكون المتكلم متكلما إلا أنه فاعل للكلام. و مساق هذا يقتضي أن من لا يعلم كون المتكلم فاعلا لكلامه لا يعلمه

متكلماً. ونحن على اضطرار نعلم أن من نراه يتكلم متكلماً قبل أن يخطر ببالنا كونه فاعلا. ولو لم يكن لكونه متكلماً معنى إلا أنه فاعل للكلام لما علمه متكلماً من لم يعلمه فاعلا. وليس الأمر كذلك، فإن سبيل معرفة الله تبارك وتعالى متكلماً أو سبيل معرفة المتحرك متحركاً. ومن رأى جسماً يتحرك اعتقد أنه متحرك ولم يتوقف عقله على النظر في أنه فاعل للحركة كذلك من سمع رجلا اعتقد متكلماً لم نظر في كونه فاعلا للكلام أو غير فاعل. وإذا تقرر أن الكلام صفة للمتكلم وليس المراد به: كونه فاعلا، فما كان صفة لله تعالى لم تخل إما أن تكون حادثة أو قديمة فإن كانت قديمة فهو الحق الذي انتحله أهل الحق.

وإن كانت حادثة لم تخل إما إن تقوم به - تعالى الله عن قول المبطلين - فيؤدي هذا إلى القول بأنه محل الحوادث. وما قبل الحوادث كالأجسام. وإما أن تقوم بجسم وهو مذهب المخالف - فكل صفة قامت بجسم رجع الحكم منها إلى ذلك الجسم كالحركة والسكون وما عداهما من الأعراض. ولو كان الرب تعالى يخلق كلاماً في جسم متكلماً، لكان يخلق الصوت فيه مصوتا.

(العقيدة النظامية في الأركان الإسلامية، ص ٢٢، ج ١، المؤلف: عبد الملك بن عبد الله بن يوسف بن محمد الجويني، أبو المعالي، ركن الدين، الملقب بإمام الحرمين رحمه الله (المتوفى: ٤٧٨هـ)، المحقق: محمد زاهد الكوثري، الناشر: المكتبة الأزهرية للتراث، مصر، ١٤١٢هـ)

ترجمہ: ان صفات سے جو اللہ تعالیٰ کے لیے واجب ہیں ان میں سے صفت کلام بھی ہے۔ علم کلام کے ماہرین نے بڑے طریقے سے یہ بات ثابت کی ہے کہ باری تعالیٰ کا صفت کلام

سے موصوف ہونا واجب ہے۔ یہ اسی قاعدہ سے نکل جاتا ہے تو اس عقیدے کا مستقر ہے۔ تو ہم کہتے ہیں کہ جیسے ہم جانتے ہیں کہ تبدیلی کی مختلف صورتوں میں آ جانا ممکنات میں سے ہے۔ ایسے ہی ان کا تصرف کرنا کسی امر مطاع کے پیچھے اور کسی قسم کے نیچے محال نہیں ہے۔

جب اس کے امکان کا یقین ہو جائے مخلوقات کے چلنے سے فیصلہ پایا جاتا ہے احوال اور طرق کے اختلاف پر۔ تو مخلوق کی صفات سے جو ممکن ہے اس سے خالق کی صفت واجب پر استدلال کیا جائے گا۔ تو ثابت ہو گیا ان مخلوقات کے امر و نہی میں داخل ہونے کے امکان سے ان کے رب کا موصوف ہونا امر و نہی اور وعد و وعید کے ساتھ ہے۔ اور وہ حقیقی بادشاہ ہے۔

بادشاہت کی صفت پوری نہیں ہوتی مخلوق کی تبدیلی کے اختیار اور ان پر امر و نہی کے متوجہ کیے بغیر۔ علاوہ اس کے وہ اس کے بندے اور اس کے حکم کے مکلف ہیں۔ تو اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے متکلم ہونے کا وجوب ثابت ہو گیا۔

تو جن لوگوں کو اس موضوع کی بصیرت حاصل نہ ہوئی انہوں نے سمجھا کہ قدریہ نے اللہ تعالیٰ کو متکلم ہونے سے موصوف کیا ہے۔ انہوں نے سمجھا کہ اس کا کلام مخلوق ہے۔ اور یہ قوم کا مذہب نہیں ہے بلکہ ان کے اس عقیدہ کی حقیقت یہ ہے کہ کلام جو ہے وہ اللہ تعالیٰ کے افعال میں سے ایک فعل ہے۔ جیسے اس کا جواہر و اعراض کو پیدا کرنا۔ اور اس کے وجودی حقیقت کی طرف کلام میں سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔

تو ان کے اس عقیدے کا حاصل یہ ہے کہ نہ اللہ تعالیٰ کے لیے کلام ہے اور نہ وہ اپنی قوت سے امر و نہی کرنے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی باتوں سے بہت بلند ہے۔ وہ جسموں میں سے کسی جسم میں کوئی آواز پیدا کر دیتا ہے جو اس کے ارادہ پر دلالت کرنے والی ہوں۔

کسی بھی اہل عقل و بصیرت پر یہ بات مخفی نہیں ہے کہ قرآن مجید کی آیات اس کی تصریح کرتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ قول سے موصوف ہے۔ کئی کی آیات کے سیاق میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کا اپنے بارے میں قول سے موصوف ہونے پر خبر دینا ہے۔ جیسے:

نہیں ہے۔ تو جو اللہ تعالیٰ کی صفت ہوگی وہ اس سے خالی نہیں کہ حادث ہوگی یا قدیم۔
اگر وہ قدیم ہو تو یہی وہ حق ہے جس کا اعتقاد اہل حق رکھتے ہیں۔

اگر وہ حادث ہے تو وہ دو احوال سے باہر نہیں ہے: وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ قائم ہے (اللہ تعالیٰ جھوٹوں کی بات سے بہت بلند ہے)۔ تو یہ بات اس کی طرف پہنچائے گی کہ اللہ تعالیٰ محل حوادث ہے (اور یہ محال ہے)۔ اور جو حوادث کو قبول کرے وہ اجسام کی طرح ہے۔ اور یہ جسم کے ساتھ قائم ہو اور یہ مذہب مخالف کا ہے۔ تو ہر صفت جو جسم کے ساتھ قائم ہو متکلم کے لحاظ سے اس جسم سے متعلق حکم پر ہوگا، جیسے حرکت، سکون اور اس کے علاوہ عوارض۔ اگر اللہ تعالیٰ کسی جسم میں کلام کے پیدا کرنے سے متکلم ہو تو اس میں آواز کے پیدا کرنے کی وجہ سے آواز والا ہوگا۔

4: قرآن اللہ تعالیٰ کا کلام، غیر مخلوق ہے

8 ثم معتقد أهل الحق: أن كلام الله تعالى ليس بحروف منتظمة، و لا أصوات منقطعة و إنما هو صفة قائمة بذاته تعالى يدل عليها قراءة القرآن كما يدل قول القائل: على الوجود الأزلي. و يعتبر المسمى: أصوات. والمفهوم منه: الرب تبارك وتعالى. فإن قيل: إذا قضيتم بأن كلام الله تبارك و تعالى أزلي. لزمكم أن تصفوه بكونه آمرا ناهيا قبل وجود المخاطبين، وثبوت الأمر قبل وجود المأمورين محال. قلنا: ما لبس به المخالف يدرأه ضرب مثال. و هو: أن من يعزم على مفاوضة صاحب له بعد شهر، فالمعاني التي سيوردها عند جريان الحوار بينهما بأعيانها قائمة في نفسه ثم إذا حان الوقت أداها. فأنهاها و العالم بأنه سيكلم فلانا لا تخلو نفسه عن وجود ثبوت ذلك الكلام على تقدير وجوده في العبارات من حين المفاوضة تبلغ تلك المعاني و الرب في أزله كان عالما بأنه يتعبد عباده إذا وجدوا و هو العالم المقدس عن

گے۔ رب تعالیٰ ازل سے جانتا ہے کہ وہ اپنے بندوں کو حکم دے گا جب وہ موجود ہوں
گے۔ وہ ایسا عالم ہے جو سہو اور غلطی سے پاک ہے تو اس کا وجود ازل سے ہی اس سے
خالی نہیں، اس (امر و نہی) کے جو بندوں تک پہنچے جب وہ موجود ہوں۔ اور اس
(پہنچنے) کا راستہ وہ کلام ہے جو اس کی ذات کے ساتھ قائم ہے جیسا اس کی قدرت
قدیمہ دائمہ کا راستہ۔ اور اگر اس کی مقدورات کا وجود پہلے سے ممتنع ہو تو مقدور حادث
ہے، نئے سرے سے پیدا ہونے والا، لیکن وہ ہمیشہ سے اس صفت سے موصوف ہے
جو اس کی صلاحیت رکھتی ہے کہ مستقبل میں قدرت کا مقدورات سے تعلق ہو۔

9 **يجب إطلاق القول بأن كلام الله تبارك و تعالى مسموع و ليس المراد بذلك تعلق الإدراك بالكلام الأزلي القائم بالباري تعالى. و لكن المدرك صوت القارئ. والمفهوم عند قراءته كلام الله سبحانه ولا بعد في تسمية المفهوم عند مسموع: مسموعاً. فهذا غاية ما لو بلغ مبلغ رسالة ملك فيحسن ممن بلغته الرسالة أن يقول: سمعت الملك و رسالته. و كلام الملك حديث نفسه و أصواته و من بلغ الرسالة لم ينقل صوت مرسله ولا حديث نفسه.**

و من زعم أنه سمع كلام الله تعالى من غير واسطة. فلا فرق بينه و بين موسى عليه السلام الذي خصصه الله تبارك وتعالى من بين عالمي زمانه بتكليمه۔ واصطفاه باستماعه عزيز كلامه.

(العقيدة النظامية في الأركان الإسلامية، ص ۲۸ تا ۲۹، المؤلف: عبد الملك بن عبد الله بن يوسف بن محمد الجويني، أبو المعالي، ركن الدين، الملقب بإمام الحرمين رحمه الله (المتوفى ۴۷۸ھ)، المحقق: محمد زاهد الكوثري رحمه الله۔ الناشر: المكتبة الأزهرية للتراث، مصر ۱۲ھ)

ترجمہ: یہ کہنا واجب ہے کہ اللہ تعالیٰ کا کلام مسموع ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ ادراک کا
تعلق کلام ازلی کے ساتھ ہو جو باری تعالیٰ کے ساتھ قائم ہے لیکن مدرک پڑھنے
والے قاری کی آواز ہے۔ اس کی قراءت سے جو مفہوم ہوتا ہے: وہ اللہ تعالیٰ کا کلام

ہے۔ اس میں کوئی بعد نہیں کہ مفہوم کا نام مسموع کے وقت مسموع رکھا جائے تو یہ ایسے ہی ہے کہ اگر کسی کو بادشاہ کا خط پہنچے تو جس کو خط ملے اس کا یہ ہے کہ وہ کہے میں نے بادشاہ کو گویا اس کے پیغام کو سنا اور بادشاہ کا کلام اس کی اپنی بات اور آواز ہے اور جس نے پیغام پہنچایا اس نے پیغام دینے والے کی آواز اور اس کے جیسی بات نقل نہ کی۔

جو کہے کہ میں نے اللہ تعالیٰ کا کلام بلا واسطہ سنا ہے تو اس میں اور حضرت موسیٰ علیہ السلام میں کوئی فرق نہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے زمانے میں اہل جہان کے درمیان اپنے کلام کے لیے خاص کیا اور اپنے معزز کلام کے سنانے کے لیے چن لیا۔

10 كلام الله تبارك و تعالى مكتوب في المصاحف، مقروء بالألسنة، محفوظ في الصدور و لا يحل الكلام هذه المحال حلول الأعراض الجواهر. فإن كلام الله الأزلي لا يفارق الذات و لا يزايلها و من شدا طرفا من قضايا العقول لم يسترب في أن التحول و الانتقال و الزوال من صفات الأجسام، و من الغوائل التي بلي الخلق بها، أن القول في قدم كلام الله تبارك وتعالى، و كونه مكتوبا في المصاحف أشيع في زمن الإمام أحمد بن حنبل - رحمه الله - من جهلة العوام و الرعاع الهمج فسمعوا مطلقا: أن كلام الله في المصاحف فسبقوا إلى اعتقاد ثبوت وجود الكلام الأزلي في الدفاتر، و ارتبكوا في جهالات لا يبوء بها محصل. ثم تطاول الدهر و تمادى العصر، فرسخ هذا الكلام في قلوب الحشوية و لولا ذلك لما خفي على من معه مسكة من عقل: أن الكلام لا ينتقل من متكلم إلى دفتر. و لا ينقلب معنى النفس الأصوات سطورا رسوما و أشكالا ورقوما. فالذي نقول بعد الإحاطة بحقيقة هذه الفصول - كلام الله تبارك و تعالى في المصاحف مكتوب. وعلى ألسنة القراء مقروء. و الصدور محفوظ. و هو قائم بذات الباري وجودا.

10 حضرت امام غزالیؒ (المتوفی ۵۰۵ھ) کے عقائد

امام الحرمینؒ کے تلامذہ میں تھے۔ علامہ شبلی نعمانی نے امام غزالی کے حالات پر تحقیقی کتاب لکھی ہے۔ علامہ شبلی نے لکھا ہے: " آج تقریباً تمام دنیا میں الٰہیات، نبوات اور معاد کے جو معتقدات اور مسلمات ہیں، وہی ہیں جو حضرت امام غزالی کے مقرر کردہ عقائد ہیں"۔ اور وہی عقائد اشعریہ اور ماتریدیہ سے منقول ہیں۔ البتہ کچھ مسائل میں انہوں نے امام اشعری وغیرہ سے اختلاف کیا ہے۔ امام غزالی کی کتاب "الاقتصاد فی الاعتقاد" علم عقائد میں بہت مشہور و معروف ہے۔

1 علامہ شبلی نے "الغزالی" میں لکھا:

تنزیہ کے بارے میں بڑی کھٹک یہ تھی کہ اگر اسلام کا مقصد تنزیہ اور تجرید تھی تو قرآن مجید اور احادیث میں کثرت سے تشبیہ کے (موہم) الفاظ کیوں آئے؟ "خدا قیامت کو فرشتوں کے جھرمٹ میں آئے گا، آٹھ فرشتے اس کا تخت اٹھائے ہوئے ہوں گے، دوزخ کی تسکین کے لیے خدا اپنی ران دوزخ میں ڈال دے گا"۔ اس قسم کی بیسیوں باتیں ہیں، جو قرآن مجید یا حدیث صحیح میں وارد ہیں جس سے یہ گمان ہوتا ہے کہ شریعت اسلامی خدا کی طرف سے نہیں بلکہ انسان نے اپنے خیال کے پیمانے کے موافق خدا کی ذات و صفات ٹھہرا لیے ہیں۔

امام غزالی نے اس عقدے کو اس طرح حل کیا کہ بے شبہ قرآن و حدیث میں اس قسم کے الفاظ موجود ہیں، لیکن یکجا نہیں ہیں، بلکہ جستہ جستہ متفرق مقامات پر ہیں اور چونکہ تنزیہ کے مسئلہ کو شارع نے نہایت کثرت سے بار بار بیان کرکے دلوں میں جا نشین کر دیا تھا۔ اس لیے تشبیہ کے الفاظ سے حقیقی تشبیہ کا خیال نہیں پیدا ہو سکتا تھا۔ مثلاً حدیث میں آیا ہے کہ کعبہ اللہ تعالیٰ کا گھر ہے۔ اس سے کسی شخص کو یہ خیال پیدا نہیں ہوتا کہ اللہ تعالیٰ درحقیقت کعبہ میں سکونت رکھتا ہے۔ اسی طرح قرآن مجید کی ان آیتوں سے بھی جن میں عرش کو اللہ تعالیٰ کا مستقر کہا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے استقرار علی

الغرض کو خیال تک نہیں آسکتا اور کسی کو آئے تو اس کی وجہ یہ ہوگی کہ اس نے تنزیہی آیتوں کو نظر انداز کر دیا ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان الفاظ کو جب استعمال فرماتے تھے تو ان ہی لوگوں کے سامنے فرماتے تھے جن کے ذہنوں میں تنزیہ و تقدیس خوب جاگزیں ہو چکی تھی۔

اس جواب پر یہ شبہ پیدا ہوتا ہے کہ شارع نے صاف صاف کیوں نہیں کہہ دیا کہ خدا نہ متصل ہے اور نہ منفصل، نہ جوہر ہے نہ عرض، نہ عالم ہے نہ عالم سے باہر۔ اس قسم کی تصریحات موجود ہوتیں تو کسی کو سرے سے شبہ کا خیال ہی نہ آسکتا تھا۔ امام صاحب نے اس شبہ کو یوں رفع کیا کہ اس قسم کی تقدیس عام لوگوں کے خیال میں نہیں آسکتی تھی۔ عام لوگوں کے نزدیک کسی چیز کی نسبت یہ کہنا کہ نہ وہ عالم میں ہے نہ عالم سے باہر گویا یہ کہنا ہے کہ وہ شے سرے سے موجود ہی نہیں۔ بے شبہ خواص کے ذہن میں یہ تقدیس آسکتی ہے لیکن شارع کو تمام عالم اسلام کی اصلاح مقصود تھی جس میں بڑا حصہ عوام ہی کا تھا۔

(الغزالی ص ۹۹، ۱۰۰ مؤلف: علامہ شبلی نعمانی (المتوفی ۱۹۱۴ء) ط دار الاشاعت، کراچی ۱۴۲۱ھ)

2 پھر لکھا کہ: "حقیقت یہ ہے کہ دنیا میں جس قدر مذاہب ہیں، سب میں خدا کو بالکل انسانی اوصاف کے ساتھ مانا گیا ہے۔ تورات میں یہاں تک ہے کہ حضرت یعقوب نے ایک رات ایک پہلوان سے کشتی لڑی اور اس کو زیر کیا۔ چنانچہ پہلوان کی ران کو صدمہ بھی پہنچا۔ صبح کو معلوم ہوا کہ وہ پہلوان خود خدا تھا۔ اسلام چونکہ تمام دنیا کے تمام مذاہب سے اعلیٰ و اکمل ہے۔ اس کا خدا انسانی اوصاف سے بالکل بری ہے۔ قرآن مجید میں ہے: "لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ" یعنی اس جیسی کوئی چیز نہیں ہے۔ اور ارشاد ہے:

"فَلَا تَجْعَلُوا لِلّٰهِ أَنْدَادًا" (البقرۃ: ۲۲)۔ (پس اللہ تعالیٰ کے لیے شریک نہ بناؤ) اللہ تعالیٰ کے لیے مثالیں اور نظیریں تلاش نہ کرو۔ اس لیے جہاں کہیں اس کے خلاف تشبیہ کے الفاظ پائے جاتے ہیں، وہ حقیقت میں مجازات اور

استعارے ہیں"۔

اسی بات کو علمائے حق نے اس طرح ادا کیا کہ ایسے الفاظ متشابہات میں داخل ہیں جن کے معانی و مطالب کو بیان نہ کر کے خدا کے علم پر محمول کر دینا چاہیے۔ لیکن فرقہ مجسمہ کے لوگ ان سے مراد اعضا اور جوارح انسانی لے کر کہتے ہیں کہ اس کے ہاتھ، پاؤں، چہرہ، آنکھ وغیرہ ہیں۔ گو ہمارے جیسے نہیں۔ اور وہ تشبیہ و تجسیم والے ہم تنزیہ والوں کو معطلہ و جہمیہ اور منکرِ صفات بتلاتے ہیں۔

3 پھر لکھا: امام غزالی نے زیادہ تر (امام ابو الحسن) اشعری ہی کے عقائد اختیار کیے ہیں۔ لیکن بہت سے ایسے مسائل ہیں جن میں انھوں نے علانیہ اشعری کی مخالفت بھی کی ہے۔ اور ان تمام مسائل میں امام صاحب ہی کا مذہب تمام اشاعرہ کا مذہب بن گیا ہے۔ مثلاً استواء علی العرش کا مسئلہ۔ امام اشعری نے اپنی تصنیفات میں تصریح کے ساتھ لکھا ہے کہ استواء کے معنی استیلاء اور قدرت کے نہیں ہیں جیسا کہ معتزلہ کا خیال ہے بلکہ وہی ظاہری معنی مراد ہیں جو عام طور پر مستعمل ہیں۔ چنانچہ کتاب المقالات میں لکھتے ہیں:

وقالت المعتزلة في قول الله عز وجل: ﴿الرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى﴾ (طه:٥) يعني استولى.

(مقالات الإسلاميين واختلاف المصلين، ص ۲۳، ۱۹۹۔ المؤلف: أبو الحسن علي بن إسماعيل بن إسحاق بن سالم بن إسماعيل بن عبد الله بن موسى بن أبي بردة بن أبي موسى الأشعري رضي الله عنه (المتوفى: ۳۲۴هـ)۔ المحقق: نعيم زرزور۔ الناشر: المكتبة العصرية۔ الطبعة: الأولى، ۱۴۲۶هـ)

ترجمہ: اور معتزلہ کہتے ہیں کہ خدا کے اس قول: ﴿الرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى﴾ (طہ:۵) میں استواء کے معنی استیلاء کے ہیں۔

لیکن امام غزالی نے اسی قول کو جس کو امام اشعری معتزلہ کی طرف منسوب کرتے ہیں، سنیوں کا صحیح عقیدہ قرار دیا۔ چنانچہ احیاء العلوم، باب قواعد العقائد میں لکھتے ہیں: استواء کا لفظ ظاہری معنی میں مستعمل نہیں ہے، ورنہ محال لازم آتا ہے بلکہ اس کے معنی

تعبیر و اختیار کئے ہیں۔

4 اسی طرح قرآن مجید میں خدا کے متعلق ید، وجہ، عین یعنی ہاتھ، منہ، آنکھ وغیرہ جو الفاظ مذکور ہیں۔ امام اشعری نے اپنی تصنیفات میں صاف تصریح کی ہے کہ حقیقی معنوں میں مستعمل ہیں۔ صرف یہ فرق ہے کہ ہمارے جیسے ہاتھ، منہ اور آنکھیں نہیں ہیں۔ لیکن امام غزالی نے "الجام العوام" وغیرہ میں صاف تصریح کی کہ ان الفاظ سے مجازی معنی مراد ہیں۔

5 ان تمام مسائل کے متعلق جو کچھ امام غزالی نے کہا وہی آج تمام اشاعرہ بلکہ تمام سنی مسلمانوں کا عقیدہ مسلمہ ہے۔

(الغزالی ص ۱۵۹، ۱۶۰ مؤلفہ علامہ شبلی نعمانی (المتوفی ۱۹۱۴ء) طبع دار الاشاعت، کراچی ۱۴۱۳ھ)

6 امام غزالی کے استوا علی العرش کے بارے میں مشہور شعر ملاحظہ ہوں:

روی أن الزمخشري سأل الإمام الغزالي عن قول القائل: "الرحمن على العرش استوى". فأجاب:

(۱) قل لمن يفهم عني ما أقول ... أترك البحث فذا شرح يطول

ترجمہ جو شخص استوا علی العرش کی حقیقت کو سمجھنا چاہتا ہے اس سے کہہ دو کہ اس کی تفتیش کو چھوڑ دو، اس کی شرح بہت طویل ہے۔

(۲) ثَم سر غامض من دونه ... ضربت بالسيف أعناق الفحول

ترجمہ یہ ایک سربستہ راز ہے جس کے سامنے بڑے بڑے علماء کی گردنیں خم ہیں۔

(۳) أنت لا تعرف إياك ولا ... تدر من أنت ولا كيف الوصول

ترجمہ اے مخاطب! تو اپنی ہی حقیقت سے واقف نہیں کہ تو کون ہے؟ اور کس طرح بنا ہے؟

(۴) لا ولا تدري صفات ركبت ... فيك حارت في خفاياها العقول

ترجمہ اور نہ ان صفات کو جانتا ہے کہ جو تیرے اندر پیوست ہیں، ان کے اسرار و دقائق کے ادراک میں عقلیں حیران ہیں۔

(۵) أين منك الروح في جوهرها ... هل تراها أو ترى كيف تجول

ترجمہ: بتاؤ کہ روح کہاں ہے؟ اور اس کی حقیقت کیا ہے؟ کیا تم اس کو دیکھتے ہو؟ اور کس طرح وہ حرکت کرتی ہے؟

(۶) أنت أكل الخبز لا تعرفه كيف يجري فيك ثم كيف يبول

ترجمہ: تمہیں تو یہ بھی اچھی طرح معلوم نہیں کہ کس طرح کھانا اندر پہنچتا ہے؟ اور کس طرح پیشاب آتا ہے؟

(۷) فإذا كانت طواياك التي بين جنبيك بها أنت جهول

ترجمہ: پس جب تم اپنے ہی پہلو میں موجود اشیاء کی حقیقت اور کنہ سے بے خبر ہو۔

(۸) كيف تدري من على العرش استوى لا تقل كيف استوى كيف النزول

ترجمہ: تو تم استواء علی العرش اور نزول الی السماء الدنیا کی کیفیت اور حقیقت کس طرح جان سکتے ہو؟!!

(۹) فهو لا كيف ولا أين له هو رب الكيف والكيف يحول

ترجمہ: خدا تعالیٰ "کیف" اور "این" سب سے منزہ ہے، اس لئے کہ وہ تو "این" اور "کیف" سب کا خالق اور رب ہے۔

(۱۰) وهو فوق الفوق لا فوق له وهو في كل النواحي لا يزول

ترجمہ: وہ فوق الفوق اور وراء الوراء ہے، اس کے اوپر کوئی نہیں، وہ ہی سب جگہ حاضر و ناظر ہے۔

(۱۱) جل ذاتاً وصفاتٍ وعلا وتعالى ربنا عما نقول

ترجمہ: حق تعالیٰ اپنی ذات و صفات میں اعلیٰ و برتر ہے۔ جو کچھ ہم کہتے ہیں، اس سب سے برتر ہے۔

(مجاني الأدب في حدائق العرب، ج ۲ ص ۳۰، المؤلف: رزق الله بن يوسف بن عبد المسيح بن يعقوب شيخو (المتوفى ۱۳۴۶ھ) الناشر: مطبعة الآباء اليسوعيين، بيروت، عام النشر ۱۹۱۳ء)

1 احیاء العلوم میں بیان کردہ عقائد

عَقِيدَةُ أَهْلِ السُّنَّةِ فِي كَلِمَتَيِ الشَّهَادَةِ الَّتِي هِيَ أَحَدُ مَبَانِي الْإِسْلَامِ

فنقول: وبالله التوفيق.

1 صفاتِ باری تعالیٰ کے بنیادی عقائد

الحمد لله، المبدئ المعيد، الفعال لما يريد، ذي العرش المجيد والبطش الشديد الهادي صفوة العبيد إلى المنهج الرشيد و المسلك السديد المنعم عليهم بعد شهادة التوحيد بحراسة عقائدهم عن ظلمات التشكيك والترديد، السالك بهم إلى اتباع رسوله المصطفى واقتفاء آثار صحبه الأكرمين المكرمين بالتأييد والتسديد المتجلي لهم في ذاته وأفعاله بمحاسن أوصافه، التي لا يدركها إلا من ألقى السمع وهو شهيد المعرف إياهم.

1 أنه في ذاته واحد لا شريك له فرد لا مثيل له، صمد لا ضد له، منفرد، لا ند له. وأنه واحد قديم، لا أول له أزلي لا بداية لَهُ مُسْتَمِرُّ الْوُجُودِ لَا آخِرَ لَهُ أَبَدِيٌّ لا نهاية له قيوم، لا انقطاع لَهُ دَائِمٌ، لَا انْصِرَامَ لَهُ، لَمْ يَزَلْ ولا يزال موصوفاً بنعوت الجلال. لَا يُقْضَى عَلَيْهِ بِالِانْقِضَاءِ وَالِانْفِصَالِ بِتَصَرُّمِ الْآبَادِ وانقراض الآجال بل هُوَ الْأَوَّلُ وَالْآخِرُ، وَالظَّاهِرُ، وَالْبَاطِنُ، وَهُوَ بِكُلِّ شيء عليم.

2 اَلتَّنْزِيهُ: وَأَنَّهُ لَيْسَ بجسم مصور، وَلَا جَوْهَر مَحْدُود مُقَدَّر. وَأَنَّهُ لَا يماثل الْأَجْسَام، لَا فِي التَّقْدِير، وَلَا فِي قبول الانقسام. وَأَنَّهُ لَيْسَ بجوهر وَلَا تحله الْجَوَاهِر وَلَا بِعَرَض وَلَا تحله الْأَعْرَاض بل لا يماثل

مَوْجُودًا، وَلَا يُمَاثِلُهُ مَوْجُودٌ لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ، وَلَا هُوَ مِثْلُ شَيْءٍ. وَأَنَّهُ لَا يَحُدُّهُ الْمِقْدَارُ، وَلَا تَحْوِيهِ الْأَقْطَارُ، وَلَا تُحِيطُ بِهِ الْجِهَاتُ، وَلَا تَكْتَنِفُهُ الْأَرَضُونَ، وَلَا السَّمٰوَاتُ. وَأَنَّهُ مستوى على الْعَرْشِ على الْوَجْهِ الَّذِي قَالَهُ، وبالمعنى الَّذِي أَرَادَهُ اسْتِوَاءً منزهاً عَنِ المماسة، والاستقرار، والتمكن، والحلول، والانتقال. لَا يحمله الْعَرْشُ بل الْعَرْشُ وَحَمَلَتُهُ محمولون بلطف قدرته. ومقهورون في قبضته. وَهُوَ فَوْقَ الْعَرْشِ وَالسَّمَاءِ، وَفَوْقَ كُلِّ شَيْءٍ، إِلَى تخوم الثرى فوقية لَا تزيده قرباً إِلَى الْعَرْشِ وَالسَّمَاءِ، كَمَا لَا تزيده بعداً عَنِ الْأَرْضِ وَالثَّرَى بل هُوَ رفيع الدَّرَجَاتِ عَنِ الْعَرْشِ وَالسَّمَاءِ، كَمَا أَنَّهُ رفيع الدَّرَجَاتِ عَنِ الْأَرْضِ وَالثَّرَى، وَهُوَ مَعَ ذٰلِكَ قريب من كُلِّ مَوْجُودٍ، وَهُوَ أَقْرَبُ إِلَى الْعَبْدِ من حبل الوريد، وَهُوَ على كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ، إِذْ لَا يماثل قربه قرب الْأَجْسَامِ، كَمَا لَا تماثل ذاته ذات الْأَجْسَامِ، وَأَنَّهُ لَا يحل فِي شَيْءٍ، وَلَا يحل فيه شَيْءٌ. تَعَالَى عَنْ أَنْ يحويه مَكَانٌ، كَمَا تقدس عَنْ أَنْ يحده زَمَانٌ، بل كَانَ قبل أَنْ خلق الزَّمَانَ وَالْمَكَانَ، وَهُوَ الْآنَ على مَا عَلَيْهِ كَانَ، وَأَنَّهُ بَائِنٌ عَنْ خلقه بصفاته. لَيْسَ فِي ذاته سواهُ، وَلَا فِي سواهُ ذاته. وَأَنَّهُ مقدس عَنِ التَّغْيِيرِ والانتقال، لَا تحله الْحَوَادِثُ، وَلَا تعتريه الْعَوَارِضُ، بل لَا يزال فِي نعوت جلاله منزهاً عَنِ الزَّوَالِ، وَفِي صِفَاتِ كماله مستغنياً عَنْ زِيَادَةِ الاستكمال، وَأَنَّهُ فِي ذاته مَعْلُومُ الْوُجُودِ بالعقول مرئي الذات بالأبصار نِعْمَةً مِنْهُ وَلُطْفاً بالأبرار فِي دَارِ الْقَرَارِ، وإتماماً مِنْهُ للنعيم بالنظر إِلَى وجهه الْكَرِيمِ.

3 الحياة والقدرة: وَأَنَّهُ تَعَالَى حَيٌّ قَادِرٌ، جَبَّارٌ، قَاهِرٌ، لَا يَعْتَرِيهِ قُصُورٌ، وَلَا عَجْزٌ، وَلَا تَأْخُذُهُ سِنَةٌ، وَلَا نَوْمٌ، وَلَا يُعَارِضُهُ فَنَاءٌ، وَلَا مَوْتٌ، وأنه ذو الملك، والملكوت، والعزة، والجبروت، له السلطان،

والقهر، والخلق والأمر، والسموات مطويات بيمينه والخلائق مقهورون في قبضته. وَأَنَّهُ الْمُنْفَرِدُ بِالْخَلْقِ وَالاخْتِرَاعِ الْمُتَوَحِّدُ بِالإِيْجَادِ وَالإِبْدَاعِ خلق الخلق وأعمالهم، وقدر أرزاقهم وآجالهم، لا يشذ عن قبضته مقدور، ولا يعزب عن قدرته تصاريف الأمور، لا تحصى مقدوراته ولا تتناهى معلوماته.

4 العلم: وَأَنَّهُ عَالِمٌ بِجَمِيعِ الْمَعْلُومَاتِ، مُحِيطٌ بِمَا يَجْرِي من تخوم الأرضين إلى أعلى السموات، وأنه عالم لَا يَعْزُبُ عَنْ عِلْمِهِ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاءِ، بَلْ يَعْلَمُ دَبِيبَ النَّمْلَةِ السَّوْدَاءِ عَلَى الصَّخْرَةِ الصَّمَّاءِ فِي اللَّيْلَةِ الظَّلْمَاءِ وَيُدْرِكُ حَرَكَةَ الذَّرِّ فِي جَوِّ الْهَوَاءِ، وَيَعْلَمُ السِّرَّ وَأَخْفَى، وَيَطَّلِعُ عَلَى هَوَاجِسِ الضَّمَائِرِ، وَحَرَكَاتِ الْخَوَاطِرِ، وَخَفِيَّاتِ السَّرَائِرِ، بِعِلْمٍ قَدِيمٍ، أَزَلِيٍّ لَمْ يَزَلْ مَوْصُوفًا بِهِ فِي أَزَلِ الآزَالِ، لا بعلم متجدد حاصل في ذاته بالحلول والانتقال.

5 الإرادة: وأنه تعالى مريد لِلْكَائِنَاتِ، مُدَبِّرٌ لِلْحَادِثَاتِ، فَلَا يَجْرِي فِي الْمُلْكِ والملكوت قليل أو كثير، صغير أو كبير، خير أو شر، نفع أو ضر، إيمان أو كفر، عرفان أو نكر، فوز أو خسران، زيادة أو نقصان، طاعة أو عصيان، إِلَّا بِقَضَائِهِ وَقَدَرِهِ وَحِكْمَتِهِ وَمَشِيئَتِهِ. فَمَا شَاءَ كَانَ، وَمَا لَمْ يَشَأْ لَمْ يَكُنْ، لا يخرج عن مشيئته لفتة ناظر، ولا فلتة خاطر، بل هو المبدئ المعيد الفعال لما يريد، لا راد لأمره ولا معقب لقضائه، ولا مهرب لعبد عن معصيته إلا بتوفيقه ورحمته.

ولا قوة له على طاعته إلا بمشيئته وإرادته، فلو اجتمع الإنس والجن والملائكة والشياطين على أن يحركوا في العالم ذرة أو يسكنوها دون إرادته ومشيئته لعجزوا عن ذلك.

وأن إرادته قائمة بذاته في جملة صفاته لم يزل كذلك موصوفاً بها. مريداً في أزله لوجود الأشياء في أوقاتها التي قدرها فوجدت في أوقاتها كما أراده في أزله من غير تقدم ولا تأخر بل وقعت على وفق علمه وإرادته من غير تبدل ولا تغير. دبر الأمور لا بترتيب أفكار ولا تربص زمان. فلذلك لم يشغله شأن عن شأن.

6 السمع والبصر: وأنه تعالى سميع بصير. يسمع ويرى، ولا يعزب عَنْ سَمْعِهِ مَسْمُوعٌ وَإِنْ خَفِيَ. وَلَا يَغِيبُ عَنْ رُؤْيَتِهِ مَرْئِيٌّ وَإِنْ دَقَّ. وَلَا يَحْجُبُ سمعه بعد ولا يدفع رؤيته ظلام. يرى من غير حدقة وأجفان ويسمع من غير أصمخة وآذان. كما يعلم بغير قلب، ويبطش بغير جارحة، ويخلق بغير آلة، إذ لا تشبه صفاته صفات الخلق، كما لا تشبه ذاته ذوات الخلق.

7 الكلام: وأنه تعالى متكلم، آمر، ناه، واعد، متوعد بكلام أزلي، قديم، قائم بذاته، لا يشبه كلام الخلق. فليس بصوت يحدث من انسلال هواء، أو اصطكاك أجرام، ولا بحرف ينقطع بإطباق شفة، أو تحريك لسان.

وَأَنَّ الْقُرْآنَ وَالتَّوْرَاةَ وَالْإِنْجِيلَ وَالزَّبُورَ كُتُبُهُ الْمُنَزَّلَةُ على رسله عليهم السلام. وأن القرآن مقروء بالألسنة، مكتوب في المصاحف، محفوظ في القلوب. وأنه مع ذلك قديم، قائم بذات الله تعالى، لا يقبل الانفصال، والافتراق بالانتقال إلى القلوب والأوراق. وأن موسى صلى الله عليه وسلم سمع كلام الله بغير صوت، ولا حرف، كما يرى الأبرار ذات الله تعالى في الآخرة من غير جوهر ولا عرض.

وإذا كانت له هذه الصفات كان حياً، عالماً، قادراً، مريداً، سميعاً، بصيراً، متكلماً، بالحياة، والقدرة، والعلم، والإرادة، والسمع،

والبصر والكلام لا بمجرد الذات

8 الأفعال: وأنّه سُبْحَانَهُ وَتَعَالَى لَا مَوْجُودَ سِوَاهُ إِلَّا وَهُوَ حَادِثٌ بِفِعْلِهِ وَفَائِضٌ مِنْ عَدْلِهِ عَلَى أَحْسَنِ الْوُجُوهِ وَأَكْمَلِهَا وَأَتَمِّهَا وَأَعْدَلِهَا وَأَنَّهُ حَكِيمٌ فى أفعاله عادل فى أقضيته لا يقاس عدله بعدل العباد: إذ العبد يتصور منه الظلم بتصرفه فى ملك غيره ولا يتصور الظلم من الله تعالى فإنه لا يصادف لغيره ملكاً حتى يكون تصرفه فيه ظلماً فَكُلُّ مَا سِوَاهُ مِنْ إِنْسٍ وَجِنٍّ وَمَلَكٍ وشيطان وسماء وأرض وحيوان ونبات وجماد وجوهر وعرض وَمُدْرَكٍ وَمَحْسُوسٍ حَادِثٌ اخْتَرَعَهُ بِقُدْرَتِهِ بَعْدَ الْعَدَمِ اخْتِرَاعًا وَأَنْشَأَهُ إِنْشَاءً بَعْدَ أَنْ لَمْ يَكُنْ شيئاً إِذْ كَانَ مَوْجُودًا وَحْدَهُ وَلَمْ يَكُنْ مَعَهُ غَيْرُهُ فَأَحْدَثَ الْخَلْقَ بَعْدَ ذَلِكَ إِظْهَارًا لِقُدْرَتِهِ وَتَحْقِيقًا لِمَا سَبَقَ مِنْ إِرَادَتِهِ وَلِمَا حَقَّ فِي الْأَزَلِ مِنْ كَلِمَتِهِ لَا لِافْتِقَارِهِ إِلَيْهِ وَحَاجَتِهِ

وَأَنَّهُ متفضل بالخلق والاختراع والتكليف لا عن وجوب وَمُتَطَوِّلٌ بِالْإِنْعَامِ وَالْإِصْلَاحِ لَا عَنْ لُزُومٍ فَلَهُ الفضل والإحسان والنعمة والامتنان إذ كان قادراً على أن يصب على عباده أنواع العذاب ويبتليهم بضروب الآلام والأوصاب. ولو فعل ذلك لكان منه عدلاً ولم يكن منه قبيحاً ولا ظلماً

وأنه عز وجل يثيب عِبَادَهُ الْمُؤْمِنِينَ عَلَى الطَّاعَاتِ بِحُكْمِ الْكَرَمِ وَالْوَعْدِ لا بحكم الاستحقاق واللزوم له إِذْ لَا يَجِبُ عَلَيْهِ لِأَحَدٍ فِعْلٌ وَلَا يُتَصَوَّرُ مِنْهُ ظُلْمٌ وَلَا يَجِبُ لِأَحَدٍ عليه حق

وأن حقه فى الطاعات وجب عَلَى الْخَلْقِ بِإِيجَابِهِ عَلَى أَلْسِنَةِ أَنْبِيَائِهِ عَلَيْهِمُ السَّلَامُ لَا بِمُجَرَّدِ الْعَقْلِ وَلَكِنَّهُ بَعَثَ الرُّسُلَ وَأَظْهَرَ صِدْقَهُمْ بِالْمُعْجِزَاتِ الظَّاهِرَةِ فَبَلَّغُوا أَمْرَهُ وَنَهْيَهُ ووعده ووعيده

فوجب على الخلق تصديقهم فيما جاءوا به.

(إحياء علوم الدين، ج١ ص٩٠، ٩١۔ المؤلف: أبو حامد محمد بن محمد الغزالي الطوسي (المتوفى ٥٠٥ھ)۔ الناشر: دار المعرفة، بيروت)

ترجمہ: اہل السنت والجماعت کے عقائد کے بیان میں جس کی بنیاد کلمہ طیبہ **لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ** ہے۔ یہ کلمہ اسلام کے بنیادی ارکان میں سے ایک ہے۔

حمد سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں، جو پیدا کرنے والا اور پھر لوٹانے والا ہے۔ جو چاہے وہی کرتا ہے۔ عظمت والے عرش کا مالک ہے اور سخت پکڑ کرنے والا ہے۔ اپنے منتخب بندوں کو راہ ہدایت اور سیدھی راہ کی طرف چلانے والا ہے۔ توحید کی شہادت دینے والوں کو شک وشبہ کے اندھیروں سے نکالتا ہے اور ان کی حفاظت کی صورت میں ان پر انعام کرتا ہے۔ انھیں اپنے چنے ہوئے رسول اکرم ﷺ کی اتباع اور آپ کے مکرم صحابہ کرام ؓ کے نقش قدم پر چلاتا ہے۔ ان پر اپنی ذات اور افعال واچھی خوبیوں کے ساتھ روشنی کرتا ہے۔ ان سب چیزوں کا ادراک فقط وہی کرسکتا ہے جو اس کی طرف دھیان کرتا ہے اور حاضر بارگاہ رہتا ہے۔ وہ انھیں اپنی ذات والا کی معرفت عطا کرتا ہے۔

1 عقیدۂ وحدانیت

یعنی اس بات سے آگاہ ہونا کہ اللہ تعالیٰ اپنی ذات میں یکتا ہے، کوئی اس کا شریک نہیں ہے۔ وہ یکتا ہے، اس جیسا کوئی نہیں۔ وہ صمد ہے، کوئی اس کا مقابل نہیں۔ منفرد ہے، کوئی اس کے جوڑ کا نہیں۔ وہ اکیلا قدیم اور ازلی ہے، جس کا اول اور ابتدا نہیں، ہمیشہ کا قائم ابدی ہے، جس کا آخر اور انتہا نہیں۔ قیوم ہے، جس کو انقطاع نہیں، اور دائم ہے جس کو کبھی فنا نہیں۔ بزرگی کی صفتوں سے موصوف ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا۔ زمانوں اور مدتوں کے گزرنے اور ختم ہوجانے سے اس کو ختم نہیں کیا جا سکتا ہو چکا بلکہ وہی اول (سب سے پہلا)، وہی آخر (سب سے آخری)، وہی ظاہر اور وہی باطن ہے، اور وہی ہر چیز کو جاننے والا ہے۔

2 تنزیہ باری تعالیٰ کا عقیدہ

اللہ تعالیٰ جسم نہیں ہے جس میں کوئی خصوصی شکل و صورت ہو، وہ ایسا جوہر بھی نہیں ہے جو
محدود و مقید ہو اور وہ مقدار بھی نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ اجسام کے مماثل نہیں ہے۔ وہ
تقدیر اور تقسیم کو قبول نہیں کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نہ جوہر ہے اور نہ جوہر کی
اصطلاح اس کے لیے جائز ہے۔ وہ عرض نہیں ہے اور نہ ہی عرض کی اصطلاح اس کے
لیے جائز ہے، بلکہ وہ کسی بھی چیز سے مشابہت نہیں رکھتا اور نہ کوئی چیز اس سے
مشابہت رکھتا ہے۔ اس کا ارشاد ہے: لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ (شوری:11)
(کوئی چیز اس کے مثل نہیں ہے) کوئی بھی چیز اس کے مثل نہیں ہے۔ وہ کسی
مقدار سے ناپا جاسکتا ہے نہ اطراف اس کا احاطہ کرسکتی ہیں۔ جہت و سمت اس کو گھیر
نہیں سکتیں۔ آسمان و زمین اس کا احاطہ نہیں کرسکتے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات عرش پر
مستوی ہے جیسا کہ اس کا فرمان ہے اور جس معنی کا اس نے ارادہ کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا
عرش پر استواء ہونا (چھونے)، استقرار، تمکن، حلول اور انتقال و حرکت سے
منزہ و پاک ہے۔ عرش اللہ تعالیٰ کی ذات کو اٹھائے ہوئے نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ عرش
اور حاملین عرش کو اپنی قدرت سے اٹھائے ہوئے ہے۔ سب اس کے قبضہ قدرت
سے مجبور و مسخر ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی ذات عرش اور آسمان بلکہ ہر چیز یہاں تک کہ تحت
الثریٰ سے بھی بہت بلند و بالا ہے۔ عرش اور آسمانوں کے قریب ہونے سے اس کی
قربت میں اضافہ نہیں ہوتا ہے اور زمین اور تحت الثریٰ سے دور ہونا اس سے دوری کا
سبب نہیں بنتی بلکہ وہ عرش اور آسمان سے بہت بلند رتبے والا ہے جیسا کہ زمین اور
تحت الثریٰ سے بھی بہت بلند رتبے والا ہے۔ اس کے باوجود وہ ہر موجود سے
بہت قریب بھی ہے۔ اور وہ انسان سے اس کی شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہے اور وہ
ہر چیز پر حاضر و ناظر بھی ہے۔ اس کی قربت اجسام کی قربت کی طرح نہیں ہے جیسا
کہ اس کی ذات اجسام کی طرح نہیں ہے۔ وہ کسی چیز میں حلول کرتا ہے اور نہ کوئی
چیز اس میں حلول کرسکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ اس سے پاک ہے کہ کوئی مکان اس کا احاطہ
کرسکے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کی ذات حدود و قیود سے پاک ہے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کی ذات

زمان ومکان کی پیدائش سے پہلے ہے، وہ آج بھی اسی طرح ہے جیسا کہ وہ پہلے تھی۔
وہ اپنی صفات کے لحاظ سے مخلوق سے جدا اور بائن ہے۔ اس کی ذات کے مثل کوئی
نہیں ہے اور مشابہت میں اس کی ذات جیسا ہے۔ اللہ تعالیٰ تغیر و انتقال سے پاک
ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات کے لیے حوادث نہیں ہو سکتے اور نہ ہی اس پر عوارض لاحق
ہو سکتے ہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ کی ذات اپنی عظمت و شان کے ساتھ ہمیشہ سے متصف
ہے۔ وہ زوال سے منزہ و بری ہے۔ وہ صفات کمال کے لحاظ سے تکمیل سے مستغنی
ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات عقلاً معلوم الوجود ہے، وہ اپنے فضل و رحمت سے قابل رؤیت
ہے۔ وہ دار القرار (جنت) میں نیک لوگوں کے ساتھ لطف و کرم کرنے والا ہے اور
اتمام نعمت کرتے ہوئے جنتیوں کے لیے وجہ کریم کا دیدار کرائے گا۔

3 صفت حیات وقدرت

بلاشبہ وہی اللہ تعالیٰ زندہ ہے اور قدرت رکھنے والا ہے۔ وہ جبار اور قاہر ہے۔ کمزوری
اور عاجزی اس کو لاحق نہیں ہوتی، نہ اسے اونگھ آتی ہے اور نہ نیند، نہ اس کے لیے فنا
اور موت ہے۔ وہ بادشاہی اور ملکوت کا مالک ہے اور عزت و جبروت والا ہے۔
سلطنت و قہر و خلق اور امر سب اسی کا ہے۔ آسمان اس کے داہنے ہاتھ میں ہے۔
مخلوقات سب کی سب اس کی مٹھی میں ہے۔ پیدا کرنے اور ایجاد کرنے میں وہ یکتا
ہے۔ کسی چیز کو ابتدائی وجود دینے اور بغیر کسی نمونے کے پیدا کرنے میں وہ منفرد ہے۔
اس نے مخلوق اور اس کے اعمال کو پیدا کیا اور ان کے رزق اور موت کا اندازہ
مقرر فرمایا۔ کوئی بھی چیز اس کے قبضہ قدرت سے باہر نہیں ہے۔ معاملات میں
تغیرات اس کی قدرت سے جدا نہیں۔ اس کے دست قدرت کی چیزیں بے شمار
ہو سکتی ہیں، نہ ہی اس کی معلومات کی کوئی حد و انتہا ہے۔

4 صفت علم

اللہ تعالیٰ سب معلومات کو جانتا ہے۔ زمین کی تہوں سے لے کر آسمان کے اوپر تک جو
کچھ ہوتا ہے سب پر محیط ہے۔ اس کے علم سے ایک ذرہ بھی آسمان اور زمین میں
پوشیدہ نہیں، بلکہ وہ رات میں سخت پتھر پر چیونٹی کے رینگنے کو اور ہوا کے بیچ میں ذرہ

سے چھپی ہوتی ہے۔ چھپی ہوئی اور کھلی ہوئی بات کو معلوم کر لیتا ہے اور دلوں کے
وسوسوں اور دلوں کی حرکات وسکنات اور باطن کے پوشیدہ راز پر مطلع ہوتا ہے۔ اس کا
علم قدیم اور ازلی ہے جس سے وہ ازل میں موصوف رہا ہے۔ اس کا علم نیا نہیں اور نہ
ہی اس کی ذات میں آنے کی وجہ سے حاصل ہوا ہے۔

5 صفتِ ارادہ

اللہ تعالیٰ نے کائنات کو ارادہ سے بنایا اور نئی پیدا ہونے والی چیزوں کا انتظام وتدبیر بھی وہی کرتا
ہے کہ ملک اور ملکوت میں جو کچھ تھوڑا یا بہت، چھوٹا یا بڑا، خیر یا شر، نفع یا نقصان،
ایمان یا کفر، معرفت یا جہالت، کامیابی یا محرومی، زیادتی یا کمی، اطاعت یا معصیت
ہوتی ہے، وہ سب اس کے فیصلے اور تقدیر، قدرت، حکمت اور مشیت کے تحت ہوتی
ہے۔ وہ جس چیز کو چاہتا ہے وہ ہو جاتی ہے اور جسے نہیں چاہتا وہ نہیں ہوتی۔ پلک کا
جھپکنا ہو یا دل میں خیال کا آنا، اس کی خواہش سے خفیہ نہیں۔ وہی ابتدائی طور پر پیدا
کرنے اور پھر قیامت کے دن لوٹانے والا ہے، وہ جو چاہتا ہے وہ کرتا ہے، کسی کو
اس کے حکم کو ٹالنے کی مجال نہیں۔ اس کے فیصلے کو کوئی پیچھے نہیں کر سکتا۔ اس کی رحمت
اور توفیق کے بغیر اس کی نافرمانی سے بچنا محال ہے۔ کسی کی اطاعت و بندگی اس کی
خواہش اور ارادے کے بغیر ممکن نہیں۔ اگر تمام انسان، جن، فرشتے اور شیطان دنیا
میں کسی ذرے کو حرکت دینے پر اتفاق کر لیں، یا اسے ختم کرنا چاہیں تو اللہ تعالیٰ کی
مشیت اور ارادے کے بغیر وہ ایسا کرنے سے عاجز رہیں گے۔ دیگر صفات کے
ساتھ ساتھ اس کا ارادہ اس کی ذات میں قائم ہے اور وہ ہمیشہ سے اس سے متصف
ہے۔ اس نے اشیاء کا وجود ازل میں ان کے اوقات پر ہونے کا ارادہ فرمایا۔ چنانچہ
ازل میں اس نے جیسا ارادہ کیا اس ارادے کے مطابق ہر چیز بغیر کسی تقدیم و تاخیر
کے اپنے وقت پر ظاہر ہوئی۔ بلکہ بغیر تغیر و تبدل کے اس کے علم و ارادے کے مطابق
واقع ہوئی۔ اس نے امور کی تدبیر اس طرح سے کی کہ اس میں افکار کی ترتیب کی
نوبت نہ آئی اور نہ ہی کسی نتیجے کا سامنا کرنا پڑا۔ اسی بنا پر اس کا کوئی کام اسے
دوسرے کام سے غافل نہیں کرتا۔

6 صفت سمع و بصر (سننا اور دیکھنا)

اللہ تعالیٰ سمیع و بصیر ہے۔ سنتا اور دیکھتا ہے۔ کوئی بات اور کوئی چیز اس کی سماعت سے باہر نہیں جاتی۔ اگرچہ وہ پوشیدہ ہو۔ اور دیکھنے کی کوئی چیز کتنی ہی باریک ہو اس کے دیکھنے سے بچ نہیں سکتی۔ دوری اس کے سننے میں حائل ہوتی ہے نہ ہی تاریکی اس کے دیکھنے میں رکاوٹ بنتی ہے۔ وہ آنکھوں کی پتلیوں اور پلکوں کے بغیر دیکھتا ہے۔ کانوں اور ان کے سوراخوں سے پاک ہے۔ جیسے وہ دل کے بغیر جانتا ہے اور کسی عضو کے بغیر پکڑتا ہے اور کسی آلے کے بغیر پیدا کرتا ہے۔ اس لیے کہ جس طرح اس کی صفتیں مخلوق کی صفتوں کی طرح نہیں ہے ویسے اس کی ذات مخلوق کی ذات کی طرح نہیں ہے۔

7 صفت کلام

اللہ تعالیٰ کلام کرنے والا، حکم دینے والا اور منع کرنے والا ہے۔ اس کا کلام ازلی اور قدیم ہے جو اس کی ذات کے ساتھ قائم ہے۔ اس کا کلام لوگوں کے کلام کے مشابہ نہیں کہ جیسے ہوا کے چلنے، ستاروں کے ٹوٹنے یا اجسام کی رگڑ سے آواز پیدا ہوتی ہے۔ وہ کلام ہونٹوں کے کھلنے یا بند ہونے سے یا زبان کی حرکت سے پیدا نہیں ہوتا۔ وہ ان سب سے منزہ ہے۔ قرآن، تورات، انجیل اور زبور اس کی کتابیں ہیں، جو اس کے انبیاء پر نازل ہوئیں۔ قرآن مجید زبانوں سے پڑھا جاتا ہے۔ اوراق پر لکھا جاتا ہے۔ اور سینوں میں محفوظ کیا جاتا ہے۔ اس کے باوجود یہ کلام قدیم ہے اور اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ قائم ہے۔ اوراق کی طرف منتقل ہوکر اس سے جدا نہیں ہوتا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کا کلام، آواز اور حروف کے بغیر سنا۔ جس طرح قیامت کے دن نیکوکار اللہ تعالیٰ کا دیدار یوں کریں گے کہ نہ تو وہ جوہر (جو خود قائم ہو) ہوگا اور نہ ہی عرض (جو دوسری چیز کے ساتھ قائم ہوتا ہے)۔ وہ جب ان صفات سے موصوف ہے تو وہ حیات اور قدرت، علم اور ارادہ، سماعت و بصارت اور کلام کی وجہ سے زندہ ہے، عالم و قادر ہے، ارادہ کرنے والا، سننے والا، دیکھنے والا اور کلام کرنے والا ہے۔ فقط اپنی ذات کی بنا پر نہیں۔

نہ ہی اس کے حوالے سے ظلم کا تصور کیا جا سکتا ہے اور نہ ہی اس پر کسی کا کوئی حق واجب ہے۔ البتہ مخلوق پر اس کی عبادتوں کا حق واجب ہے جو اس نے اپنے نبیوں کی زبانی لازم و واجب کیا اور یہ فقط عقل کی بنا پر نہیں بلکہ اس نے اپنے رسول بھیجے اور معجزوں کے ذریعے ان کی سچائی ثابت کی۔ انھوں نے اس کے امر و نہی اور وعد و وعید کو لوگوں تک پہنچایا۔ چنانچہ جو کچھ انبیاء کرام علیہم السلام لائے ہیں لوگوں کے لیے وہ احکام اور انبیاء کرام علیہم السلام کو سچا ماننا واجب ہے۔

2 صفت استواء علی العرش

الاستواء: العلم بأنّه تعالى مستوٍ على عرشه بالمعنى الّذي أراد الله تعالى بالاستواء. وهو الّذي لا ينافي وصف الكبرياء، ولا يتطرّق إليه سمات الحدوث والفناء. وهو الّذي أريد بالاستواء إلى السّماء، حيث قال في القرآن: ﴿ثمّ اسْتَوٰى إلى السّماء وهي دخان﴾. وليس ذلك إلّا بطريق القهر والاستيلاء، كما قال الشّاعر:

قد استوى بشر على العراق   من غير سيف ودم مهراق

واضطر أهل الحق إلى هذا التّأويل، كما اضطر أهل الباطل إلى تأويل قوله تعالى: ﴿وهو معكم أينما كنتم﴾. إذ حمل ذلك بالاتّفاق على الإحاطة والعلم. وحمل قوله ﷺ: قلب المؤمن بين أصبعين من أصابع الرّحمٰن. على القدرة والقهر. وحمل قوله ﷺ: الحجر الأسود يمين الله في أرضه. على التشريف والإكرام. لأنّه لو ترك على ظاهره للزم منه المحال. فكذا الاستواء، لو ترك على الاستقرار والتمكن، لزم منه كون المتمكن جسماً مماساً للعرش، إمّا مثله أو أكبر منه أو أصغر، وذلك محال، وما يؤدّي إلى المحال فهو محال.

(قواعد العقائد ص۱۲۵، ۱۹۸۶ء، المؤلف: أبو حامد محمد بن محمد الغزالي الطوسي (المتوفى: ۵۰۵ھ)، المحقق: موسى محمد علي. الناشر: عالم الكتب، لبنان، الطبعة: الثانية، ۱۴۰۵ھ، إحياء علوم الدين، ج۱ ص۱۰۶، المؤلف: أبو حامد محمد بن محمد الغزالي الطوسي (المتوفى: ۵۰۵ھ)، الناشر: دار المعرفة، بيروت)

ترجمہ: اس بات کا جاننا کہ اللہ تعالیٰ عرش پر مستوی ہیں اس معنی کے ساتھ جو اللہ تعالیٰ نے استواء سے مراد لیے ہیں۔ یعنی وہ معنی جو اللہ تعالیٰ کی صفتِ کبریائی کے منافی نہیں، اور نہ وہ معنی جس میں حدوث و فناء کی علامات ہوں، وہ عرش سے ہے اور وہی معنی آسمان پر مستوی ہونے سے مقصود ہیں۔ وہ معنی جس کا اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں ارادہ کیا ہے:

ثُمَّ اسْتَوَىٰ إِلَى السَّمَاءِ وَهِيَ دُخَانٌ فَقَالَ لَهَا وَلِلْأَرْضِ ائْتِيَا طَوْعًا أَوْ كَرْهًا قَالَتَا أَتَيْنَا طَائِعِينَ. (حٰم سجدہ: ۱۱)

ترجمہ: پھر وہ آسمان کی طرف متوجہ ہوا، جب کہ وہ اس وقت دھوئیں کی شکل میں تھا، اور اس سے اور زمین سے کہا:

"چلے آؤ، چاہے خوشی سے یا زبردستی"۔ دونوں نے کہا: "ہم خوشی خوشی آتے ہیں"۔

یہاں استواء تصرف و تسخیر، قہر اور غلبے کے اعتبار سے ہو سکتے ہیں۔ جیسا کہ شاعر نے کہا ہے:

؎ **قَدِ اسْتَوَىٰ بِشْرٌ عَلَى الْعِرَاقِ ۔۔۔ مِنْ غَيْرِ سَيْفٍ وَدَمٍ مُهْرَاقِ**

بشر نے عراق پر بغیر تلوار اٹھائے اور خون بہائے غلبہ حاصل کر لیا۔

اہلِ حق نے اس آیت میں اسی طرح تاویل کی ہے جیسا کہ اہلِ باطل نے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان: "**وَهُوَ مَعَكُمْ أَيْنَ مَا كُنْتُمْ**" میں تاویل کی ہے۔ یہاں بالاتفاق احاطہ علمی اور علمی معیت مراد ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان:

"**قَلْبُ الْمُؤْمِنِ بَيْنَ إِصْبَعَيْنِ مِنْ أَصَابِعِ الرَّحْمٰنِ**"

ترجمہ: مومن کا دل اللہ تعالیٰ کی دو انگلیوں کے درمیان ہے۔

یہاں بھی اللہ تعالیٰ کی قدرت اور تعظیم مراد ہے۔

اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان:

"الحجر الأسود يمين الله في أرضه"

ترجمہ: حجر اسود زمین میں اللہ تعالیٰ کا دایاں ہاتھ ہے۔

یہاں بھی حجر اسود کی عزت وشرف اور اکرام کا بیان ہے۔

ان دونوں حدیثوں کو بھی اگر تجسیم پر اس لیے محمول کیا جائے کہ یہاں ظاہری معنی مراد لیا جائے تو اس سے محال لازم آتا ہے۔ اسی طرح "استواء علی العرش" کو استقرار (ٹھہرنے) اور تمکن (جگہ پکڑنے) کے معنی میں لیا جائے تو اس سے اللہ تعالیٰ کے لیے جسم، تمکن اور مکان (جگہ) کا اثبات ہوگا جو اس کے برابر ہو یا اس سے بڑا ہو یا اس سے چھوٹا ہو، اور یہ محال ہے اور جو محال کا سبب ہے وہ بھی محال ہوتا ہے۔

3 اللہ تعالیٰ بغیر جہت اور مکان کے موجود ہیں

١ العلم: بأن الله تعالى منزه الذات عن الاختصاص بالجهات فإن الجهة إما فوق وإما أسفل وإما يمين وإما شمال أو قدام أو خلف وهذه الجهات هو الذي خلقها وأحدثها بواسطة خلق الإنسان إذ خلق له طرفين أحدهما يعتمد على الأرض ويسمى رجلاً والآخر يقابله ويسمى رأساً

٢ فحدث اسم الفوق لما يلي جهة الرأس واسم السفل لما يلي جهة الرجل حتى إن النملة التي تدب منكسة تحت السقف تنقلب جهة الفوق في حقها تحتاً وإن كان في حقنا فوقاً

٣ وخلق للإنسان اليدين وإحداهما أقوى من الأخرى في الغالب فحدث اسم اليمين للأقوى واسم الشمال لما يقابله وتسمى الجهة التي تلي اليمين يميناً والأخرى شمالاً وخلق له جانبين يبصر من

أحدهما ويتحرك إليه فحدث اسم القدام للجهة التي يتقدم إليها بالحركة واسم الخلف لما يقابلها فالجهات حادثة بحدوث الإنسان ولو لم يخلق الإنسان بهذه الخلقة بل خلق مستديراً كالكرة لم يكن لهذه الجهات وجود ألبتة

۴ فكيف كان في الأزل مختصاً بجهة والجهة حادثة وكيف صار مختصاً بجهة بعد أن لم يكن له أبأن خلق العالم فوقه ويتعالى عن أن يكون له فوق إذ تعالى أن يكون له رأس والفوق عبارة عما يكون جهة الرأس أو خلق العالم تحته فتعالى عن أن يكون له تحت إذ تعالى عن أن يكون له رجل والتحت عبارة عما يلي جهة الرجل وكل ذلك مما يستحيل في العقل ولأن المعقول من كونه مختصاً بجهة أنه مختص بحيز اختصاص الجواهر أو مختص بالجواهر اختصاص العرض وقد ظهر استحالة كونه جوهراً أو عرضاً فاستحال كونه مختصاً بالجهة وإن أريد بالجهة غير هذين المعنيين كان غلطاً في الاسم مع المساعدة على المعنى ولأنه لو كان فوق العالم لكان محاذياً له وكل محاذ لجسم فإما أن يكون مثله أو أصغر منه أو أكبر وكل ذلك تقدير محوج بالضرورة إلى مقدر ويتعالى عنه الخالق الواحد المدبر.

۵ فأما رفع الأيدي عند السؤال إلى جهة السماء فهو لأنها قبلة الدعاء. وفيه أيضاً إشارة إلى ما هو وصف للمدعو من الجلال والكبرياء تنبيهاً بقصد جهة العلو على صفة المجد والعلاء فإنه تعالى فوق كل موجود بالقهر والاستيلاء.

(احیاء علوم الدین ج ۱ ص ۱۰۸، المؤلف: ابو حامد محمد بن محمد الغزالی الطوسی (المتوفی ۵۰۵ھ)، الناشر: دار المعرفة، بیروت)

ترجمہ: جاننا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات جہت کی خصوصیت سے پاک ہے۔ اس لیے کہ

اطراف چھ ہیں: اوپر، نیچے، دائیں، بائیں، آگے، پیچھے۔ یہ سب اطراف اللہ تعالیٰ ہی نے پیدا فرمائی ہیں اور ان اطراف کا انسان کی پیدائش کے رابطے سے بتایا ہے۔

☆ اللہ تعالیٰ نے انسان کی دو طرفیں ایسی بنائی ہیں کہ ایک زمین پر ٹکے، اس کو پاؤں کہتے ہیں اور دوسری اس کے بالمقابل، جس کا نام سر ہے۔ لہٰذا فوق اس جہت کے لیے بنا جو سر کی طرف ہے اور تحت اس کا نام ہوا جو پاؤں کی طرف ہے۔ یہاں تک کہ چیونٹی اگر چھت میں الٹی ہو کر چلے تو اس کے حق میں چھت کی جانب تحت ہو جائے گی۔ گو ہماری نسبت سے وہ فوق ہوا کرتی ہے۔

☆ انسان کے لیے دو ہاتھ اللہ تعالیٰ نے بنائے کہ اکثر ان میں سے ایک بہ نسبت دوسرے کے قوی تر ہوتا ہے۔ تو جو قوی تر تھا اس کے لیے یمین نام ہوا اور اس کے مقابل کا نام شمال رکھا گیا اور جو جہت دائیں ہاتھ سے ملی ہے اس کا نام یمین اور دوسری کا نام شمال ہوا۔

☆ اور اس کے لیے دو جانب بنائے کہ ایک طرف سے دیکھتا ہے اور اس طرف کو چلتا ہے تو جس طرف کو چلتا ہے اس کا نام آگے اور اس کے مقابل کا نام خلف ٹھہرا۔

پس یہ چھ اطراف انسان کے پیدا ہونے سے پیدا ہوئیں۔ اگر انسان بالفرض اس وضع پر پیدا نہ ہوتا بلکہ مثل گیند کے ہوتا تو ان جہتوں کا وجود بھی نہ ہوتا۔ پس اللہ تعالیٰ ازل میں کسی جہت سے خاص کس طرح ہو سکتا ہے؟ کیونکہ جہتیں تو حادث ہیں۔ اور اب کس طرح کسی خاص جہت کے ساتھ مختص ہو سکتا ہے؟ انسان کی پیدائش کے بعد تو فوق کی سمت سے ہوتا۔ اور اللہ تعالیٰ منزہ ہے اس بات سے کہ اس کے لیے فوق ہو کیونکہ وہ اس بات سے برتر ہے کہ اس کا سر ہو اور فوق اسی جہت کو کہتے ہیں جو سر کی جانب ہو۔ اسی طرح اس کے لیے تحت بھی نہیں کیونکہ تحت اس سمت کا نام ہے جو پاؤں کی جانب ہو، اور اللہ تعالیٰ پاؤں سے بری ہے۔ اور یہ سب باتیں عقل میں آنے والی نہیں بلکہ اس کے نزدیک محال ہیں۔ اور ایک وجہ یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کسی جہت سے مختص ہو کہ یوں عقل میں آتا ہے، یا تو جسم کی طرح اپنے حیز سے مخصوص رہے، یا اعراض کی طرح کسی دوسرے سے مختص ہو اور چونکہ اس کا جوہر اور

عرش ہو تو دونوں محال ہیں جیسے کہ اس کا مخصّص ہونا جہت سے بھی محال ہے۔

اور اگر جہت کے معنی علاوہ ان دونوں کے کچھ اور معانی لیے جائیں تو وہ لفظ کے اعتبار سے غلط ہوں گے؛ یعنی: اسے جہت نہیں کہا جائے گا اگرچہ معنی درست رہتے ہوں۔ اور ایک وجہ یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ عالم کے اوپر ہوتا تو اس کے مقابل ہوتا۔ اور جو شے کسی شے کے محاذی (مقابل) ہو تو اس کی مثل ہوگی یا اس سے چھوٹی ہوگی یا بڑی۔ اور یہ ساری صورتیں کسی مقدار کی محتاج ہوتی ہیں۔ جب کہ اللہ تعالیٰ کی ذات جو خالق اور واحد ہے اور تدبیر فرمانے والا ہے وہ اس سے بالاتر ہے۔

ایک اشکال کی وضاحت

اب رہا یہ سوال کہ دعا کے وقت ہاتھ آسمان کی طرف کیوں اٹھاتے ہیں؟ تو اس کی وجہ یہ ہے کہ دعا کا قبلہ وہی سمت ہے۔ اور اس میں یہ بھی اشارہ ہے کہ جس سے دعا کی طلب ہے، اس میں صفت جلال اور کبریائی کی ہے۔ اس لیے کہ بلندی کی جہت بزرگی اور برتری پر دلالت کرتی ہے۔ اللہ تعالیٰ تو بزرگی اور غلبے کی جہت سے ہر ایک موجود سے بالا ہے

4 رؤیت باری تعالیٰ بغیر کیفیت اور صورت کے ہوگی

الأصل التاسع: العلم بأنه تعالى مع كونه منزهاً عن الصورة والمقدار مقدساً عن الجهات والأقطار مرئي بالأعين والأبصار في الدار الآخرة دار القرار. لقوله تعالى: "وجوه يومئذ ناضرة إلى ربها ناظرة". ولا يرى في الدنيا تصديقاً لقوله عز وجل: "لا تدركه الأبصار وهو يدرك الأبصار". ولقوله تعالى في خطاب موسى عليه السلام: "لن تراني". وليت شعري! كيف عرف المعتزل من صفات رب الأرباب ما جهله موسى عليه السلام. وكيف سأل موسى عليه السلام الرؤية مع كونها محالاً. ولعل الجهل بذوي البدع والأهواء من الجهلة الأغبياء أولى من الجهل

بالأنبياء صلوات الله عليهم.

وأما وجه إجراء آية الرؤية على الظاهر فهو أنه غير مؤد إلى المحال فإن الرؤية نوع كشف وعلم إلا أنه أتم وأوضح من العلم فإذا جاز تعلق العلم به وليس في جهة جاز تعلق الرؤية به وليس بجهة وكما يجوز أن يرى الله تعالى الخلق وليس في مقابلتهم جاز أن يراه الخلق من غير مقابلة وكما جاز أن يعلم من غير كيفية وصورة جاز أن يرى كذلك.

(احياء علوم الدين ج۱ ص۱۰۸، المؤلف: ابو حامد محمد بن محمد الغزالي الطوسي رحمه الله (المتوفى ۵۰۵ھ)، الناشر: دار المعرفة، بيروت)

ترجمہ: اس بات سے آگاہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ اگرچہ صورت اور مقدار سے پاک ہے۔ اور جہات اور سمتوں سے بھی پاک ہے لیکن قیامت کے دن سر کی آنکھوں سے دیکھا جا سکے گا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وُجُوهٌ يَوْمَئِذٍ نَاضِرَةٌ. إِلَىٰ رَبِّهَا نَاظِرَةٌ. (قیامہ: ۲۲، ۲۳)

ترجمہ: اس دن کچھ چہرے تر و تازہ ہوں گے، اپنے رب کی طرف دیکھتے ہوئے۔

لیکن اسے دنیا میں نہیں دیکھا جا سکتا جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

لَا تُدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْأَبْصَارَ. وَهُوَ اللَّطِيفُ الْخَبِيرُ.

(الانعام: ۱۰۳)

ترجمہ: نگاہیں اس کو نہیں پا سکتیں، اور وہ تمام نگاہوں کو پالیتا ہے۔ اس کی ذات اتنی ہی لطیف ہے، اور وہ اتنا ہی باخبر ہے۔

اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو خطاب کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

لَنْ تَرَانِي

ترجمہ: تم مجھے ہرگز نہیں دیکھ سکو گے۔

پوری آیت مبارکہ یوں ہے:

وَلَمَّا جَاءَ مُوسَىٰ لِمِيقَاتِنَا وَكَلَّمَهُ رَبُّهُ قَالَ رَبِّ أَرِنِي أَنْظُرْ إِلَيْكَ قَالَ

لَن تَرَانِي وَلَٰكِنِ انظُرْ إِلَى الْجَبَلِ فَإِنِ اسْتَقَرَّ مَكَانَهُ فَسَوْفَ تَرَانِي ۚ فَلَمَّا تَجَلَّىٰ رَبُّهُ لِلْجَبَلِ جَعَلَهُ دَكًّا وَخَرَّ مُوسَىٰ صَعِقًا ۚ فَلَمَّا أَفَاقَ قَالَ سُبْحَانَكَ تُبْتُ إِلَيْكَ وَأَنَا أَوَّلُ الْمُؤْمِنِينَ (الاعراف: ۱۴۳)

ترجمہ: اور جب حضرت موسیٰ علیہ السلام ہمارے مقررہ وقت پر پہنچے، اور اُن کا رب اُن سے ہم کلام ہوا تو وہ کہنے لگے: "میرے پروردگار! مجھے دیدار کرا دیجئے کہ میں آپ کو دیکھ لوں"۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "تم مجھے ہرگز نہیں دیکھ سکو گے۔ البتہ پہاڑ کی طرف نظر اٹھاؤ۔ اس کے بعد اگر وہ اپنی جگہ برقرار رہا تو تم مجھے دیکھ لو گے"۔ پھر جب اُن کے رب نے پہاڑ پر تجلی فرمائی تو اس کو ریزہ ریزہ کر دیا۔ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام بے ہوش ہو کر گر پڑے۔ بعد میں جب انہیں ہوش آیا تو انہوں نے کہا: "پاک ہے آپ کی ذات! میں آپ کے حضور توبہ کرتا ہوں۔ اور میں سب سے پہلے ایمان لاتا ہوں"۔

اب کہنے کی بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی جس صفت کے بارے میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو سمجھ نہ ہو، اس کی معتزلہ کو کیسے پہچان ہو گئی۔ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دیدار کے محال ہونے کے باوجود کس طرح سے اللہ تعالیٰ کے دیدار کے لیے سوال کیا۔ اس سے تو یہی ظاہر ہوتا ہے کہ جس بات سے انبیاء علیہم السلام بے خبر رہے، اس سے خواہشوں کے پجاری اور گمراہ کن اہل بدعت، بدرجہ اولیٰ جاہل ہیں۔

اور یوم آخرت میں اللہ تعالیٰ کے دیدار سے متعلق آیت کو ظاہر پر اس لیے محمول کیا جاتا ہے کہ اس کے دیکھنے سے محال لازم نہیں ٹھہرتا۔ اس لیے کہ دیکھنا ایک طرح کا کشف اور علم ہے۔ ان میں فرق اس قدر ہے کہ یہ علم سے زیادہ واضح ہے۔ علم کا تعلق جب اللہ تعالیٰ سے ہو سکتا ہے اور جہت کے ساتھ مخصوص نہیں، اور:

☆ جس طرح یہ درست ہے کہ اللہ تعالیٰ مخلوق کو دیکھتا ہے، حالانکہ وہ ان کے مقابل نہیں ہے۔

☆ یہ بھی درست ہے کہ مخلوق اسے دیکھتی ہے حالانکہ وہ اس کے مقابل نہیں ہے۔

اور جیسے اسے کسی کیفیت اور صورت کے بغیر جانا جا سکتا ہے، ویسے ہی اسے کسی کیفیت اور صورت کے دیکھا بھی جا سکتا ہے۔

5 اللہ تعالیٰ کی صفتِ کلام

الأصل السادس: أنه سبحانه وتعالى متكلم بكلام وهو وصف قائم بذاته ليس بصوت ولا حرف بل لا يشبه كلامه كلام غيره كما لا يشبه وجوده وجود غيره.

والكلام بالحقيقة كلام النفس. وإنما الأصوات قطعت حروفاً للدلالات كما يدل عليها تارة بالحركات والإشارات وكيف التبس هذا على طائفة من الأغبياء ولم يلتبس على جهلة الشعراء حيث قال قائلهم:

إن الكلام لفي الفؤاد وإنما   جعل اللسان على الفؤاد دليلا

ومن لم يعقله عقله ولا نهاه نهاه عن أن يقول لساني حادث ولكن ما يحدث فيه بقدرتي الحادثة قديم فاقطع عن عقلة طمعك وكف عن خطابه لسانك.

ومن لم يفهم أن القديم عبارة عما ليس قبله شيء. وأن الباء قبل السين في قولك بسم الله فلا يكون السين المتأخر عن الباء قديماً فنزه عن الالتفات إليه قلبك فلله سبحانه سر في إبعاد بعض العباد ومن يضلل الله فما له من هاد. ومن استبعد أن يسمع موسى عليه السلام في الدنيا كلاماً ليس بصوت ولا حرف فليستنكر أن يرى في الآخرة موجوداً ليس بجسم ولا لون وإن عقل أن يرى ما ليس بلون ولا جسم ولا قدر ولا كمية وهو إلى الآن لم ير غيره فليعقل في حاسة السمع ما عقله في حاسة البصر. وإن عقل على أن يكون له علم واحد هو علم بجميع الموجودات فليعقل صفة واحدة للذات هو كلام بجميع ما دل عليه من العبارات.

وإن عقل كون السموات السبع وكون الجنة والنار مكتوبة في ورقة صغيرة ومحفوظة في مقدار ذرة من القلب وأن كل ذلك مرئي في مقدار عدسة من الحدقة من غير أن تحل ذات السموات والأرض والجنة والنار في الحدقة والقلب والورقة فليعقل كون الكلام مقروءاً بالألسنة محفوظاً في القلوب مكتوباً في المصاحف من غير حلول ذات الكلام فيها إذ لو حلت بكتاب الله ذات الكلام في الورق لحل ذات الله تعالى بكتابة اسمه في الورق وحلت ذات النار بكتابة اسمها في الورق ولاحترق.

الأصل السابع: أن الكلام القائم بنفسه قديم. وكذا جميع صفاته إذ يستحيل أن يكون محلاً لحوادث داخلاً تحت التغير بل يجب للصفات من نعوت القدم ما يجب للذات فلا تعتريه التغيرات ولا تحله الحادثات بل لم يزل في قدمه موصوفاً بمحامد الصفات ولا يزال في أبده كذلك منزهاً عن تغير الحالات لأن ما كان محل الحوادث لا يخلو عنها وما لا يخلو عن الحوادث فهو حادث.

وإنما ثبت نعت الحدوث للأجسام من حيث تعرضها للتغير وتقلب الأوصاف فكيف يكون خالقها مشاركاً لها في قبول التغير ويبتنى على هذا أن كلامه قديم قائم بذاته وإنما الحادث هي الأصوات الدالة عليه وكما عقل قيام طلب التعلم وإرادته بذات الوالد للولد قبل أن يخلق ولده حتى إذا خلق ولده وعقل وخلق الله له علماً متعلقاً بما في قلب أبيه من الطلب صار مأموراً بذلك الطلب الذي قام بذات أبيه ودام وجوده إلى وقت معرفة ولده له فليعقل قيام الطلب الذي دل عليه قوله عز وجل: "اخلع نعليك" بذات الله ومصير موسى عليه السلام مخاطباً به بعد وجوده إذ خلقت له معرفة بذلك الطلب وسمع لذلك الكلام

القدیم۔ (احیاء علوم الدین ج ۱ ص ۱۰۴،۱۱۰)

ترجمہ: اس بات سے آگاہ ہونا کہ

1 اللہ تعالیٰ کلام کرتا ہے، کلام نفسی یعنی اس کی ذات سے قائم ہے جو آواز اور الفاظ کے بغیر قائم ہے بلکہ

۱ اس کا کلام کسی کلام کے مشابہ نہیں۔

۲ جیسے کہ اس کا وجود دوسرے موجودوں کی مانند نہیں۔

اصل میں کلام وہی ہے جو نفس کے اندر ہے، حروف اور آواز تو اسے بتانے والے کے لیے ہیں۔ جیسے حرکات اور اشارے سے بسا اوقات بات سمجھ میں آ جاتی ہے۔ میں نہیں جانتا کہ یہ بات بعض بیوقوفوں پر کیسے مخفی ہوئی؟!! حالانکہ جاہلوں کی عقل سمجھاتی ہے یہ بات کہنے سے نہ رکے کہ میری زبان حادث ہے لیکن میری قدرت حادثہ کے باعث پیدا ہونے والا کلام قدیم ہے۔ تو اس کی عقل سے طمع ختم کر ڈال، اور اس کے ساتھ اپنی زبان سے خطاب کلام روک دے، اور جو یہ بات نہ سمجھ سکے کہ قدیم تو وہ ہے جس سے پہلے کوئی شے نہ ہو، اور "بسم اللہ" میں "سین" ہے اس سے پہلے "ب" ہے۔ اس لیے "سین" قدیم نہیں ہو سکتا تو ایسے شخص کی طرف دھیان دینے سے اپنے دل کو پاک کر لے، بعض بندوں کو (مطالب سے) دور رکھنے میں بھی اللہ تعالیٰ کی کوئی حکمت ہے، کوئی راز ہے۔ جسے وہ گمراہ کر دے اسے کوئی ہدایت نہیں دے سکتا۔

جو شخص اس بات کو عقل سے دور سمجھتا ہے کہ حضرت موسیٰ ﷺ نے دنیا میں کوئی ایسا کلام سنا جو آواز اور حروف کے بغیر ہو، تو وہ اس بات کا بھی انکار کر دے کہ روز آخرت میں ایک ذات دیکھے گا جس کا نہ جسم ہے نہ کوئی رنگ۔ اس کی عقل میں اگر یہ بات آتی ہے کہ وہ ایسی ذات دیکھے گا جو رنگ، جسم، مقدار اور کیفیت سے پاک ہے جب کہ ابھی تک ایسی کوئی شے اس کے دیکھنے میں نہیں آئی، تو یہی بات سننے کے معاملے میں بھی سمجھنی چاہیے، کہ دیکھنے کے معاملے میں سمجھ کی ہو اور اس کی سمجھ میں یہ بات آ گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ کو علم ہے وہ اس کے ساتھ سب موجودات کو جانتا ہے۔

تو اسے بھی اس کی ذات کے ساتھ ایک صفت سمجھنا چاہیے، جس کے ذریعے وہ کلام کرتا ہے۔ جس کی بدولت اس کی ساری باتیں عبارتوں سے سمجھی جاتی ہیں۔ اگر یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ ساتوں آسمان و زمین اور جنت و دوزخ ایک چھوٹے سے کاغذ پر لکھے جاتے ہیں اور دل میں ذرا سی جگہ میں سمائے رہتے ہیں۔ اور یہ سب چیزیں آنکھ کی پتلی سے دکھائی دیتی ہیں۔ لیکن آسمان و زمین اور جنت و دوزخ آنکھ کی پتلی اور کاغذ اور دل میں نہیں ہوتے۔ اسی طرح اس بات کو بھی سمجھنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کا کلام زبان کے ذریعے پڑھا جاتا ہے۔ دلوں میں محفوظ ہوتا ہے اور مصاحف میں لکھا جاتا ہے۔ لیکن کلام بذاتہ ان چیزوں میں داخل نہیں ہو جاتا۔ اس لیے کہ لکھنے سے اگر اللہ تعالیٰ کا کلام کاغذ پر آ جائے تو اللہ تعالیٰ کا نام لکھنے سے اس کی ذات بھی کاغذ پر آنی چاہیے۔ اسی طرح آگ کا نام لکھنے سے آگ بذاتہ کاغذ پر آ جائے تو کاغذ کو جلا کر راکھ کر دے۔

2 یہ جاننا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کا کلام اس کی ذات کے ساتھ قائم ہے اور قدیم ہے۔ اسی طرح اس کی دوسری صفات بھی ہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا حوادث کے لیے محل ہونا محال اور ناممکن ہے۔ کیونکہ حوادث میں تبدیلی آتی رہتی ہے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کی ذات کی طرح اس کی صفات کے لیے بھی قدیم ہونا واجب ہے۔ اس لیے اس میں تبدیلی نہیں ہو سکتی۔ اور نہ اس ذات میں کوئی حادث چیز آ سکتی ہے بلکہ وہ ہمیشہ سے حسین خوبیوں کے ساتھ متصف رہا ہے۔ اور ہمیشہ کے لیے اسی طرح رہے گا۔ وہ حالات کی تبدیلی سے پاک ہے۔ اس لیے کہ جو چیز حوادث کا محل ہوگی وہ ان سے محفوظ نہ رہے گی۔ اور جو چیز حوادث سے خالی نہ ہو وہ بذاتِ خود حادث ہے۔ اجسام اسی بنا پر حادث ہیں کہ ان میں تبدیلی آتی رہتی ہے۔ اور ان کی خوبیوں میں تبدیلی آتی رہتی ہے۔ اجسام کا خالق ان کی تبدیلی کو قبول کرنے میں ان کے ساتھ کیسے شریک ہو سکتا ہے؟!! چنانچہ یہ بات ثابت ہوئی کہ اللہ تعالیٰ کا کلام قدیم ہے اور اس کی ذات کے ساتھ قائم ہے۔ فقط آوازیں حادث ہیں جو اس کلام پر دلالت کرتی ہیں۔ جیسے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ بچے کی پیدائش سے پہلے باپ بچے کے لیے علم کا شوق، طلب اور ارادہ رکھتا ہے حتیٰ

کہ بچہ جب پیدا ہوتا ہے اور کچھ بڑا ہونے لگتا ہے تو وہ شخص اس کے باپ کے دل میں
حق اللہ تعالیٰ اس کے لئے وہ علم پیدا کر دیتا ہے۔ چنانچہ وہ علم کی طلب پر موجود ہوتا
ہے۔ جو اس کے باپ کے ساتھ قائم تھی اور جب تک وہ بچہ اسے نظر آتا رہے گا تب
تک یہ علم باقی رہے گا۔ اسی طرح اس بات کی تحقیق کا آلہ جو ہے ۔۔۔
ارشاد باری تعالیٰ دلالت کرتا ہے:

فَاخْلَعْ نَعْلَيْكَ (طہ:۱۲)

ترجمہ: آپ اپنے جوتے اتار دیں۔

یہ بات اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ قائم ہے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ یہ
خطاب آپ کے وجود کے بعد ہوا۔ لیکن جب آپ میں اس بات کے سمجھنے کی استعداد
اور معرفت پیدا ہو گئی۔ پھر اس قدیم کلام کے سننے والے کان عطا فرما دیئے۔

2 الاقتصاد فی الاعتقاد میں صفت استواء العرش

ندعي: أن الله تعالى منزه عن أن يوصف بالاستقرار على العرش،
فإن كل متمكن على جسم ومستقر عليه مقدر لا محالة.
فإنه إما أن يكون أكبر منه، أو أصغر، أو مساوياً، وكل ذلك لا يخلو
عن التقدير. وأنه لو جاز أن يماسه جسم من هذه الجهة... لجاز
أن يماسه من سائر الجهات، فيصير محاطاً به، والخصم لا يعتقد
ذلك بحال، وهو لازم على مذهبه بالضرورة
وعلى الجملة يستقر على الجسم إلا جسم، ولا يحل فيه إلا عرض،
وقد بان أنه تعالى ليس بجسم ولا عرض فلا يحتاج إلى إفراد
هذه الدعوى بإقامة البرهان. فإن قيل فما معنى قوله تعالى:
«الرحمن على العرش استوى»
أما الاستواء: فهو نسبة للعرش لا محالة. ولا يمكن أن يكون
للعرش إليه نسبة إلا بكونه: معلوماً، أو مراداً، أو مقدوراً عليه،

أو محلاً مثل محل العرض، أو مكاناً مثل مستقر الجسم.

ولكن بعض هذه النسبة تستحيل عقلاً وبعضها لا يصلح اللفظ للاستعارة له. فإن كان في جملة هذه النسب - مع أنه لا نسبة سواها - نسبةٌ لا يحيلها العقل ولا ينبو عنها اللفظ.. فليعلم أنها المراد.

١ إما كونه مكاناً أو محلاً. كما كان للجوهر والعرض فاللفظ يصلح له ولكن العقل يحيله كما سبق.

٢ وإما كونه معلوماً ومراداً.. فالعقل لا يحيله، ولكن اللفظ لا يصلح له.

٣ وإما كونه مقدوراً عليه، وواقعاً في قبضة القدرة ومسخراً لها مع أنه أعظم المقدورات، ويصلح الاستيلاء عليه؛ لأن يُتمدَّح به ويُنبَّه به على غيره الذي هو دونه في العظم.. فهذا مما لا يحيله العقل ويصلح له اللفظ. فأخلق بأن يكون هو المراد قطعاً.

٤ أما صلاح اللفظ له... فظاهر عند الخبير بلسان العرب، وإنما ينبو عن مثل هذا أفهامُ المتطفلين على لغة العرب، الناظرين إليها من بعيد، الملتفتين إليها التفات العرب إلى لسان الترك حيث لم يتعلموا منها إلا أوائله!

فمن المستحسن في اللغة أن يقال: استوى الأمير على مملكته؛ حتى قال الشاعر:

قد استوى بشر على العراق من غير سيف ودم مهراق

ولذلك قال بعض السلف رضي الله عنهم: أفهم من قوله تعالى: "الرحمن على العرش استوى" ما فهم من قوله تعالى: "ثم استوى إلى السماء وهي دخان".

(١) الاقتصاد في الاعتقاد ص ١٢١:٥، ٢٠١٣ ـ المؤلف: أبو حامد محمد بن محمد

الغزالی الطوسی رحمہ اللہ (المتوفی ۵۰۵ھ) وضع حواشیہ: انس محمد عدنان الشرقاوی۔ الناشر: دار المنہاج، بیروت، لبنان۔ الطبعۃ: الاولیٰ، ۱۴۲۹ھ)

ترجمہ: ہم اس بات کا برملا اظہار کرتے ہیں: اللہ تعالیٰ اس بات سے منزہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی یہ صفت بیان کی جائے کہ اللہ تعالیٰ عرش پر استقرار کیے ہوئے ہیں۔ اس لیے کہ جو وہ جو کسی جسم پر متمکن اور مستقر ہو، لازمی طور پر وہ مقداری ہوگا۔ اور وہ تین حالتوں سے خالی نہ ہوگا: یا تو وہ اس چیز سے بڑا ہوگا، یا چھوٹا ہوگا، یا مساوی۔ یہ سب مقداری ہونے سے خالی نہیں ہیں۔ اس لیے بھی کہ اگر اس بات کو جائز مانا جائے کہ جسم اس طرف سے مس کر رہا ہے تو اس بات کو بھی ماننا جائز ہوگا کہ تمام اطراف سے مس کر رہا ہے۔ پس وہ جسم تو محاط (محیط کیا ہوا) ہوگا۔ فریق مخالف بھی کسی صورت میں اس کا اعتقاد نہیں کرے گا، حالانکہ یہ بات تو ان کے مذہب کا لازمہ معلوم ہو جائے گا۔

خلاصہ یہ کہ جسم ہی جسم پر مستقر ہوتا ہے، اور کسی جگہ اترنے والا ہمیشہ عرض ہی ہوتا ہے۔ یہ بات تسلیم شدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات اقدس نہ جسم ہے اور نہ عرض۔ پس اس قسم کے دعووں پر دلیل قائم کرنے کی کوئی ضرورت بھی نہیں ہے۔

اگر کوئی کہے کہ پھر اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کا کیا مطلب ہے؟

اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى (سورۃ طٰہٰ: ۵)

ترجمہ: وہ بڑی رحمت والا عرش پر استواء فرمائے ہوئے ہے۔

پس "استواء" میں تو عرش کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف ہے۔ عرش کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف نہیں ہوتی مگر: معلوم طریقے سے، یا معنی و مراد کے لحاظ سے، یا اللہ تعالیٰ کے اس پر قدرت و سلطنت ہو، یا اجسام عرش کی طرح، یا مکان کے لحاظ سے جیسے جسم کا استقرار ہوتا ہے۔

لیکن ان میں سے بعض نسبتیں تو عقلاً محال ہیں۔ بعض ایسی ہیں کہ ان کے لیے استعارہ کا لفظ بھی موزوں نہیں بنتا۔ اگر ان میں سے کوئی ایک نسبت بھی جس کو عقل محال نہیں مانتی اور الفاظ بھی اس کا ساتھ دیتے ہیں۔ پس جان لو کہ وہی یہاں مراد تھا۔

3 الجام العوام میں بیان کردہ عقائد

حضرت امام غزالی اپنی کتاب "اِلْجَامُ الْعَوَامِ عَنْ عِلْمِ الْکَلَامِ" میں مذہب سلف کی حقیقت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"مذہب سلف کی حقیقت یہ ہے اور وہی ہمارے نزدیک حق ہے کہ ان احادیث صفات میں سے جو حدیث بھی کسی عامی شخص کو پہنچے تو اس کے لیے مندرجہ ذیل باتیں ضروری ہیں:

(۱) تقدیس، (۲) تصدیق، (۳) اعتراف عجز، (۴) سکوت، (۵) امساک، (۶) کف، (۷) اہل معرفت کے لیے تسلیم و انقیاد۔

1:۔تقدیس

جسمیت اور اس کے توابع سے اللہ تعالیٰ کی تنزیہ۔

2:۔تصدیق

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد پر ایمان، یہ کہ انہوں نے جو کچھ فرمایا ہے، وہ حق ہے۔ وہ اپنے ارشاد میں صادق ہیں۔ انہوں نے جو کچھ فرمایا اور اپنے ارشاد سے جو کچھ مراد لیا ہے، وہ سراسر حق ہے۔

3:۔اعتراف عجز

اس بات کا اقرار کہ الفاظ صفات سے جو مراد ہے، اس کی معرفت ہماری قدرت اور طاقت سے باہر ہے۔

4:۔سکوت

ان صفاتِ الٰہی کے بارے میں نہ سوال کرنا چاہیے، نہ غور و خوض کرنا چاہیے، کیونکہ ان صفات کے بارے میں سوال کرنا بدعت ہے اور غور و خوض سے اندیشہ ہے کہ دین خطرہ میں نہ پڑ جائے۔ لہٰذا غور و فکر کا نتیجہ کفر ہو سکتا ہے۔

5:۔امساک

ان الفاظ صفات کی تصریف یا کسی دوسرے لغت سے تبدیلی، ان کے مفہوم میں کمی

طرح کی زیادتی و کمی۔ یا کسی قسم کی تفریق سب سے گریز کرنا چاہیے، بلکہ جو لفظ وارد ہے، اس شکل میں اس کے سوا کوئی دوسرا لفظ استعمال نہ کرنا چاہیے۔

6:۔ کف

ان الفاظ کے باطنی معنی پر بحث و تفکر کرنے اور غور و فکر سے رکا رہنا چاہیے۔

7:۔ اہل معرفت کے لیے تسلیم و انقیاد

اس بات کا اعتقاد نہیں کرتا ہے کہ اگر ان الفاظ کے معانی ظاہری رہ گئے ان پر مخفی ہوں تو ان کے معانی جناب رسول اللہ ﷺ، انبیاء علیہم السلام، صدیقین اور اولیاء اللہ پر بھی مخفی تھا۔

یہ تین وہ صفات امور ہیں جن پر سب سلف صالحین اعتقاد رکھتے تھے، اور ہر ایک عام پر ان کا اعتقاد واجب ہے۔ اور یہ بات ہو نہیں کہ سلف کے بارے میں ان امور میں سے کسی کے خلاف بھی بدگمانی کی جائے۔

تقدیس کی تفصیل

1 تقدیس کا معنی یہ ہے کہ جب وہ صفت ید یعنی ہاتھ اور حضور اکرم ﷺ کا ارشاد:

ان الله خمر آدم بیده وان قلب المؤمن بین اصبعین من اصابع الرحمن.

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے آدم کا خمیر اپنے "ہاتھ" سے بنایا، اور مومن کا قلب اللہ تعالیٰ کی "انگلیوں" میں سے دو انگلیوں کے بیچ میں ہے۔

جو شخص اس حدیث کو سنے تو اسے معلوم ہونا چاہیے کہ "ہاتھ" دو معنوں میں استعمال ہوتا ہے:

1 ایک اصلی معنی میں، جو ایک عضو مرکب ہے، گوشت، ہڈی اور پٹھوں سے، اور گوشت، ہڈی اور پٹھے اپنا ایک مخصوص جسم اور مخصوص صفات رکھتے ہیں۔ جسم عبارت ہوتا ہے ایک ایسی مقدار سے جو طول، عرض اور عمق کی حامل ہوتی ہے، جو کسی

کسی دوسرے جسم کے لیے اس وقت تک ممتنع ہے، جب تک وہ اپنے مکان سے جدا نہ ہو جائے۔

۲ دوسرے یہ کہ اس لفظ کو استعارہ کے طور پر بھی استعمال کرتے ہیں، یعنی "ید" (ہاتھ) ایک مخصوص عضو یا جسم کے علاوہ دوسرے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ جیسے کہتے ہیں: "المدينة في يد الأمير"۔ یعنی شہر امیر (حاکم) کے دست (اقتدار) میں ہے۔ اگرچہ وہ امیر مقطوع الیدین کیوں نہ ہو۔

پس عامی اور غیر عامی سب کے نزدیک یہ بات ثابت شدہ اور یقینی ہے کہ حدیث بالا میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھ سے مراد ایک ایسا عضو نہیں لیا ہے جو گوشت، خون، اور پٹھوں سے مرکب ہوتا ہے، کیونکہ یہ بات اللہ تعالیٰ کے لیے محال ہے۔ وہ ان چیزوں سے پاک ہے۔ پس اگر کسی شخص کے ذہن میں یہ تصور ہے کہ اللہ تعالیٰ کا جسم اعضاء سے مرکب ہے، تو وہ صنم پرست ہے، کیونکہ ہر جسم مخلوق ہے اور مخلوق کی عبادت کفر ہے۔ صنم پرستی اس لیے کفر ہے کہ بت بھی مخلوق ہوتا ہے۔ پس جس کسی نے کسی "جسم" کی عبادت کی وہ سلف وخلف کے اجماع کے مطابق کافر ہے۔

2 حدیث نبوی میں ہے:

۱ **ان الله خلق آدم على صورته**

ترجمہ اللہ تعالیٰ نے آدم کو اپنی صورت پر پیدا کیا۔

دوسری حدیث میں ہے:

۲ **اني رأيت ربي في أحسن صورة.**

ترجمہ میں نے اپنے رب کو بڑی عمدہ صورت میں دیکھا۔

جاننا چاہیے کہ "صورت" سے مراد ایک خاص ہیئت ہے، جو بہت سے اجسام سے مرکب ہوتی ہے۔ مثلاً ناک، آنکھ، منہ، رخسار وغیرہ۔ اور یہ "اجسام" گوشت، ہڈی، اور پٹھے سے مرکب ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے لیے ایسا جسم تسلیم نہیں کیا جا سکتا۔ پس ہر مومن اس اعتقاد پر مجبور ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لیے "صورت" پہلے (جسمی) معنی میں استعمال نہیں ہوا ہے کیونکہ خالق، اجسام وجمادات، ہر طرح کی ذاتی مشابہتوں سے

ماورا اور منزہ ہے۔ یعنی کسی کا یہ اعتقاد ہے وہ مؤمن ہے۔ اور اگر کسی کے دل میں یہ اندیشہ گزرا کہ جب یہ مراد نہیں ہے تو پھر کیا مراد ہے؟ تو جاننا چاہیے کہ یہ سوچنے کا حکم نہیں دیا گیا ہے، بلکہ اس بات کا حکم دیا گیا ہے کہ اس کو سوچا ہی نہ جائے کیونکہ اس کی کنہ تک رسائی طاقت بشری سے باہر ہے۔ لہٰذا اعتقاد یہ رکھنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کے لیے "صورت" کا جو لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ اس کا مطلب وہ ہے جو اس کی جلالت اور عظمت کے لائق ہو یعنی جسمیت سے بالکل منزہ!!"

3 ارشاد نبوی ہے:

ینزل اللہ تعالیٰ فی کل لیلۃ الی السماء الدنیا۔

ترجمہ: اللہ تعالیٰ ہر رات کو آسمان دنیا کی طرف نزول فرماتا ہے۔

جاننا چاہیے کہ "نزول" ایک لفظ مشترک ہے جو حقیقی ہے تین اجسام کا:

جسم عالی

جسم سافل

جسم مُنتَقِلْ۔

یعنی پستی سے بلندی اور بلندی سے پستی کی طرف منتقل ہونے والا۔

یہ جسم اگر پستی سے بلندی کی طرف جائے گا تو اسے "صعود" سے تعبیر کریں گے۔ "عروج" اور "رقی" بھی ایسے موقع پر استعمال میں آتے ہیں۔ اگر بلندی سے پستی کی طرف جائے گا تو اسے "نزول" اور "ہبوط" سے ذکر کریں گے۔ لیکن ان معانی کے علاوہ "نزول" دوسرے معانی میں بھی مستعمل ہے۔ جس کے لیے جسم کا ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہونا اور حرکت کرنا ضروری نہیں ہے۔ مثلاً:

وَأَنْزَلَ لَكُمْ مِنَ الْأَنْعَامِ ثَمَانِيَةَ أَزْوَاجٍ. (الزمر/۶)

ترجمہ: اور تمہارے لیے مویشیوں میں سے آٹھ (۸) جوڑے اتارے یعنی پیدا کیے۔

حالانکہ کسی نے آج تک اونٹ یا گائے کو آسمان سے زمین پر "نازل" ہوتے دیکھا ہے۔ یہ تو رحم میں پیدا ہونے اور نشوونما پانے والی ایک مخلوق ہے۔ لہٰذا اس لفظ (نزول) کے معنی یہاں دوسرے ہی کیے جائیں گے۔

پر فوقیت رکھتا ہے اور سلطان وزیر پر تفوق رکھتا ہے، جیسے کہا جاتا ہے: **العلم فوق العلم**۔ یعنی علم کے اوپر علم ہے۔

پہلے معنی کے لحاظ سے "فوق" ایک ایسے جسم کا محتاج ہوتا ہے جسے دوسرے جسم سے نسبت دی جاسکے۔ دوسرے معنی کے لحاظ سے اس کی ضرورت نہیں۔ پس مومن کو یہ اعتقاد رکھنا چاہیے کہ ہرگز لفظ "فوق" سے پہلے معنی مراد نہیں ہیں، کیونکہ جسمیت اللہ تعالیٰ کے لیے محال ہے"۔

(الجام العوام عن علم الكلام، مجموعہ رسائل الغزالی، باب اول، ص۳۰۲تا۳۰۳، طبع بیروت لبنان)

11 حضرت امام عمر بن محمد بن احمد بن اسماعیل، ابو حفص، نجم الدین النسفیؒ (المتوفی ۵۳۷ھ) کے عقائد

پھر امام غزالی (المتوفی ۵۰۵ھ) کے بعد علامہ عمر بن محمد نسفی (المتوفی ۵۳۷ھ) نے اس پلیٹ فارم پر کام کیا۔ اور ایک بہترین مختصر مگر جامع کتاب ''العقائد النسفیہ'' کے نام سے لکھی جو کہ بے حد مقبول ہوئی۔ اس کتاب کی بے شمار شروحات لکھی گئیں جن میں زیادہ مشہور علامہ تفتازانی کی شرح ''شرح العقائد'' ہے۔ نیز ''شرح المقاصد'' للتفتازانی بھی بہت عمدہ کتاب ہے۔ اسلام کی بارہ صدیوں میں تمام اہل السنت اپنے عقائد میں ایک ہی رہے اور اختلاف فی الفروع سے ان میں کوئی فرقہ بندی نہ ہوئی۔ عقائد نسفی اور شرح عقائد نسفی کے مؤلفین حنفی اور شافعی دو علیحدہ علیحدہ مذہب کے تھے۔

علامہ نسفی عقائد نسفیہ میں فرماتے ہیں:

1 والمحدث للعالم هو الله تعالى الواحد القديم، القادر، الحي، العليم، السميع، البصير، الشائي المريد ليس بعرض، ولا جسم، ولا جوهر، ولا مصور، ولا محدود ولا معدود، ولا متبعض ولا متجز، ولا متركب ولا متناه ولا يوصف بالماهية ولا بالكيفية، ولا يتمكن في مكان ولا يجري عليه زمان، ولا يشبهه شيء ولا يخرج عن علمه وقدرته شيء۔

2 وله صفات أزلية قائمة بذاته، وهي لا هو ولا غيره، وهي العلم والقدرة والحياة والسمع، والبصر، والارادة والمشئية، والفعل والتخليق، والترزيق، والكلام۔

3 وهو متكلم هو صفة له أزلية، ليس من جنس الحروف والأصوات، وهو صفة منافية للسكوت والآفة۔

4 والله تعالى متكلم بها، آمر، وناه، ومخبر.

5 القرآن كلام الله تعالى غير مخلوق، وهو مكتوب في مصاحفنا، محفوظ في قلوبنا، مقروء بألسنتنا، مسموع بآذاننا، غير حال فيها

6 والتكوين صفة لله تعالى أزلية، وهو تكوينه للعالم، ولكل جزء من أجزائه لوقت وجوده، وهو غير المكون عندنا

7 والإرادة صفة لله تعالى أزلية قائمة بذاته

8 ورؤية الله تعالى جائزة في العقل، واجبة بالنقل، وقد ورد الدليل السمعي بإيجاب رؤية الله تعالى في دار الآخرة، فيرى لا في مكان، ولا جهة ومقابلة، واتصال شعاع، وثبوت مسافة بين الرائي وبين الله تعالى.

9 والله تعالى خالق لأفعال العباد من الكفر، والإيمان والطاعة، والعصيان. وهي كلها بإرادته ومشيئته، وحكمه، وقضيته وتقديره.

10 وللعباد أفعال اختيارية يثابون بها، ويعاقبون عليها. والحسن منها برضاء الله تعالى، والقبيح منها ليس برضائه تعالى. والاستطاعة مع الفعل، وهي حقيقة القدرة التي يكون بها الفعل، ويقع هذا الاسم على سلامة الأسباب، والآلات، والجوارح.

(متن العقائد لعمر النسفي رحمہ اللہ ملحق شرح العقائد النسفية ص ۲۰۹، ۲۱۰،
المؤلف: عمر بن محمد بن أحمد بن إسماعيل، أبو حفص، نجم الدين النسفي رحمہ اللہ (المتوفى ۵۳۷ھ)۔ الناشر: مكتبة البشرى، كراچی، ۱۴۳۲ھ)

ترجمہ

1 عالم کا صانع صرف اللہ تعالیٰ ہے، جو واحد ہے، قدیم ہے، قدرت والا ہے، زندہ ہے

کی وجہ سے کہ صفتِ شی کا کوئی معنی نہیں سوائے اس چیز کے جو اس شی کے ساتھ قائم ہو)۔ اللہ تعالیٰ کی صفات نہ عینِ ذات ہیں نہ غیرِ ذات ہیں۔ اور وہ (یعنی اللہ تعالیٰ کی صفاتِ ازلیہ) علم ہے (اور وہ ایک ایسی ازلی صفت ہے جس سے معلومات منکشف ہوتی ہیں۔ ان کے ساتھ اس صفت کا تعلق قائم ہونے کے وقت۔ اور (دوسری صفت) قدرت ہے (اور وہ ایک ایسی ازلی صفت ہے، جو مقدورات میں مؤثر ہوتی ہے ان مقدورات کے ساتھ اس صفت کا تعلق قائم ہونے کے وقت)۔ اور (تیسری صفت) حیات ہے (اور وہ ایک ایسی ازلی صفت ہے جو علم کی صحت اور امکان کا باعث ہوتی ہے)۔ اور (چوتھی صفت) سمع ہے (وہ ایسی صفت ہے جس کا تعلق مسموعات کے ساتھ ہے)۔ اور (پانچویں صفت) بصر ہے (اور وہ ایسی صفت ہے جس کا تعلق مبصرات کے ساتھ ہوتا ہے)۔ اور (چھٹی صفت) ارادہ اور مشیت ہے (اور ان دونوں سے مراد ذات میں ایک ایسی صفت ہے جو قدرت کا تعلق سب کے ساتھ برابر ہونے اور علم کا تعلق وقوع کے تابع ہونے کے باوجود مقدورین میں سے ایک کو کسی ایک وقت میں واقع ہونے کے ساتھ خاص کرنے کا مقتضی ہوتی ہے)۔ اور صفاتِ ازلیہ حقیقیہ میں سے) فعل اور تخلیق ہے (ان دونوں سے مراد ایک ایسی ازلی صفت ہے جس کو تکوین کیا جاتا ہے) اور ترزیق بھی ہے (یہ ایک مخصوص تکوین ہے)۔ اور (آٹھویں صفت) کلام ہے (اور وہ ایک ایسی ازلی صفت ہے جس کو اس قرآن نامی نظم کے ذریعہ تعبیر کیا جاتا ہے جو حروف سے مرکب ہے)۔

تشریح صفاتِ ازلیہ میں سے آٹھویں صفت کلام ہے۔ لیکن عرف میں کلام سے یہ نظم متصور سمجھا جاتا ہے جس کا نام قرآن ہے اور جو ان حروف و اصوات سے جو کہ اعراض کے قبیل سے ہیں مرکب ہونے کی وجہ سے حادث ہیں اور ظاہر ہے کہ حوادث اللہ تعالیٰ کی صفت نہیں بن سکتے۔ اسی بنا پر معتزلہ نے جن کے نزدیک کلام صرف یہی کلام لفظی ہے انھوں نے کلام کے صفتِ الٰہی ہونے کا انکار کیا۔ یہاں صفاتِ باری تعالیٰ کے ذیل میں کلام سے یہ نظم متصور نہیں بلکہ اس سے مراد ایک ایسی ازلی صفت ہے جس کو قرآن نامی اس نظم سے اسی طرح تعبیر کیا جاتا ہے جس طرح کسی بھی معنیٰ مخصوص نہ

واسطے سے اس کو دیکھا جاتا ہے۔

6 اور تکوین اللہ تعالیٰ کی صفت ہے (جس سے مراد وہ صفت ہے جس کو تخلیق، خلق، تخلیق، ایجاد، احداث، اختراع وغیرہ سے تعبیر کیا جاتا ہے، اور جس کا مطلب معدوم کو عدم سے نکال کر وجود کی طرف لانا بیان کیا جاتا ہے)۔ وہ صفت تکوین ازلی ہے۔ اور وہ تکوین اللہ تعالیٰ کا عالم اور اس کے ہر ہر جزء کو مکوّن اور مخلوق بنانا ہے (لیکن ازل میں نہیں بلکہ اس کے علم اور قدرت کے مطابق اس کے وجود کے وقت میں (تو تکوین ازل سے ابد تک باقی ہے) اور وہ (تکوین) ہمارے نزدیک مکوّن کا غیر ہے۔

7 اور ارادہ اللہ تعالیٰ کی ازلی صفت ہے جو اس کی ذات کے ساتھ قائم ہے۔

8 اور اللہ تعالیٰ کی رؤیت عقلاً ممکن ہے۔ اور نقل سے ثابت ہے اور آخرت میں اللہ تعالیٰ کو مومنین کا دیکھنا ثابت ہونے کے متعلق نقلی دلیل وارد ہے۔ اللہ تعالیٰ دکھائی دیں گے درں حالیکہ نہ وہ مکان میں ہونے کے ساتھ متصف ہے، نہ رائی (دیکھنے والے) اور اللہ تعالیٰ کے درمیان مسافت کا ثبوت ہے۔

9 اور اللہ تعالیٰ بندوں کے افعال: کفر، ایمان، طاعات اور معصیت کے خالق ہیں۔ اور وہ (یعنی تمام افعال عباد) اللہ تعالیٰ کے ارادہ اور مشیت کے سبب موجود ہیں اور اس کے حکم سے ہیں اور اس کی قضاء سے موجود ہیں اور (تمام افعال عباد) اللہ تعالیٰ کی تقدیر سے ہیں۔

10 اور بندوں کے کچھ اختیاری افعال ہیں جو اگر طاعت اور عبادت کے قبیل سے ہیں تو ان پر انہیں ثواب دیا جائے گا اور اگر معصیت کے قبیل سے ہیں تو ان پر انہیں سزا دی جائے گی۔ اور بندوں کے اچھے افعال اللہ تعالیٰ کی رضا سے ہیں اور قبیح افعال اللہ تعالیٰ کی رضا سے نہیں ہیں۔ اور استطاعت فعل کے ساتھ ہے۔ اور استطاعت وہ قدرت ہے جس کے ذریعہ فعل کا وجود ہوتا ہے۔ یہ لفظ (یعنی لفظ استطاعت) بولا جاتا ہے اسباب و آلات اور اعضاء کی سلامتی پر۔

12 حضرت امام ابن جوزیؒ (المتوفی ۵۹۷ھ) کے عقائد

آپ نے حشویہ حنابلہ کا مکمل رد اپنی کتاب دَفْعُ شُبَہِ التَّشْبِیہِ بِأَکُفِّ التَّنْزِیہِ میں کیا ہے۔ جن کے مقتدا شیخ ابو عبداللہ ابن حامد بغدادی (المتوفی ۴۰۳ھ) قاضی ابو یعلیٰ حنبلی (المتوفی ۴۵۸ھ) اور شیخ زاغونی حنبلی (المتوفی ۵۲۷ھ) تھے۔

علامہ ابن جوزیؒ نے ان تمام مغالطات کی نشان دہی کی جن سے یہ لوگ غلطی میں مبتلا ہوئے۔ وہاں سب کے دلائل کا محاکمہ کیا ہے۔ یہ رسالہ بھی کئی تحقیقات کے ساتھ شائع شدہ ہے۔ حال ہی میں شیخ حسن بن علی السقاف کی تحقیق و تعلیق کے ساتھ شائع ہوا ہے۔ افسوس ہے کہ علامہ ابن تیمیہ و ابن قیم نے ان ہی شیوخ کا اتباع کیا اور غالب یہ ہے کہ علامہ ابن جوزیؒ کا رسالہ خود بھی ان کے مطالعہ سے گزرا ہوگا مگر ان کے جوابی دلائل انہوں نے کہیں ذکر نہیں کیے ہیں۔ واللہ اعلم!

علامہ نے تمام آیات واحادیث کا تحقیقی جواب دیا ہے جن سے مشبہہ نے غلط طور سے استدلال کیا تھا۔

دَفْعُ شُبَہِ التَّشْبِیہِ بِأَکُفِّ التَّنْزِیہِ میں بیان کردہ تحقیق

ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ (الحدید: ۴) کی تحقیق میں امام ابن جوزیؒ فرماتے ہیں:

وقد حمل قوم من المتأخرين هذه الصفة على مقتضى الحس فقالوا: "استوى على العرش بذاته". وهي زيادة لم تنقل، إنما فهموها من إحساسهم، وهو أن المستوي على الشيء إنما

تستوی علیه ذاته. قال أبو حامد (المجسم): "الاستواء مماسته وصفة لذاته، والمراد به القعود. قال: وقد ذهبت طائفة من أصحابنا إلى أن الله سبحانه وتعالى على عرشه قد ملأه، وأنه يُقعِدُ ويُقعِدُ نبيّه صلى الله عليه وسلم معه على العرش يوم القيامة.

قال أبو حامد: والنزول هو الانتقال.

قلت: وعلى ما حكى تكون ذاته أصغر من العرش، فالعجب من قول هذا: ما أنا مجسمة...!!

وقيل لابن الزاغوني (المجسم): هل تجددت له صفة لم تكن له بعد خلق العرش....؟ قال: لا إنما خلق العالم بصفة التحت، فصار العالم بالإضافة إليه أسفل. فإذا ثبت لإحدى الذاتين صفة التحت تثبت للأخرى صفة استحقاق الفوق قال: وقد ثبت أن الأماكن ليست في ذاته، ولا ذاته فيها، فثبت انفصاله عنها، ولا بد من شيء يحصل به الفصل، فلما قال:- ثم استوى- علمنا اختصاصه بتلك الجهة.

قال ابن الزاغوني (المجسم): ولا بُدَّ أن تكون لذاته نهاية وغاية يعلمها.

قلت: وهذا رجل لا يدري ما يقول لأنه إذا قدّر غاية وفصلا بين الخالق والمخلوق فقد حدّده، وأقرّ بأنه جسم، وهو يقول في كتابه: إنه ليس بجوهر، لأن الجوهر ما تحيّز. ثُمّ يثبت له مكانا يتحيز فيه.

قلت: وهذا كلام جهل من قائله وتشبيه محض فما عرف هذا الشيخ ما يجب للخالق وما يستحيل عليه. فإن وجوده تعالى ليس كوجود الجواهر والأجسام التي لا بد لها من حيز، والتحت والفوق إنما يكون فيما يقابل ويحاذي، ومن ضرورة المحاذي أن يكون أكبر من المحاذي أو أصغر أو مثله، وإن هذا ومثله إنما يكون في

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: استویٰ تو ہمیں معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ فوقیت کی جہت کے ساتھ مختص ہیں۔ ابن زاغونی نے کہا کہ ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات کے لیے کوئی حد و انتہا ہو جس کو اللہ تعالیٰ جانتے ہوں۔

میں (ابن جوزی) کہتا ہوں کہ یہ شخص (یعنی ابن زاغونی) نہیں جانتے کہ وہ کیا کہہ رہے ہیں کیونکہ جب انہوں نے خالق اور مخلوق کے درمیان انتہاء اور جدائی ہونے کا کہا تو انہوں نے اللہ تعالیٰ کی حد بندی کر دی اور اقرار کر لیا کہ اللہ تعالیٰ کا جسم ہے۔ حالانکہ ابن زاغونی اپنی کتاب میں کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ جوہر نہیں ہیں کیونکہ جوہر وہ ہوتا ہے جو متحیز (کسی جگہ میں) ہو۔ پھر اس کے لیے کوئی مکان ہونا چاہیے جس میں وہ متحیز ہو۔ میں کہتا ہوں کہ ابن زاغونی کا کلام نری جہالت اور نری تشبیہ ہے۔ ان صاحب کو معلوم ہی نہیں کہ اللہ تعالیٰ پر کیا چیز جائز ہے اور کیا ناجائز ہے؟

وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا وجود جواہر و اجسام کے وجود کی طرح نہیں ہے جس کے لیے حیز ضروری ہے جب کہ تحت اور فوق ان چیزوں میں جاری ہوتا ہے جو ایک دوسرے کے مقابل اور محاذی ہوں اور محاذی کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے محاذی سے بڑا ہو یا چھوٹا ہو یا اس کے برابر ہو۔ اور بڑا، چھوٹا یا مساوی ہونا اجسام میں ہوتا ہے اور جو چیز اجسام کے محاذی ہو وہ اجسام کو مس کر سکتی ہے اور جو چیز اجسام کو مس کر سکتی ہو اور ان سے علیحدہ ہو سکتی ہو وہ حادث ہوتی ہے۔

۲ وَهُوَ مَعَكُمْ أَيْنَ مَا كُنتُمْ (الحدید: ۴)

۳ وَهُوَ الَّذِي فِي السَّمَاءِ إِلَٰهٌ وَفِي الْأَرْضِ إِلَٰهٌ ۚ وَهُوَ الْحَكِيمُ الْعَلِيمُ.
(الزخرف: ۸۴)

کے ظاہر سے تو باری تعالیٰ کے عرش پر مستقر (اور جالس وقاعد) ہونے کی نفی ہو رہی ہے۔ لہٰذا ان آیات میں اس لیے تاویل کرنا تاکہ دوسری اپنی استدلالی آیات کو ظاہر پر محمول کر سکیں۔ یہ بات بر عکس نقی لینے والوں سے بہتر کیسے ہو گی؟
(حاشیہ دفع شبہ التشبیہ، العقیدۃ وعلم الکلام، ص ۲۴۸)

امام رازی کی تفسیر کبیر بہت مشہور ہے، جس میں نقلی مذاہب اور کلام وعقائد کی ابحاث درج ہیں۔ اور مذاہب باطلہ مثل معتزلہ وغیرہ کا بھی خوب رد کیا ہے۔ کوئی عالم اس کے مطالعہ سے مستغنی نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح علم کلام وعقائد میں آپ کی کتاب "اساس التقدیس" بھی بے نظیر محققانہ کتاب ہے۔ جس میں فرقہ مشبہہ ومجسمہ کا رد بھی مفصل کیا گیا ہے۔

علامہ کوثری نے لکھا کہ "امام رازی مجسمہ کے حق میں سیف مسلول تھے۔ اس لیے وہ ان کے یہاں اہل علم میں سے سب سے زیادہ مبغوض ہیں۔ کیونکہ انہوں نے پورے دلائل وحجتوں کے ساتھ ان کی شرارتوں کا جواب دیا ہے۔ خاص طور سے مجسمہ اہل شام کو اپنی کتاب "اساس التقدیس" کے ذریعہ جواب دیا ہے۔ اور یہ ایسی کتاب ہے کہ اس کو سونے کے پانی سے لکھا جائے تو اس کا حق ادا ہو اور یہ اس قابل ہے کہ اس کو دینی نصاب میں رکھا جائے۔ خاص کر ان مقامات میں جہاں مشبہہ ومجسمہ کا فتنہ زیادہ ہو۔

نیز ان کی تفسیر کبیر بھی رد حشویہ میں بے نظیر ہے۔ عجب نہیں کہ ان کی ان خدمات سے ان بعض غلطیوں کا کفارہ ہو گیا ہو جو ان سے صادر ہوئی تھیں۔ اور ان کو جنت میں علی مقام حاصل ہو" (حاشیہ السیف الصقیل، العقیدۃ وعلم الکلام، ص ۵۴۲)۔

1 تفویض و تاویل کے بارے میں حضرت امام رازیؒ کی تحقیق

أن جميع فرق الإسلام مقرون بأنه لابد من التأويل في بعض ظواهر القرآن والأخبار. أما في القرآن فبيانه من وجوه:

الأول: هو أنه ورد في القرآن ذكر الوجه، وذكر العين، وذكر الجنب الواحد، وذكر الأيدي، وذكر الساق الواحدة. فلو أخذنا بالظاهر يلزمنا إثبات شخص له وجه واحد، وعلى ذلك الوجه أعين كثيرة، وله جنب واحد وعليه أيد كثيرة، وله ساق واحدة، ولا نرى في الدنيا شخصاً أقبح صورة من هذه الصورة المتخيلة. ولا أعتقد أن عاقلاً يرضى بأن يصف ربه بهذه الصفة.

الثاني: أنه ورد في القرآن أنه نور السماوات والأرض، وأن كل عاقل يعلم بالبديهة أن إله العالم ليس هو هذا الشيء المنبسط على الجدران والحيطان، وليس هو هذا النور الفائض من جرم الشمس والقمر والنار. فلا بد لكل واحد منا من أن يفسر قوله تعالى (الله نور السماوات والأرض) (النور:٣٥) بأنه منور السماوات والأرض، أو بأنه هاد لأهل السماوات والأرض، أو بأنه مصلح السماوات والأرض، وكل ذلك تأويل.

الثالث: قال الله تعالى (وأنزلنا الحديد فيه بأس شديد) ومعلوم أن الحديد ما نزل جرمه من السماء إلى الأرض، وقال (وأنزل لكم من الأنعام ثمانية أزواج) ومعلوم أن الأنعام ما نزلت من السماء إلى الأرض

الرابع: قوله تعالى (وهو معكم أينما كنتم) وقوله تعالى (ونحن أقرب إليه من حبل الوريد) وقوله تعالى (ما يكون من نجوى ثلاثة إلا هو رابعهم)

وكل عاقل يعلم أن المراد منه القرب بالعلم والقدرة الإلهية.

الخامس: قوله تعالى (واسجد واقترب) فإن هذا القرب ليس إلا بالطاعة والعبودية فأما القرب بالجهة فمعلوم بالضرورة أنه لا يحصل بسبب السجود.

السادس: قوله تعالى (فأينما تولوا فثم وجه الله) وقال تعالى (ونحن أقرب إليه منكم ولكن لا تبصرون)

السابع: قال تعالى (من ذا الذي يقرض الله قرضا حسنا) ولا شك أنه لا بد فيه من التأويل

الثامن: قوله تعالى (فأتى الله بنيانهم من القواعد) ولا بد فيه من التأويل

التاسع: قال تعالى لموسى وهارون (إنني معكما أسمع وأرى) وهذه المعية ليست إلا بالحفظ والعلم والرحمة فهذه وأمثالها من الأمور التي لا بد لكل عاقل من الاعتراف بحملها على التأويل وبالله التوفيق

أما الأخبار فهذا النوع فيها كثير

فالأول قوله عليه السلام حكاية عن الله سبحانه وتعالى (مرضت فلم تعدني استطعمتك فما أطعمتني استسقيتك فما أسقيتني). ولا يشك عاقل أن المراد منه التمثيل فقط.

الثاني قوله صلى الله عليه وسلم حكاية عن ربه (من أتاني يمشي أتيته هرولة) ولا يشك عاقل في أن المراد منه التمثيل والتصوير.

الثالث نقل الشيخ الغزالي رحمه الله عن أحمد بن حنبل رحمه الله أنه أقر بالتأويل في ثلاثة أحاديث:

أحدها قوله عليه السلام (الحجر يمين الله في الأرض)

وثانيها قوله عليه السلام (إني لأجد نفس الرحمن من قبل اليمن)

وثالثها قوله عليه السلام حكاية عن الله عز وجل (أنا جليس من ذكرني)

الرابع حكي أن المعتزلة تمسكوا في خلق القرآن بما روي عنه عليه السلام

أنه تأتي سورة البقرة وآل عمران كذا وكذا يوم القيامة كأنهما غمامتان. فأجاب أحمد بن حنبل رحمه الله تعالى وقال يعني ثواب قارئهما. وهذا تصريح بالتأويل

الخامس قوله صلى الله عليه وسلم (إن الرحم يتعلق بحقوق الرحمن فيقول سبحانه أصل من وصلك). وهذا لابد له من التأويل

السادس قال عليه السلام (إن المسجد لينزوي من النخامة كما تنزوي الجلدة من النار) ولابد فيه من التأويل

السابع قال عليه السلام (قلب المؤمن بين أصبعين من أصابع الرحمن). وهذا لا بد فيه من التأويل لأنا نعلم بالضرورة انه ليس في صدورنا أصبعان بينهما قلوبنا

الثامن قوله صلى الله عليه وسلم حكاية عن الله تعالى (أنا عند المنكسرة قلوبهم) وليست هذه العندية إلا بالرحمة. وأيضا قال صلى الله عليه وسلم حكاية عن الله تعالى في صفة الأولياء (فإذا أحببته كنت سمعه الذي يسمع به وبصره الذي يبصر به) ومن المعلوم بالضرورة أن القوة الباصرة التي بها يرى الأشياء ليست هي الله سبحانه وتعالى.

التاسع قال عليه السلام حكاية عن الله سبحانه وتعالى (الكبرياء ردائي والعظمة إزاري) والعاقل لا يثبت لله تعالى إزارا ورداء.

العاشر قال عليه السلام لأبي بن كعب (يا أبا المنذر أية آية في كتاب الله تعالى أعظم؟ فتردد فيه مرتين ثم قال في الثالثة آية الكرسي. فضرب يده عليه السلام على صدره وقال أصبت والذي نفسي بيده أن لها لسانا يقدس الله تعالى عند العرش). ولابد فيه من التأويل.

فثبت بكل ما ذكرنا أن المصير إلى التأويل أمر لابد منه لكل عاقل وعند هذا: قال المتكلمون لما ثبت بالدليل أنه سبحانه وتعالى منزه عن الجهة والجسمية وجب علينا أن نضع لهذه الألفاظ الواردة في

القرآن والأخبار محمولاً عليها لئلا يصير ذلك سبباً للطعن فيهما.

(أساس التقديس في علم الكلام ص٢٦٧ ، المؤلف: أبو عبد الله محمد بن عمر بن الحسن بن الحسين التيمي الرازي الملقب بفخر الدين الرازي خطيب الري (المتوفى ٦٠٦ھ) ، الناشر: مؤسسة الكتب الثقافية، بيروت ١٤١٥ھ)

ترجمہ: اسلام کے تمام فرقے اس بات پر متفق ہیں کہ قرآن وحدیث میں بعض ظواہر کی تاویل لازمی امر ہے۔

آیاتِ قرآنیہ میں تاویل

قرآن کریم میں اس کا بیان چند وجوہ سے ہے:

1. قرآن کریم میں چہرے، آنکھ، ایک پہلو، ہاتھوں، ایک پنڈلی کا ذکر ہے۔ اگر ہم ان کا ظاہری معنی لیں تو ہمیں ایک ایسی ذات کا ثبوت لازم ہوگا جس کا ایک چہرہ ہو، اس چہرے پر بہت زیادہ آنکھیں، اس کا ایک پہلو اور اس پر بہت زیادہ ہاتھ، اس کی ایک پنڈلی ہو۔ اس خیال میں آنے والے شخص سے زیادہ قبیح ہم نے کبھی نہیں دیکھا ہوگا اور نہ ہی کوئی عاقل شخص اس بات پر راضی ہوگا کہ وہ اپنے رب کی ایسی صفت بیان کرنے پر راضی ہو۔

2. قرآن کریم میں وارد ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ آسمان وزمین کا نور ہے۔ ہر عاقل یہ بات بڑی اچھی طرح جانتا ہے کہ جہان کا الٰہ (معبود) وہ نور اور روشنی نہیں ہے جو دیواروں، بالوں پر پھیلی ہوتی ہے۔ اور نہ اللہ تعالیٰ وہ نور ہے جو سورج، چاند اور ستاروں سے حاصل ہوتا ہے۔ لہٰذا مسلمانوں میں سے ہر شخص پر یہ لازم ہے کہ قرآن کریم کی اس آیت: اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (النور: ٣٥) (اللہ تمام آسمانوں اور زمین کا نور ہے) کی یہ تفسیر کرے: اللہ تعالیٰ آسمان وزمین کو منور اور روشن کرنے والا ہے، یا اللہ تعالیٰ آسمان وزمین کے باشندوں کو ہدایت دینے والا ہے، یا اللہ تعالیٰ آسمان وزمین کا منتظم ہے۔ یہ سب تاویلات ہی ہیں۔

3 اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: وَأَنْزَلْنَا الْحَدِيدَ فِيهِ بَأْسٌ شَدِيدٌ. (الحدید:۲۵)

ترجمہ اور ہم نے لوہا اتارا جس میں سخت طاقت بھی ہے۔

یہ بات معلوم ہے کہ لوہا کوئی ایسی چیز تو نہیں ہے جو آسمان سے زمین پر اتارا جاتا ہو۔

وَأَنْزَلَ لَكُمْ مِنَ الْأَنْعَامِ ثَمَانِيَةَ أَزْوَاجٍ. (الزمر:۶)

ترجمہ اور تمہارے لیے مویشیوں میں سے آٹھ جوڑے اتارے یعنی پیدا کیے۔

یہ بات تو ہر ایک کو معلوم ہے کہ مویشی تو آسمان سے زمین پر نازل نہیں ہوتے۔

4 اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَهُوَ مَعَكُمْ أَيْنَ مَا كُنْتُمْ. (الحدید:۴)

ترجمہ اور تم جہاں کہیں بھی ہو وہ تمہارے ساتھ ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَنَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيدِ. (ق:۱۶)

ترجمہ اور ہم اس کی شہ رگ سے بھی زیادہ اس کے قریب ہیں۔

فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

مَا يَكُونُ مِنْ نَجْوَى ثَلَاثَةٍ إِلَّا هُوَ رَابِعُهُمْ وَلَا خَمْسَةٍ إِلَّا هُوَ سَادِسُهُمْ وَلَا أَدْنَى مِنْ ذَلِكَ وَلَا أَكْثَرَ إِلَّا هُوَ مَعَهُمْ. (المجادلہ:۷)

ترجمہ کبھی تین آدمیوں میں کوئی سرگوشی ایسی نہیں ہوتی جس میں چوتھا وہ نہ ہو اور نہ پانچ آدمیوں کی کوئی سرگوشی ایسی ہوتی ہے جس میں چھٹا وہ نہ ہو اور چاہے سرگوشی کرنے والے اس سے کم ہوں یا زیادہ، وہ جہاں بھی ہوں اللہ ان کے ساتھ ہوتا ہے۔

ہر عقل مند یہ بات جانتا ہے کہ یہاں قرب سے مراد اللہ تعالیٰ کے علم اور قدرت کا قرب مراد ہے۔

5 فرمانِ خداوندی ہے: وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ. (العلق:۱۹)

ترجمہ اور سجدہ کرو اور قریب آجاؤ۔

اس لیے کہ یہ قرب تو صرف طاعت اور عبودیت سے ہی حاصل ہوتا ہے اور جہت کے لحاظ سے قرب تو پکی بات ہے کہ وہ سجدہ کرنے سے ہرگز حاصل نہیں ہوتا۔

6 اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: فَأَيْنَمَا تُوَلُّوا فَثَمَّ وَجْهُ اللَّهِ. (البقرۃ:۱۱۵)

ترجمہ لہٰذا جس طرف بھی تم رخ کرو گے وہیں اللہ کا رخ ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَنَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنكُمْ وَلَٰكِن لَّا تُبْصِرُونَ۔
(الواقعۃ: ۸۵)

ترجمہ: اور ہم تم سے زیادہ اس کے قریب ہوتے ہیں مگر تمہیں نظر نہیں آتا۔

7 اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: مَن ذَا الَّذِي يُقْرِضُ اللَّهَ قَرْضًا حَسَنًا
(البقرۃ: ۲۴۵)

ترجمہ: کون ہے جو اللہ کو اچھے طریقے پر قرض دے، تاکہ وہ اسے اس کے مفاد میں اتنا بڑھائے چڑھائے کہ وہ بدرجہا زیادہ ہو جائے؟

اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ یہاں تاویل بہت ہی ضروری ہے۔

8 اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: فَأَتَى اللَّهُ بُنْيَانَهُم مِّنَ الْقَوَاعِدِ (النحل: ۲۶)

ترجمہ: پھر ہوا یہ کہ (منصوبوں کی) جو عمارتیں انہوں نے تعمیر کی تھیں، اللہ تعالیٰ نے انہیں جڑ بنیاد سے اکھاڑ پھینکا۔

اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ یہاں تاویل بہت ہی ضروری ہے۔

9 اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: إِنَّنِي مَعَكُمَا أَسْمَعُ وَأَرَىٰ (طہٰ: ۴۶)

ترجمہ: میں تمہارے ساتھ ہوں، سب کچھ سن رہا ہوں، اور دیکھ رہا ہوں۔

یہ معیت صرف اور صرف حفاظت، علم اور رحمت کی ہی ہے۔

یہ اور ان جیسی دوسری آیات میں ہر عاقل اس بات کو تسلیم کرے گا کہ ان میں تاویل کرنا ضروری ہے۔

احادیث مبارکہ میں تاویل

1 حضور ﷺ حدیث قدسی میں فرماتے ہیں: "میں بیمار ہو گیا تو اس وقت تو نے میری عیادت نہ کی۔ میں نے تجھ سے کھانا مانگا، اس وقت تو نے مجھے کھانا نہ دیا۔ میں نے تجھ سے پانی طلب کیا تو تو نے مجھے پانی نہ پلایا"۔

کوئی عاقل اس میں شک نہیں کر سکتا کہ یہاں مراد وہ لفظ نہیں ہے۔

2 نبی اکرم ﷺ حدیث قدسی میں فرماتے ہیں: "جو میرے پاس چل کر آتا ہے تو

8 نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی طرف سے بیان فرماتے ہیں: "میں ان کے پاس ہوتا ہوں جن کے دل میری خاطر ٹوٹے ہوتے ہیں۔"

اللہ پاس ہوتا ہے تو اس کی رحمت بھی پاس ہوتی ہے۔

اسی طرح حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اولیائے کرام کی صفات کو بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرماتے ہیں: "جب میں کسی کو محبوب بنا لیتا ہوں تو میں اس کے کان بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے اور اس کی آنکھ بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے۔"

یہ بات تحقیقی طور پر معلوم ہے کہ قوت باصرہ جس سے مومن دیکھتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی توفیق ہوتی ہے۔

9 حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی طرف سے بیان کرتے ہیں: "بڑائی میری چادر ہے اور عظمت میری ازار ہے۔"

کوئی شخص اللہ تعالیٰ کے لیے چادر اور ازار ثابت نہیں کر سکتا۔

10 حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے فرمایا: "اے ابو منذر! قرآن مجید میں کون سی آیت سب سے بڑی ہے؟" تو حضرت ابی رضی اللہ عنہ جواب دینے میں پڑ گئے، بعد میں عرض کیا: آیت الکرسی۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے سینے پر ہاتھ مار کر فرمایا: "تو نے ٹھیک جواب دیا ہے۔ اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اس کے لیے (آیت کے) ایک زبان ہوگی جو عرش کے نیچے اللہ تعالیٰ کی تقدیس بیان کر رہی ہوگی۔"

یہ بات بھی تاویل کی محتاج نہیں ہے۔

یہ بات ثابت ہوگئی کہ جو آیات و احادیث ہم نے بیان کی ہیں ان میں ہر ایک کے لیے تاویل کرنا ایک لازمی امر ہے۔ اسی لیے محققین فرماتے ہیں: جب عقل سے یہ بات ثابت ہے کہ اللہ رب العزت جہت اور جسمیت سے پاک اور منزہ ہے تو ہم پر واجب ہے کہ قرآن و حدیث میں جو صفات کے الفاظ وارد ہوئے ہیں ان کا کوئی محمل و مطلب بیان کریں تاکہ وہ عجیب معنی نہ بن جائیں۔

2 استواء علی العرش کے بارے میں حضرت امام رازیؒ کی تحقیق

أما الذی تمسکوا به، وهو الآيات التی الدالة علی استواء الله تعالیٰ علی العرش فنقول: انه لا یجوز أن یکون مراد الله تعالیٰ من ذلك الاستواء هو الاستقرار علی العرش ویدل علیه وجوه:

الأول أن ما قبل هذه الآية وهو قوله تعالیٰ: "تنزیلا ممن خلق الأرض والسماوات العلیٰ". وقد بینا أن هذه الآية تدل علی أنه تعالیٰ غیر مختص بشیء من الأحیاز والجهات.

الثانی أن ما بعد هذه الآية وهو قوله تعالیٰ: "له ما فی السماوات وما فی الأرض". فقد بینا ان السماء هو الذی فیه وله سمو وفوقیة. فکل ما کان فی جهة فوق فهو سماء. وإذا کان کذلك فقوله: "له ما فی السماوات وما فی الأرض" یقتضی ان کل ما کان حاصلا فی جهة فوق کان فی السماء، واذا کان کذلك فقوله: "له ما فی السماوات" یقتضی ان کل ما کان حاصلا فی جهة فوق فهو ملك لله تعالیٰ ومملوك له. فلو کان تعالیٰ مختصا بجهة فوق لزم کونه مملوکا لنفسه من غیر محل وهو محال فثبت ان ما قبل قوله: "الرحمن علی العرش استویٰ" وما بعده ینفی کونه سبحانه وتعالیٰ مختصا بشیء من الأحیاز والجهات. فإذا کان کذلك امتنع ان یکون المراد بقوله: "الرحمن علی العرش استویٰ" هو کونه مستقرا علی العرش.

الثالث أن ما قبل هذه الآية وما بعدها مذکور لبیان کمال قدرة الله تعالیٰ وغایة عظمته فی الإلهیة وکمال التصرف لأن قوله: "تنزیلا ممن خلق الأرض والسماوات العلیٰ". لاشك ان المفهوم منه بیان کمال قدرة

الله تعالى وكمال إلهيته وقوله: لَهُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا وَمَا تَحْتَ الثَّرَى- بيان أيضاً لكمال ملكه وإلهيته. وإذا كان الأمر كذلك وجب ان يكون قوله: الرَّحْمَنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوَى- كذلك وإذا لزم ان يكن ذلك كلاما أجنبيا عما قبله وعما بعده وذلك غير جائز فأما اذا حملناه على كمال استيلائه على العرش الذي هو اعظم المخلوقات فالموجودات المحدثة كان ذلك موافقاً لما قبل هذه الآية ولما بعدها فكان هذا الوجه أولى

الرابع أن الجالس على العرش لابد وان يكون الجزء الحاصل منه في يمين العرش غير الحاصل منه في يسار العرش فيلزم في كونه في نفسه مؤلفا ومركبا وذلك على الله تعالى محال.

الخامس أن الجالس على العرش ان قدر على الحركة والانتقال كان محدثا لأن ما لا ينفك عن الحركة والسكون كان محدثا وان لم يقدر على الحركة لان ما لا ينفك عن الحركة والسكون كان محدثا وان لم يقدر على الحركة كان المربوط بل كان كالزمن بل أسوأ حالا منهما فإن الزمن إذا أراد الحركة في رأسه أو حدقتيه أمكنه ذلك وكذا المربوط وهو غير ممكن في الله تعالى.

السادس أنه لو حصل في العرش لكان حاصلا في سائر الأحياز ويلزمه منه كونه مخالطاً للقاذورات والنجاسات وان لم يكن كذلك كان له طرف ونهاية وزيادة ونقصان وكل ذلك على الله تعالى محال.

السابع قوله تعالى: وَيَحْمِلُ عَرْشَ رَبِّكَ فَوْقَهُمْ يَوْمَئِذٍ ثَمَانِيَةٌ- فلو كان العرش مكانا لمعبودهم لكانت الملائكة الذين يحملون العرش حاملين الله العالم وذلك غير معقول لأن الخالق هو الذي يحفظ المخلوق أما المخلوق فلا يحفظ الخالق ولا يحمله لا يقال هذا. إنما يلزم إذا كان الإله معتمدا على العرش متكئا عليه ونحن لا نقول ذلك لأنا نقول

على هذا التقدير لا يكون الله تعالى مستقرا على العرش لأن الاستقرار على الشيء انما يحصل اذا كان معتمدا عليه. ألا ترى انا اذا وضعنا جسما على الأرض قلنا: انه مستقر على الأرض ولا نقول الأرض مستقرة عليه وما ذاك الا لأن الشيء معتمد على الأرض والأرض غير معتمدة عليه. فلو لم يكن الإله معتمدا على العرش فحينئذ لا يكون مستقرا على العرش وعلى هذا التقدير يلزمهم ترك ظاهر الآية. وحينئذ تخرج الآية عن كونها حجة.

الثامن: أنه تعالى كان ولا عرش ولا مكان فلما خلق الخلق فيستحيل أن يقال انه تعالى صار مستقرا على العرش بعد ان لم يكن كذلك لأنه تعالى قال: "ثم استوى على العرش". وكلمة ثم للتراخي.

التاسع: أن ظاهر قوله تعالى: "ونحن أقرب إليه من حبل الوريد" وقوله: "وهو معكم أين ما كنتم" وقوله: "وهو الذي في السماء إله وفي الأرض إله" ينفي كونه مستقرا على العرش وليس تأويل هذه الآية لنفي الآيات التي تمسكوا بها على ظاهرها أولى من العكس.

العاشر: أن الدلائل العقلية القاطعة التي قدمنا ذكرها يبطل كونه تعالى مختصا بحيز من الجهات. واذا ثبت هذا ظهر أنه ليس المراد من الاستواء والاستقرار فوجب أن يكون المراد هو الاستيلاء والقهر ونفاذ القدر وجريان أحكام الإلهية. وهذا مستقيم على قانون اللغة. قال الشاعر:

قد استوى بشر على العراق ... من غير سيف ودم مهراق

والذي يقرر ذلك أن الله تعالى إنما أنزل القرآن بحسب عرف أهل اللسان وعادتهم. ألا ترى أنه تعالى قال: "وهو خادعهم" وقال: "وهو أهون عليه" وقال: "ومكروا ومكر الله" وقال: "الله يستهزئ بهم" والمراد في الكل أنه تعالى يعاملهم معاملة الخادعين

والمذکورین والمستحقرین۔ فکذا ھھنا المراد من الاستواء علی العرش التدبیر بأمر الملك والملکوت وتقریرہ ان القیام اصلہ الانتصاب ثم بین کو بمعنی الشروع فی الأمر کما یقال قام بالملك

فإن قیل: ھذا التأویل غیر جائز لوجوہ:

الأول انہ الاستیلاء عبارۃ عن حصول الغلبۃ بعد العجز وذلك فی حق اللہ تعالٰی محال

الثانی أنہ إنما یقال فلان استوی علی کذا إذا کان لہ منازع ینازعہ فی وذلك فی حق اللہ تعالٰی محال

الثالث أنہ إنما یقال فلان استوی علی کذا إذا کان المستولی علیہ موجودا قبل ذلك وھذا فی حق اللہ تعالٰی محال لأن العرش إنما حدث بتکوینہ وتخلیقہ۔

الرابع ان الاستیلاء بھذا المعنی حاصل بالنسبۃ الی کل المخلوقات فلا یبقی لتخصیص العرش بالذکر فائدۃ۔

الجواب أن مرادنا بالاستیلاء القدرۃ التامۃ الخالیۃ عن المنازع والمعارض والمدافع وعلی ھذا التقدیر فقد زالت ھذہ المطاعن بأسرھا وأما تخصیص العرش بالذکر ففیہ وجھان:

الأول أنہ أعظم المخلوقات فخص بالذکر لھذا السبب کما أنہ خصہ بالذکر فی قولہ: وھو رب العرش العظیم لھذا المعنی۔

الثانی قال الشیخ الغزالی رحمہ اللہ فی کتاب الجام العوام: السبب فی ھذا التخصیص ھو أنہ تعالٰی یتصرف فی جمیع العالم ویدبر الأمر من السماء الی الأرض بواسطۃ العرش فإنہ تعالٰی لا یحدث صورۃ فی العالم ما لم یحدثھا فی العرش کما لا یحدث النقاش والکاتب صورۃ البناء علی البیاض ما لم یحدثھا فی الدماغ بل لا یحدث صورۃ البناء فی الخارج ما لم یحدث صورتہ فی الدماغ بواسطۃ القلب والدماغ۔

يدبر الروح أمر عالمه الذي هو بدنه فكذا بواسطة العرش يدبر الله أمر كل العالم.

(أساس التقديس في علم الكلام ص ۱۱۹ ج ۱۔ المؤلف: أبو عبد الله محمد بن عمر بن الحسن بن الحسين التيمي الرازي الملقب بفخر الدين الرازي خطيب الري رحمه الله (المتوفى ۶۰۶ھ) الناشر: مؤسسة الكتب الثقافية، بيروت۔ الطبعة: الأولى ۱۴۱۵ھ)

ترجمہ: ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے عرش کے اوپر مستقر ہونے کے لیے (اس آیت کے علاوہ) چھ آیات قرآنی سے بھی دلیل پکڑی ہے۔ لیکن ہم کہتے ہیں: ان آیات میں استواء علی العرش کو استقرار علی العرش کے معنی پر اتارنا جائز نہیں ہے۔ اس کی کئی وجوہ ہیں:

1 اس آیت: الرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى. (سورت طٰہٰ: ۵) (وہ بڑی رحمت والا عرش پر استواء فرمائے ہوئے ہے) سے پہلے یہ آیت ہے: "تَنْزِيلًا مِمَّنْ خَلَقَ الْأَرْضَ وَالسَّمَاوَاتِ الْعُلَى" (اسے اس ذات کی طرف سے تھوڑا تھوڑا کرکے نازل کیا جا رہا ہے جس نے زمین اور اونچے اونچے آسمان پیدا کیے ہیں) اور ہم نے پہلے بیان کر دیا ہے کہ یہ آیت دلالت کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی بھی قسم کے حیز اور جہت کے ساتھ مخصوص نہیں ہیں۔

2 اس آیت کے بعد یہ آیت ہے:

لَهُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا وَمَا تَحْتَ الثَّرٰى.

ترجمہ: آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے، اور ان کے درمیان جو کچھ ہے، وہ سب اسی کی ملکیت ہے، اور زمین کی تہوں کے نیچے جو کچھ ہے وہ بھی۔

پس ہم نے بیان کیا ہے کہ آسمان وہ ہے جس میں بلندی اور فوقیت ہوتی ہے۔ ہر چیز جو جہت فوق میں ہو اسے آسمان کہتے ہیں۔ جب ایسا ہی ہے تو اللہ تعالیٰ کے اس قول: "لَهُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ" کا مقتضی یہ ہے کہ جو کچھ بھی جہت فوق میں ہو، وہ آسمان ہی ہے۔ جب ایسا ہی ہے تو اللہ تعالیٰ کے قول: "لَهُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ" کا مقتضی یہی ہوا کہ جو کچھ بھی جہت فوق میں ہے، وہ تو اللہ تعالیٰ کی

ذات حرکت پر قادر ہی نہیں، تو وہ بندھی ہوئی ہوگی۔ بلکہ یہ تو دونوں صورتوں میں بدترین ہوگی۔ اس لیے کہ جس وقت وہ مراد اور آگے میں حرکت کا ارادہ کرے تو وہ اس پر قدرت رکھ سکتی ہے۔ اسی طرح مربوط (بندھا ہوا) ہوتا ہے۔ یہ تو اللہ تعالیٰ کے لیے محال اور ناممکن ہے۔

6 اگر یہ بات عرش پر حاصل ہے تو پھر تو یہ تمام ہی جگہوں میں حاصل ہوگی۔ اس سے یہ بات لازم آئے گی کہ وہ ذات تمام نجاست والی جگہوں میں بھی اسی طرح موجود ہو۔ اگر ایسا نہیں ہے تو اس کے لیے اطراف، انتہاء، زیادت اور نقصان ثابت ہو جائے گا۔ یہ سب اللہ تعالیٰ کے لیے محال اور ناممکن ہے۔

7 اللہ تعالیٰ کا فرمان: ﴿وَالْمَلَكُ عَلَىٰ أَرْجَائِهَا ۚ وَيَحْمِلُ عَرْشَ رَبِّكَ فَوْقَهُمْ يَوْمَئِذٍ ثَمَانِيَةٌ﴾ (الحاقۃ: ١٧) (اور فرشتے اس کے کناروں پر ہوں گے، اور تمہارے پروردگار کے عرش کو اس دن آٹھ فرشتے اپنے اوپر اٹھائے ہوئے ہوں گے)۔ اگر عرش اللہ تعالیٰ کا مکان اور اس کے بیٹھنے کی جگہ ہو، جو فرشتوں کا بھی معبود ہے۔ پھر تو فرشتے، حاملین عرش، تمام جہانوں کے معبود کو اٹھائے ہوئے ہوں گے۔ یہ ایک غیر معقول بات ہے۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ جو تمام جہانوں کا خالق ہے، وہی تمام مخلوق کو تھامے ہوئے ہے۔ مخلوق تو خالق کی حفاظت کر ہی نہیں سکتی اور نہ اس کو اٹھا سکتی ہے۔ ایسی بات کہی ہی نہیں جا سکتی۔ اس سے تو یہ بات لازم آتی ہے کہ اللہ تو عرش پر بیٹھے ہوئے اور اس پر ٹیک لگائے ہوئے ہے۔ ایسی بات ہم تو نہیں کہتے۔ اس لیے کہ اس صورت میں تو اللہ تعالیٰ عرش پر نہیں ہو سکتے۔ اس لیے کہ جو کسی چیز پر مستقر ہوتا ہے تو وہ اس پر تکیہ لگائے بھی بیٹھا ہی ہوتا ہے۔ کیا تو اس بات کو نہیں دیکھتا کہ جب ہم زمین پر اپنے جسم کو رکھتے ہیں تو ہم کہتے ہیں، وہ زمین پر مستقر ہے۔ ہم یہ نہیں کہتے کہ زمین اس پر مستقر ہے۔ یہ اس لیے ہے کہ وہ چیز زمین پر قرار پکڑے ہوئے ہے، نہ زمین اس پر قرار پکڑے ہوئے ہے۔ پس اگر اللہ عرش پر قرار پکڑے ہوئے نہیں ہے تو عرش بھی اس پر قرار پکڑے ہوئے نہیں ہے۔ پس اس صورت میں آیت کے ظاہری معنی کو ترک کرنا لازم ہے۔ لہٰذا آیت دلیل نہیں بن سکتی۔

14 ابو منصور فخر الدین عبد الرحمٰن بن محمد المعروف بابن عساکرؒ (المتوفی ۶۲۰ھ) کے عقائد

حضرت شیخ ابو منصور فخر الدین عبد الرحمٰن بن محمد المعروف بابن عساکرؒ (المتوفی ۶۲۰ھ) فرماتے ہیں:

وَنحن نرى أن نسوق هٰذه العقيدة المرشدة وهي:

اِعْلَمْ أرشدنا الله وَإيَّاكَ! أنه يجب على كل مُكَلَّف أن يعلم: أن الله عز وَجل وَاحد في ملكه. خلق الْعَالَم بأسره الْعلوي والسفلي. وَالْعرش والكرسي وَالسَّمٰوات وَالْأَرْض وَمَا فيهمَا. وَمَا بينهمَا جَمِيع الْخَلَائق مقهورون بقدرته. لَا تتحرك ذرة إِلَّا بِإِذْنِهِ. لَيْسَ مَعَه مُدبر فِي الْخلق. وَلَا شريك فِي الْملك.

۱ حَيّ قيوم.
۲ لَا تَأْخُذهُ سنة وَلَا نوم.
۳ عَالم الْغَيْب وَالشَّهَادَة
۴ لَا يخفى عَلَيْهِ شَيْء فِي الأَرْض وَلَا فِي السَّمَاء.
۵ وَيعلم مَا فِي الْبر وَالْبَحْر وَمَا تسْقط من ورقة إِلَّا يعلمهَا وَلَا حَبَّة فِي ظلمات الأَرْض وَلَا رطب وَلَا يَابِس إِلَّا فِي كتاب مُبين
۶ أحَاط بِكُل شَيْء علما
۷ وأحصى كل شَيْء عددا
۸ فعال لما يُرِيد

قَادر على مَا يَشَاء. لَهُ الْملك والغناء. وَله الْعِزّ والبقاء. وَله الحكم وَالْقَضَاء. وَله الْأَسْمَاء الْحسنى. لَا دَافع لما قضى. وَلَا مَانع لما أعْطى. يفعل فِي ملكه مَا يُرِيد. وَيحكم فِي خلقه بِمَا يَشَاء. لَا

يرجو ثوابًا. ولا يخاف عقابًا. ليس عليه حق. ولا عليه حكم. وكل نعمة منه فضل. وكل نقمة منه عدل.

لا يسأل عما يفعل وهم يسألون

موجود قبل الخلق. ليس له قبل ولا بعد. ولا فوق ولا تحت. ولا يمين ولا شمال. ولا أمام ولا خلف. ولا كل ولا بعض. ولا يقال متى كان ولا أين كان ولا كيف كان. ولا مكان. كوّن الأكوان. ودبّر الزمان. لا يتقيد بالزمان. ولا يتخصص بالمكان. ولا يشغله شأن عن شأن. ولا يلحقه وهم. ولا يكتنفه عقل. ولا يتخصص بالذهن. ولا يتمثل في النفس. ولا يتصور في الوهم. ولا يتكيف في العقل. لا تلحقه الأوهام والأفكار.

ليس كمثله شيء وهو السميع البصير.

هذا آخر العقيدة وليس فيها ما ينكره سني.

(طبقات الشافعية الكبرى ج٨ ص١٨٥، ١٨٦ في ترجمة رقم ١١٧٠: عبد الرحمن بن محمد بن الحسن بن هبة الله ابن عبد الله بن الحسين الدمشقي. الشيخ الإمام الكبير أبو منصور فخر الدين ابن عساكر رحمه الله. المؤلف: تاج الدين عبد الوهاب بن تقي الدين السبكي رحمه الله (المتوفى ٧٧١ھ). المحقق: د. محمود محمد الطناحي، د. عبد الفتاح محمد الحلو. الناشر: هجر للطباعة والنشر والتوزيع. الطبعة: الثانية ١٤١٣ھ)

ترجمہ: ہم یہاں مناسب سمجھتے ہیں کہ اس درست اور صحیح عقیدہ کو یہاں بیان کر دیں۔ وہ یہ ہے: جاننا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اور آپ کو راہِ راست کی توفیق عطا فرمائیں کہ ہر مکلف انسان پر یہ بات واجب ہے کہ وہ علی وجہ البصیرت یہ ایمان رکھے:

1 اللہ تعالیٰ اس کائنات کا اکیلا ہی مالک ہے۔

2 اللہ تعالیٰ ہی نے اس عالم کو مکمل طور پر پیدا کیا ہے، چاہے وہ عالم علوی ہو، سفلی ہو، عرش ہو، کرسی ہو، آسمان اور زمین ہوں، جو مخلوقات ان دونوں کے اندر ہو یا ان

دونوں کے درمیان ہو۔

3 ساری مخلوقات اس کی قدرت کے تحت مجبور و مقہور ہیں۔

4 اس کے علم کے بغیر ایک ذرہ بھی حرکت نہیں کر سکتا۔

5 نظام کائنات چلانے کے لیے اس کے ساتھ کوئی بھی مددگار نہیں ہے۔

6 اس کی بادشاہی میں کوئی بھی شریک نہیں ہے۔

8 اَلْحَیُّ الْقَیُّوْمُ۔ (البقرہ:۲۵۵)

ترجمہ وہ سدا زندہ ہے، جو پوری کائنات کو سنبھالے ہوئے ہے۔

9 لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ۔ (البقرہ:۲۵۵)

ترجمہ اس کو نہ کبھی اونگھ لگتی ہے، نہ نیند

10 هُوَ اللّٰهُ الَّذِیْ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ عٰلِمُ الْغَیْبِ وَالشَّهَادَةِ ۚ هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِیْمُ۔ (الحشر:۲۲)

ترجمہ وہ اللہ وہی ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ وہ چھپی اور کھلی ہر بات کو جاننے والا ہے، وہی ہے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے۔

11 اِنَّ اللّٰهَ لَا یَخْفٰی عَلَیْهِ شَیْءٌ فِی الْاَرْضِ وَلَا فِی السَّمَآءِ۔ (آل عمران:۵)

ترجمہ یقین رکھو کہ اللہ تعالیٰ سے کوئی چیز چھپ نہیں سکتی، نہ زمین میں، نہ آسمان میں۔

12 وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَیْبِ لَا یَعْلَمُهَاۤ اِلَّا هُوَ ۚ وَیَعْلَمُ مَا فِی الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ۚ وَمَا تَسْقُطُ مِنْ وَّرَقَةٍ اِلَّا یَعْلَمُهَا وَلَا حَبَّةٍ فِیْ ظُلُمٰتِ الْاَرْضِ وَلَا رَطْبٍ وَّلَا یَابِسٍ اِلَّا فِیْ كِتٰبٍ مُّبِیْنٍ۔ (الانعام:۵۹)

ترجمہ اور اسی کے پاس غیب کی چابیاں ہیں جنھیں اس کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ اور سمندر اور خشکی میں جو کچھ ہے وہ اس سے واقف ہے۔ کسی درخت کا کوئی پتہ نہیں گرتا جس کا اسے علم نہ ہو اور زمین کی اندھیریوں میں کوئی دانہ یا کوئی خشک یا تر چیز ایسی نہیں ہے جو ایک کھلی کتاب میں درج نہ ہو۔

13 وَّاَنَّ اللّٰهَ قَدْ اَحَاطَ بِكُلِّ شَیْءٍ عِلْمًا۔ (الطلاق:۱۲)

ترجمہ اور اللہ تعالیٰ کے علم نے ہر چیز کا احاطہ کیا ہوا ہے۔

14 وَأَحَاطَ بِمَا لَدَيْهِمْ وَأَحْصَى كُلَّ شَيْءٍ عَدَدًا (الجن: ۲۸)

ترجمہ: اور وہ ان کے سارے حالات کا احاطہ کیے ہوئے ہے، اور اس نے ہر ہر چیز کی پوری طرح گنتی کر رکھی ہے۔

15 فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيدُ (البروج: ۱۶)

ترجمہ: وہ جو کچھ ارادہ کرتا ہے، کر گزرتا ہے۔

16 وہ جو چاہے، کرنے کی قدرت رکھتا ہے۔

17 اسی کے لیے بادشاہی اور غنا ہے۔

18 اسی کے لیے عزت اور بقا ہے۔

19 اسی کے لیے حکومت اور قضا و قدر ہے۔

20 اسی کے لیے اچھے اور عمدہ نام ہیں۔

21 اس کے فیصلے کو کوئی ہٹا اور مٹا نہیں سکتا۔

22 وہ جس کو عطا کرنا چاہے، کوئی روک نہیں سکتا۔

23 اپنی بادشاہی میں جو ارادہ کرتا ہے، اسی کو پورا کرتا ہے۔

24 اپنی مخلوق میں جو چاہے، وہ کرتا ہے۔

25 اس کو جزا و ثواب کی کوئی چاہت نہیں ہے۔

26 اس کو عتاب کا کوئی خطرہ نہیں ہے۔

27 اس پر کسی کا کوئی حق نہیں ہے۔

28 اس پر کسی کا کوئی حکم نہیں چل سکتا۔

29 ہر نعمت اس کے فضل ہی سے ہے۔

30 ہر مصیبت اس کے عدل سے ہے۔

31 لَا يُسْأَلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْأَلُونَ (الانبیاء: ۲۳)

ترجمہ: وہ جو کچھ کرتا ہے، اس کا کسی کو جواب دہ نہیں ہے، اور ان سب کو جواب دہی کرنی ہوگی۔

32 اللہ تعالیٰ تمام مخلوق کی پیدائش سے پہلے بھی موجود تھا۔

33 اللہ تعالیٰ کے لیے پہلے اور بعد، فوق اور تحت، دائیں اور بائیں، آگے اور پیچھے، کل (تمام) اور بعض (اجزاء) کا کوئی تصور نہیں ہے۔

34 اللہ تعالیٰ کے لیے یہ نہیں کہا جا سکتا کہ وہ کب سے ہے؟ کہاں ہے؟ کیسے ہے؟

35 اللہ تعالیٰ موجود تھا جب کوئی مکان بھی نہیں تھا۔

36 اللہ تعالیٰ نے تمام عالم کو پیدا کیا۔

37 زمانے کی تحدید کا انتظام کیا۔

38 اللہ تعالیٰ پر زمانہ کا اطلاق نہیں ہو سکتا اور نہ مکان کی تخصیص کی جا سکتی ہے۔

39 اس کو ایک کام سے مشغولی دوسرے کام سے نہیں روک سکتی۔

40 اس کو وہم و پریشانی لاحق نہیں ہو سکتی۔

41 عقل اس کی کنہ کو نہیں پا سکتی۔

42 ذہن اس کی تخصیص نہیں کر سکتا۔

43 کوئی شخص بھی اس کی تمثیل و بیان نہیں کر سکتا۔

44 وہم و خیال اس کے تصور کو بھی نہیں پہنچ سکتا۔

45 عقل اس کی کیفیت کو معلوم نہیں کر سکتی۔

46 اوہام و افکار اس کو لاحق نہیں ہو سکتے۔

47 لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ وَهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ. (شوریٰ:11)

ترجمہ: کوئی چیز اس کے مثل نہیں ہے، اور وہی ہے جو ہر بات سنتا سب کچھ دیکھتا ہے۔

48 یہی وہ آخری عقیدہ ہے جس کا اہل السنت والجماعت کا کوئی بھی فرد انکار نہیں کر سکتا۔

روشن حقائق اردو ترجمہ: **الحقائق الجلیۃ فی الرد علی ابن تیمیۃ فیما أوردہ فی الفتوی الحمویۃ**۔ مصنف: علامہ ابن جہبل (المتوفی ۷۳۳ھ)۔ مترجم: مولانا ابو حفص اعجاز احمد اشرفی حفظہ اللہ۔ الناشر: دار النعیم، اردو بازار، لاہور۔

اس کتاب کے کچھ اقتباسات یہاں درج کیے جاتے ہیں۔

1 ہم اہل السنت والجماعت اس بارے میں یہی کہتے ہیں:

"ہمارا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ قدیم اور ازلی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کسی بھی چیز کے مشابہ نہیں ہیں اور نہ ہی کوئی چیز اللہ تعالیٰ کے مشابہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کے لیے کوئی جہت اور مکان نہیں ہے۔ نہ اللہ تعالیٰ کی ذات پر وقت اور زمانہ کا گزر ہو سکتا ہے۔ اور نہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ کہاں اور کیسے ہے؟ اللہ تعالیٰ کی رؤیت ہوگی مگر وہ سامنے سے اور بالمقابل نہیں ہوگی۔ اللہ تعالیٰ کی ذات اس وقت بھی تھی جب مکان و زمان نہیں تھے۔ اللہ تعالیٰ ہی نے مکان اور زمان کو پیدا کیا۔ اللہ تعالیٰ اب بھی اسی شان سے ہے جیسا کہ وہ پہلے تھا"۔

تشریح کسی چیز کو دیکھنے کے لیے یہ شرطیں ہیں۔ وہ چیز دیکھنے والے کی جہت میں ہو اور اس کے مقابل اور محاذی ہو۔ دونوں کے درمیان مسافت مقررہ ہو، نہ نہایت قریب، نہ نہایت بعید۔ مطلب یہ ہے کہ قیامت کے روز دیدار الٰہی میں مقابلہ و مواجہہ اور قرب و بعد نہ ہوگا، کیونکہ اللہ تعالیٰ جہت و مقابلہ و مسافت سے منزہ ہے۔ غرض! اہل ایمان آج خدا تعالیٰ کو بے کیف و بے چگون مانتے ہیں۔ کل قیامت کو اسے بے کیف دیکھیں گے۔

(روشن حقائق اردو ترجمہ **الحقائق الجلیۃ فی الرد علی ابن تیمیۃ فیما أوردہ فی الفتوی الحمویۃ**۔ مصنف علامہ ابن جہبل، ص ۵۰)

2 "آیات صفات اور احادیث صفات کو جو شخص بھی سنے اس کا فریضہ: (۱) تقدیس و تنزیہ باری تعالیٰ کا عقیدہ رکھنا، (۲) اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کو ماننا، (۳) اس معنی کے ساتھ جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد

اور کسی مرتبہ کے لحاظ سے، جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔ لہٰذا یہ بات جان لینی چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کے لیے جسم کا اطلاق محال ہے۔ اس لفظ سے وہ معنی مراد ہوں گے جو اس کی شانِ اقدس کے لائق ہوں۔

2 ایمان اور تصدیق

ایمان اور تصدیق یہ ہے کہ اس بات کو جان لے کہ جناب رسول اللہ ﷺ اللہ تعالیٰ کی صفات بیان کرنے میں صادق اور امین ہیں، جو کچھ آپ ﷺ نے بیان فرمایا ہے وہ بے شک حق اور سچ ہے، اسی معنی کے ساتھ جس کا آپ ﷺ نے ارادہ فرمایا ہے اور اسی انداز سے جس طرح آپ ﷺ نے بیان فرمایا ہے، اگرچہ وہ مومن اس کی حقیقت سے واقف نہ ہو۔ اور شیطان اس کو پاگل نہ بنا دے، تو وہ یوں ہی نہ کہنے لگ پڑے: میں اس مجہول معاملے کی کیسے تصدیق کروں جس کی حقیقت میں نہیں جانتا؟ بلکہ مومن شیطان کو رسوا کر دے، اور وہ یوں کہے: جیسے جب کوئی مجھے صادق اور امین خبر دے کہ مکان میں حیوان ہے۔ تو میں نے اس کے وجود کا ادراک کر لیا ہے، اگرچہ میں اس کی کیفیت اور حقیقت کو نہیں جانتا۔ اسی طرح صفات باری تعالیٰ کے بارے میں عقیدہ رکھنا چاہیے۔ پھر اس بات کو بھی جان لے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

"اے اللہ! میں تیری ثنا و تعریف بیان کر ہی نہیں سکتا جیسی تو نے خود اپنی ثنا بیان کی ہے"۔

تخریج پوری حدیث یوں ہے:

حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ، حَدَّثَنِي عُبَيْدُ اللهِ بْنُ عُمَرَ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ يَحْيَى بْنِ حَبَّانَ، عَنِ الْأَعْرَجِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: فَقَدْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْلَةً مِنَ الْفِرَاشِ فَالْتَمَسْتُهُ فَوَقَعَتْ يَدِي عَلَى بَطْنِ قَدَمَيْهِ وَهُوَ فِي الْمَسْجِدِ وَهُمَا مَنْصُوبَتَانِ وَهُوَ يَقُولُ: "اللَّهُمَّ أَعُوذُ بِرِضَاكَ مِنْ سَخَطِكَ،

سمجھ نہیں سکے گا، جیسا کہ بالغ کسی نابالغ لڑکے کو جماع کی لذت سمجھا نہیں سکتا۔ اسی طرح اس کو شروع سے مصالح اور تدریج کی تعلیم نہیں دے سکتا، بلکہ اس کو یہ مصلحت کی باتیں اس کو مکتب سے فارغ ہونے کے بعد ہی سمجھائے گا۔

پس عوام میں جب کوئی آدمی ان مسائل کے بارے میں سوال کرے تو اس کو جھڑک اور ڈانٹ دیا جائے گا۔ اور اس سے کہا جائے گا: یہ تیری خاطر کا معاملہ نہیں ہے، لہذا تو دین میں اور راستے پر قائم رہ۔ حضرت امام مالکؒ نے اسی طرح کے سوال کرنے والے کو اپنی مجلس سے نکال دینے کا حکم دیا تھا۔ تو اس وقت فرمایا تھا: میں تو تجھے برا آدمی ہی خیال کرتا ہوں۔ اور اس شخص کی بات سن کر حضرت امام مالکؒ پسینہ پسینہ ہو گئے تھے۔

حضرت عمرؓ بھی ہر اس شخص کے ساتھ جو آیات متشابہات کے بارے میں سوال کرتا تھا، اسی طرح کا معاملہ کرتے تھے۔ حضور اکرم ﷺ کا فرمان مبارک ہے:

”تم سے پہلے لوگ کثرت سوال کی وجہ سے ہلاک کر دیے گئے“۔

تقدیر کے بارے میں زبان بند رکھنے کا حکم وارد ہوا ہے تو پھر صفات باری تعالیٰ کے بارے میں کیوں نہیں!!

5 امساک

آیات و احادیث میں تصرف سے روک لینا۔ وہ یہ ہے کہ مؤمن وہی بات کہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ اور جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے۔ اس میں کسی قسم تصرف نہ کرے، چاہے وہ تفسیر، تاویل، تصریف، تفریق اور جمع کا ہو۔

تفسیر یہ ہے کہ وہ قرآن و حدیث کے الفاظ کو کسی دوسری لغت سے نہ بدلے، اس لیے کہ ایک لفظ دوسرے کا قائم مقام نہیں ہو سکتا۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ وہ لفظ ایک لغت میں تو مستعار ہوتا ہے دوسری لغت میں نہیں۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ وہ لفظ ایک لغت میں تو مشترک ہوتا ہے جب کہ دوسری لغت میں نہیں۔ اس وقت استعارہ کو ترک کرنے کی خطاب مشکل ہو جاتا ہے اور اس اعتقاد کے ساتھ کہ ان دونوں

16 حضرت الإمام العلامة سعد الدين مسعود بن عمر التفتازانی رحمہ اللہ (المتوفی ۷۹۳ھ) کے عقائد

مشہور متکلم اسلام ہیں جنہوں نے "العقائد النسفیہ" شیخ نجم الدین عمر النسفی (المتوفی ۵۳۷ھ) کی شرح لکھی۔ یہ کتاب ہمارے درس نظامی کی علم العقائد میں اہم ترین کتاب سمجھی جاتی ہے۔

اس شرح میں علامہ مسعود بن عمر سعد الدین تفتازانی (المتوفی ۷۹۳ھ) نے ماتریدیہ اور اشاعرہ کے علوم سے استفادہ کرتے ہوئے خالص فنی انداز میں علم کلام کے مسائل کو عقلی اور نقلی دلائل سے مبرہن کیا۔ علامہ موصوف علوم کی گیرائی و گہرائی میں اپنی نظیر آپ ہیں۔

تاریخ میں موصوف ہی ایک ایسے خوش نصیب مصنف ہیں جن کی مختلف علوم و فنون کی دسیوں کتابیں نصاب تعلیم کا جز بنی ہوئی ہیں اور آج تک علمی دنیا ان کے احسانات سے گراں بار ہے۔ لیکن یہ واقعہ ہے کہ جس طرح ان کی زبان میں لکنت تھی اسی طرح ان کا قلم بھی تعقید سے خالی نہیں ہے۔ "شرح عقائد" میں یہ وصف موجود ہے۔ درس نظامی میں شامل ہونے کی وجہ سے اس کی مشکلات کو حل کرنے کی ضرورت اور زیادہ بڑھ گئی ہے۔ اسی لیے عربی، فارسی اور اردو میں اس کی متعدد شروح و حواشی موجود ہیں۔

شرح عقائد نسفی مع حواشی مفیدہ و میزان العقائد کو تحفہ از استاذ الاساتذہ شاہ عبد العزیز دہلوی شائع شدہ ہے اور اس کی شرح راندیر (سورت) سے بھی اچھی تحقیق کے ساتھ شائع ہوئی ہے۔ اس کے شارح علامہ شمس الدین افغانی ہیں۔ زبان کہیں کہیں سخت ہوگئی ہے۔ تاہم مفید معلومات جمع کر دی ہیں۔ اس کتاب میں مشبہہ و مجسمہ اور غیر مقلدین وسلفیہ کا رد وافر موجود ہے۔

حال ہی میں اس کی ایک بہت ہی عمدہ شرح "بیان الفوائد فی حل شرح العقائد" کے

نام سے شائع ہوئی ہے۔ اس کے مؤلف حضرت مولانا مجیب اللہ ندوی مدظلہ استاذ
دارالعلوم ندوۃ العلماء ہیں۔

اس زمانہ میں ہندوپاک کے غیر مقلدین حنفیہ کے فروعی مسائل کو تختۂ مشق بنا کر تقلید
و حنفیت کے خلاف بڑا پروپیگنڈہ کرتے ہیں۔ اور اپنے غلط عقائد چھپاتے ہیں۔
جمہور سلف و خلف کے عقائد کو باطل قرار دیتے ہیں۔ اس لیے صحیح عقائد اہل حق کا
پتہ چلنا اور غلط عقائد سے بچنے کی واقفیت نہایت ضروری ہے۔ واللہ الموفق!

نوٹ: اس کی کتاب ”الشرح عقائد نسفیہ“ میں صفاتِ باری تعالیٰ کے عقائد کو تفصیلاً بیان کیا
گیا ہے۔ اس کی کتاب عقائد نسفیہ کی شرح ہے۔ متن عقائد نسفیہ کو پہلے بیان کیا گیا
ہے۔ اس لیے طوالت کے خوف کے لیے اس کی کتاب سے صرف صفتِ کلام کو ہی
پیش کیا گیا ہے۔

1 الكلام صفة أزلية

(والكلام) وهي صفة أزلية عبر عنها بالنظم المسمى بالقرآن المركب من الحروف وذلك لأن كل من يأمر وينهى ويخبر يجد من نفسه معنى. ثم يدل عليه بالعبارة أو الكتابة أو الإشارة وهي غير العلم. إذ قد يخبر الإنسان عما لا يعلمه بل يعلم خلافه. وغير الإرادة لأنه قد يأمر بما لا يريده. كمن أمر عبده قصداً لإظهار عصيانه. وعدم امتثاله لأوامره ويسمى هذا كلاماً نفسياً. على ما أشار إليه الأخطل بقوله:

إن الكلام لفي الفؤاد وإنما   جعل اللسان على الفؤاد دليلاً

وقال عمر رضي الله عنه: إني زورت في نفسي مقالة.

وكثيراً ما تقول لصاحبك: إن في نفسي كلاماً أريد أن أذكره لك.

والدليل على ثبوت صفة الكلام إجماع الأمة وتواتر النقل عن الأنبياء عليهم السلام أنه تعالى متكلم. مع القطع باستحالة

التكلم من غير ثبوت صفة الكلام

فثبت أن لله تعالى صفات ثمانية هي: العلم والقدرة والحياة والسمع والبصر والإرادة والتكوين والكلام

ولما كان في الثلاثة الأخيرة نزاع وخفاء كرر الإشارة إلى إثباتها وقدمها، وفصل الكلام بعض التفصيل فقال:

(وهو) أي الله تعالى (متكلم بكلام هو صفة له) ضرورة امتناع إثبات المشتق للشيء من غير قيام مأخذ الاشتقاق به، وفي هذا رد على المعتزلة حيث ذهبوا إلى أنه متكلم بكلام هو قائم بغيره ليس صفة له

(أزلية) ضرورة امتناع قيام الحوادث بذاته.

(ليس من جنس الحروف والأصوات) ضرورة أنها أعراض حادثة مشروط حدوث بعضها بانقضاء البعض، لأن امتناع التكلم بالحرف الثاني بدون انقضاء الحرف الأول بديهي. وفي هذا رد على الحنابلة والكرامية القائلين بأن كلامه تعالى عرض من جنس الأصوات والحروف، ومع ذلك فهو قديم

(وهو) أي الكلام (صفة) أي معنى قائم بالذات (منافية للسكوت) الذي هو ترك التكلم مع القدرة عليه. (والآفة) التي هي عدم مطاوعة الآلات إما بحسب الفطرة كما في الخرس أو بحسب ضعفها وعدم بلوغها حد القوة كما في الطفولية.

فإن قيل: هذا الكلام إنما يصدق على الكلام اللفظي دون الكلام النفسي، إذ السكوت والخرس إنما ينافي التلفظ.

قلنا: المراد السكوت والآفة الباطنيان، بأن لا يدير في نفسه التكلم أو لا يقدر على ذلك، فكما أن الكلام لفظي ونفسي فكذا ضده أعني السكوت والخرس.

(والله تعالى متكلم بها آمر ناه مخبر)

يعني أنه صفة واحدة تتكثر إلى الأمر والنهي والخبر، باختلاف التعلقات كالعلم والقدرة وسائر الصفات، فإن كلاً منهما صفة واحدة قديمة، والتكثر والحدوث إنما هو في التعلقات والإضافات، لما أن ذلك أليق بكمال التوحيد، ولأنه دليل على تكثر كل منها في نفسها.

فإن قيل: هذه الأقسام للكلام لا يعقل وجوده بدونها.

قلنا: إنه ممنوع، بل إنما يصير أحد تلك الأقسام عند التعلقات، وذلك فيما لا يزال، وأما في الأزل فلا انقسام أصلاً.

وذهب بعضهم إلى أنه في الأزل خبر، ومرجع الكل إليه، لأن حاصل الأمر إخبار عن استحقاق الثواب على الفعل والعقاب على الترك والنهي على العكس، وحاصل الاستخبار الخبر عن طلب الإعلام، وحاصل النداء الخبر عن طلب الإجابة.

ورد بأنا نعلم اختلاف هذه المعاني بالضرورة واستلزام البعض للبعض لا يوجب الاتحاد.

فإن قيل: الأمر والنهي بلا مأمور ولا منهي سفه وعبث، والإخبار في الأزل بطريق المضي كذب محض يجب تنزيه الله تعالى عنه.

قلنا: إن لم يجعل كلامه في الأزل أمراً ونهياً وخبراً فلا إشكال، وإن جعلناه فالأمر في الأزل لإيجاب تحصيل المأمور في علم الآمر، كما إذا قدر الرجل ابناً له فأمره بأن يفعل كذا بعد الوجود.

والإخبار بالنسبة إلى الأزل لا يتصف بشيء من الأزمنة إذ لا ماضي ولا مستقبل ولا حال بالنسبة إلى الله تعالى لتنزيهه عن

کلام سے ثبوت کے متکلم ہونا محال ہے۔ پس ثابت ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ کے لیے آٹھ صفات ہیں اور وہ (۱) علم، (۲) قدرت، (۳) حیات، (۴) سمع، (۵) بصر، (۶) ارادہ، (۷) تکوین اور (۸) کلام ہیں۔

4 جب آخری تین صفات میں زیادہ نزاع تھا تو ان کے اثبات اور ان کے قدیم ہونے کی طرف مکرر اشارہ کیا اور قدرے تفصیل کے ساتھ کلام کیا۔ چنانچہ فرمایا اور وہ (یعنی اللہ تعالیٰ) متکلم ہے، ایسے کلام کے سبب جو اس کی صفت ہے۔ شی کے اسم مشتق کا اثبات اس کے ساتھ ماخذ اشتقاق کے قیام ہونے کے بغیر محال ہونے کی وجہ سے۔ اس میں معتزلہ کی تردید ہے۔ اس لیے کہ ان کا مذہب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ متکلم ہیں ایسے کلام کی وجہ سے جو ان کے علاوہ کے ساتھ قائم ہے وہ ان کی صفت نہیں ہے۔

5 وہ صفت ازلی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ حوادث کا قیام محال ہونے کی وجہ سے۔ حروف و اصوات کی جنس سے نہیں ہے کیونکہ حروف و اصوات ایسے اعراض ہیں جو حادث ہیں۔ بعض کا حادث ہونا دوسرے بعض کے ختم کے ساتھ مشروط ہے کیونکہ حرف اول کے ختم ہوئے بغیر حرف ثانی کے تلفظ کا ممکن ہونا بدیہی ہے۔ اس میں حنابلہ اور کرامیہ کی تردید ہے جو اس بات کے قائل ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا کلام عرض ہے، اصوات اور حروف کی جنس سے ہے اور اس کے باوجود وہ قدیم ہے۔

6 اور وہ (یعنی کلام) ایک ازلی صفت ہے یعنی ایک ایسا معنی ہے جو ذات واجب کے ساتھ قائم ہے۔ وہ (اس) سکوت کے منافی ہے جو تکلم نہ کرنے کا نام ہے باوجود اس پر قدرت ہونے کے، اور آفت کے منافی ہے جو آلات کے کام نہ کرنے کا نام ہے۔ خواہ پیدائشی اعتبار سے جیسا کہ گونگے پن میں ہوتا ہے، یا آلات تکلم کے ضعیف ہونے اور ان کے درجۂ قوت اور پختگی کے لحاظ سے جیسا کہ بچپن میں ہوتا ہے۔ پس اگر کہا جائے کہ یہ صرف کلام لفظی پر صادق آتا ہے، کلام نفسی پر نہیں۔ اس لیے کہ سکوت اور خرس صرف تلفظ کے منافی ہے۔ ہم جواب دیں گے کہ مراد باطنی سکوت و آفت ہیں، بایں طور کہ دل میں تکلم نہ سوچ سکے یا اس پر قدرت نہ ہو۔ تو جس طرح کلام لفظی اور نفسی ہوتا ہے اسی طرح اس کی ضد یعنی سکوت اور خرس

بھی۔

7 اللہ تعالیٰ اسی صفت کے ساتھ متکلم ہیں، آمر، ناہی اور مخبر ہیں یعنی کلام ایک ہی صفت ہے جو تعلقات کے مختلف ہونے کی وجہ سے امر و نہی کے لحاظ سے کثرت والا ہے۔ جیسے علم، قدرت اور دیگر صفات کہ ان میں سے ہر ایک قدیم ہے، اور تغیر و حدوث صرف تعلقات اور اضافی امور میں ہے کیونکہ یہ بات کمالِ توحید کے مناسب ہے۔

8 پھر اگر کہا جائے کہ یہ کلام کی اقسام ہیں جن کے بغیر کلام کے وجود کا تصور نہیں کیا جا سکتا۔ پس وحدت منتفی ہو گی۔

ہم جواب دیں گے کہ یہ تسلیم نہیں بلکہ تعلقات کے وقت کلام ان اقسام میں سے کوئی ایک قسم بن جاتا ہے اور یہ ازل کے بعد ہے۔ بہر حال ازل میں تو بالکل تقسیم ہی نہیں۔ بعض حضرات کا یہ مذہب ہے کہ کلام ازل میں خبر ہے۔ تمام اقسام کا حاصل خبر ہی ہے۔ اس لیے کہ امر کا حاصل فعل پر مستحقِ ثواب ہونے اور ترک پر مستحقِ عقاب ہونے کی خبر دینا ہے۔ اور نہی اس کے برعکس ہے۔ استخبار کا حاصل آگاہی مطلوب ہونے کی خبر دینا ہے۔ نداء کا حاصل اجابت مطلوب ہونے کی خبر دینا ہے۔ اس مذہب کو اس طرح رد کیا گیا ہے کہ ہم یقینی طور پر ان معانی کے مختلف ہونے کو جانتے ہیں۔ بعض کا مذہب دوسرے بعض کو مستلزم ہونا اتحاد کا موجب نہیں ہے۔

9 پھر اگر کہا جائے کہ امر اور نہی بغیر مامور اور منہی کے سفاہت اور جہالت ہے۔ ازل میں بصیغۂ ماضی خبر دینا کذبِ محض ہے، جس سے اللہ تعالیٰ کو پاک اور منزہ سمجھنا واجب ہے۔

ہم جواب دیں گے کہ اگر ازل میں کلامِ الٰہی کو امر، نہی اور خبر قرار نہ دیں، تب تو کوئی اشکال ہی نہیں۔ اور اگر ہم اسے (امر، نہی اور خبر) قرار دیں تو ازل میں امر مخاطب مامور کے وجود کے وقت میں فعلِ مامور بہ کو انجام دینا واجب کرنے کے لیے ہے۔ پس علمِ آمر میں مامور کا وجود کافی ہے۔ جیسے کوئی شخص اپنے لیے بیٹے کا تصور کرے اور اس کو امر کرے کہ وہ موجود ہونے کے بعد ایسا کرے۔ ازل کے لحاظ سے خبریں کسی

بھی زمانے کے ساتھ متصف نہیں ہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ کے اعتبار سے کوئی ماضی ہے نہ مستقبل ہے نہ حال ہے، کیونکہ وہ زمان سے منزہ اور پاک ہے جس طرح اس کا علم ازلی ہے، زمانے کے تغیر سے متغیر نہیں ہوتا ہے۔

2 القرآن کلام اللہ تعالیٰ غیر مخلوق

ولما صرح بأزلية الكلام حاول التنبيه على أن القرآن أيضاً قد يطلق على هذا الكلام النفسي القديم كما يطلق على النظم المتلو الحادث فقال:

(والقرآن كلام الله تعالى غير مخلوق) وعقب القرآن بكلام الله لما ذكره المشايخ من أنه يقال: القرآن كلام الله تعالى غير مخلوق ولا يقال: القرآن غير مخلوق لئلا يسبق إلى الفهم أن المؤلف من الأصوات والحروف قديم كما ذهب إليه الحنابلة جهلاً أو عناداً.

وأقام غير المخلوق مقام غير الحادث تنبيهاً على اتحادهما، وقصداً إلى جري الكلام على وفق الحديث، حيث قال صلى الله عليه وسلم: (القرآن كلام الله تعالى غير مخلوق، ومن قال: إنه مخلوق فهو كافر بالله العظيم)، وتنصيصاً على محل الخلاف بالعبارة المشهورة فيما بين الفريقين وهو أن القرآن مخلوق أو غير مخلوق، ولهذا تترجم المسألة بمسألة خلق القرآن.

وتحقيق الخلاف بيننا وبينهم يرجع إلى إثبات الكلام النفسي ونفيه، وإلا فنحن لا نقول بقدم الألفاظ والحروف، وهم لا يقولون بحدوث كلام نفسي.

ودليلنا ما مر أنه ثبت بالإجماع وتواتر النقل عن الأنبياء صلوات الله عليهم أنه متكلم، ولا معنى له سوى أنه متصف بالكلام، ويمتنع قيام اللفظ الحادث بذاته تعالى، فتعين النفسي القديم.

وأما استدلالهم بأن القرآن متصف بما هو من صفات المخلوق وسمات الحدوث من التأليف والتنظيم والإنزال والتنزيل وكونه عربياً مسموعاً فصيحاً معجزاً إلى غير ذلك فإنما يكون حجة على الحنابلة لا علينا، لأنا قائلون بحدوث النظم، وإنما الكلام في المعنى القديم. والمعتزلة لما لم يمكنهم إنكار كونه تعالى متكلماً ذهبوا إلى أنه متكلم بمعنى إيجاد الأصوات والحروف في محلها أو إيجاد أشكال الكتابة في اللوح المحفوظ وإن لم يقرأ على اختلاف بينهم

وأنت خبير بأن المتحرك من قامت به الحركة، لا من أوجدها، وإلا لصح اتصاف الباري بالأعراض المخلوقة له تعالى عن ذلك علواً كبيراً۔

ومن أقوى شبه المعتزلة أنكم متفقون على أن القرآن اسم لما نقل إلينا بين دفتي المصاحف تواتراً، وهذا يستلزم كونه مكتوباً في المصاحف مقروءاً بالألسن مسموعاً بالآذان وكل ذلك من سمات الحدوث بالضرورة۔ فأشار إلى الجواب بقوله:

(وهو) أي القرآن الذي هو كلام الله تعالى (مكتوب في مصاحفنا) أي بأشكال الكتابة وصور الحروف الدالة عليه (محفوظ في قلوبنا) أي بالألفاظ المخيلة (مقروء بألسنتنا) بالحروف الملفوظة المسموعة (مسموع بآذاننا) بذلك أيضاً (غير حال فيها) أي مع ذلك ليس حالاً في المصاحف ولا في القلوب والألسنة والآذان بل هو معنى قديم قائم بذات الله يلفظ ويسمع بالنظم الدال عليه ويحفظ بالنظم المخيل ويكتب بنقوش وصور وأشكال موضوعة للحروف الدالة عليه كما يقال: النار جوهر محرق تذكر باللفظ وتكتب بالقلم، ولا يلزم منه كون حقيقة النار صوتاً وحرفاً۔

وتحقيقه أن للشيء وجوداً في الأعيان ووجوداً في الأذهان ووجوداً في

العبارة ووجوداً في الكتابة. والكتابة تدل على العبارة وهي على ما في الأذهان، وهو على ما في الأعيان، فحيث يوصف القرآن بما هو من لوازم القديم كما في قولنا: القرآن غير مخلوق، فالمراد حقيقته الموجودة في الخارج. وحيث يوصف بما هو من لوازم المخلوقات والمحدثات يراد به الألفاظ المنطوقة المسموعة كما في قولنا: قرأت نصف القرآن، أو المخيلة كما في قولنا: حفظت القرآن، أو الأشكال المنقوشة كما في قولنا: يحرم للمحدث مس القرآن.

ولما كان دليل الأحكام الشرعية هو اللفظ دون المعنى القديم عرفه أئمة الأصول بالمكتوب في المصاحف المنقول بالتواتر، وجعلوه اسماً للنظم والمعنى جميعاً. أي للنظم من حيث الدلالة على المعنى لا لمجرد المعنى.

وأما الكلام القديم الذي هو صفة الله تعالى فذهب الأشعري إلى أنه يجوز أن يسمع. ومنعه الأستاذ أبو إسحاق الإسفرايني وهو اختيار الشيخ أبي منصور رحمه الله، فمعنى قوله تعالى: (حتى يسمع كلام الله) يسمع ما يدل عليه كما يقال: سمعت علم فلان فموسى عليه السلام سمع صوتاً دالاً على كلام الله تعالى، لكن لما كان بلا واسطة الكتاب والملك خص باسم الكليم.

فإن قيل: لو كان كلام الله تعالى حقيقة في المعنى القديم مجازاً في النظم المؤلف لصح نفيه عنه بأن يقال: ليس النظم المعجز المفصل إلى السور والآيات كلام الله تعالى، والإجماع على خلافه.

وأيضاً: المعجز المتحدى به هو كلام الله تعالى حقيقة مع القطع بأن ذلك إنما يتصور في النظم المؤلف المفصل إلى السور، إذ لا معنى لمعارضة الصفة القديمة.

قلنا: التحقيق أن كلام الله تعالى اسم مشترك بين الكلام النفسي

القديم ومعنى الإضافة أنه مخلوق لله تعالى ليس من تأليفات المخلوقين فلا يصح النفي أصلاً، ولا يكون الإعجاز والتحدي إلا في كلام الله تعالى، وما وقع في عبارة بعض المشايخ من أنه مجاز فليس معناه أنه غير موضوع للنظم المؤلف بل معناه أن الكلام في التحقيق وبالذات اسم للمعنى القائم بالنفس، وتسمية اللفظ به ووضعه لذلك إنما هو باعتبار دلالته على المعنى، فلا نزاع لهم في الوضع والتسمية.

وذهب بعض المحققين إلى أن المعنى في قول مشايخنا: كلام الله تعالى معنى قديم، ليس في مقابلة اللفظ حتى يراد به مدلول اللفظ ومفهومه بل في مقابلة العين، والمراد به ما لا يقوم بذاته كسائر الصفات.

ومرادهم أن القرآن اسم للنظم والمعنى شامل لهما، وهو قديم لا كما زعمت الحنابلة من قدم النظم المؤلف المرتب الأجزاء، فإنه بديهي الاستحالة للقطع بأنه لا يمكن التلفظ بالسين من "بسم الله" إلا بعد التلفظ بالباء، بل معنى أن اللفظ القائم بالنفس ليس مرتب الأجزاء في نفسه كالقائم بنفس الحافظ من غير ترتب الأجزاء، وتقدم البعض على البعض، والترتب إنما يحصل في التلفظ والقراءة لعدم مساعدة الآلة، وهذا هو معنى قولهم: المقروء قديم والقراءة حادثة، وأما القائم بذات الله تعالى فلا ترتب فيه حتى أن من سمع كلامه تعالى سمعه غير مرتب الأجزاء لعدم احتياجه إلى الآلة، هذا حاصل كلامهم، وهو جيد لمن تعقل لفظاً قائماً بالنفس غير مؤلف من الحروف المنطوقة أو المخيلة المشروط وجود بعضها بعدم البعض، ولا من الأشكال المرتبة الدالة عليه، ونحن لا نتعقل من قيام الكلام بنفس الحافظ إلا كون صور الحروف مخزونة مرتسمة في

خياله بحيث إذا التفت إليها كان كلاماً مؤلفاً من ألفاظ مخيلة أو نقوش مرتبة وإذا تلفظ كان كلاماً مسموعاً.

(شرح العقائد النسفية، ص ۱۵۹ تا ۱۷۱، المؤلف: الإمام العلامة الحجة المتكلم الأصولي النظار سعد الدين مسعود بن عمر التفتازاني رحمه الله (المتوفى ۷۹۳ھ)، الناشر: مكتبة البشرى، كراچی، ۱۴۳۲ھ)

ترجمہ قرآن اللہ تعالیٰ کا کلام، غیر مخلوق ہے

1 جب مصنف کلام کے ازلی ہونے کی صراحت کر چکے تو اب اس بات سے آگاہ کرنے کا ارادہ کیا کہ لفظ قرآن اس کلام نفسی قدیم پر بھی بولا جاتا ہے جس طرح نظم متلو حادث پر بولا جاتا ہے۔ چنانچہ فرمایا: قرآن اللہ تعالیٰ کا کلام، غیر مخلوق ہے۔ اور لفظ قرآن کے بعد کلام اللہ کا لفظ لائے، کیونکہ مشائخ نے ذکر کیا ہے کہ قرآن اللہ تعالیٰ کا کلام، غیر مخلوق ہے، کہا جائے۔ قرآن غیر مخلوق ہے، نہ کہا جائے، تا کہ ذہن کی طرف یہ بات سبقت نہ کرے کہ وہ کلام جو حروف و اصوات سے مرکب ہے، وہ قدیم ہے۔ جیسا کہ جہالت یا عناد کی وجہ سے حنابلہ اس طرف گئے ہیں۔ غیر حادث (حادث نہیں) کے بجائے غیر مخلوق (مخلوق نہیں) کا لفظ لائے، دونوں کے اتحاد پر متنبہ کرنے اور کلام کو حدیث کے موافق جاری کرنے کے ارادہ سے۔ اس لیے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

القرآن كلام الله تعالى غير مخلوق ومن قال: إنه مخلوق فهو كافر بالله العظيم.

ترجمہ قرآن اللہ تعالیٰ کا کلام ہے، مخلوق نہیں ہے۔ اور جو شخص یہ کہے کہ قرآن مخلوق ہے، تو وہ اللہ تعالیٰ کا منکر ہے۔

اور فریقین کے درمیان مشہور عبارت کے ذریعے محل خلاف کی صراحت کرنے کے لیے۔ اور وہ یہ ہے کہ قرآن مخلوق ہے، یا غیر مخلوق ہے۔ اسی وجہ سے اس مسئلہ کا مسئلہ خلق قرآن عنوان رکھا جاتا ہے۔

اسی پر دلالت کرنے والے حروف کی صورتوں اور کتابت کی شکلوں کے واسطے سے، ہمارے دلوں میں محفوظ ہے۔ قرأت خیال میں جمع شدہ الفاظ کے واسطے سے۔ ہماری زبانوں سے پڑھا جاتا ہے۔ اس کے قابل تلفظ اور قابل سماع حروف کے واسطے سے۔ ہمارے کانوں سے سنا جاتا ہے، ان ہی (قابل تلفظ اور قابل سماع) حروف سے۔ ان میں حلول کرنے والا نہیں یعنی ان سب باتوں کے باوجود تو وہ مصاحف میں حلول کیے ہوئے ہے اور نہ قلوب میں اور نہ زبانوں میں اور نہ کانوں میں۔ بلکہ وہ ایک قدیم معنی ہے جو اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ قائم ہے۔ اس کا تلفظ ہوتا ہے اس پر دلالت کرنے والی نظم کے توسط سے۔ اس کو سنا جاتا ہے۔ خیال میں جمع شدہ نظم کے توسط سے، اس کو حفظ کیا جاتا ہے۔ اس پر دلالت کرنے والے حروف کے لیے وضع کردہ اشکال ونقوش کے واسطے سے، اس کو لکھا جاتا ہے۔ جس طرح کہا جاتا ہے: آگ ایک روشن جلانے والا مادہ ہے۔ اس کو لفظ کے ذریعہ ذکر کیا جاتا ہے۔ اس سے حقیقت نار کا حرف وصوت ہونا لازم نہیں آتا۔

6 اس جواب کی تحقیق یہ ہے کہ شی کا ایک وجود خارج میں ہوتا ہے اور ایک وجود ذہن میں ہوتا ہے۔ ایک وجود عبارت میں ہوتا ہے اور ایک وجود کتابت میں ہوتا ہے۔ تو کتابت عبارت پر دلالت کرتی ہے۔ عبارت وجود ذہنی پر اور وجود ذہنی وجود خارجی پر۔ تو جہاں کہیں قرآن کی ایسی صفت بیان کی جائے جو قدیم کے لوازم میں سے ہے۔ جیسا کہ ہمارے قول: "**القرآن غیر مخلوق**" میں۔ تو مراد اس کی وہ حقیقت ہوگی جو خارج میں موجود ہے۔ اور جہاں ایسی صفت بیان کی جائے جو مخلوقات اور حوادث کے لوازم میں سے ہے۔ اس سے وہ الفاظ مراد ہوں گے جو بولے اور سنے جاتے ہیں جیسا کہ ہمارے قول: "**قرأت نصف القرآن**" میں۔ یا الفاظ مخیلہ مراد ہوں گے جیسا کہ ہمارے قول: **حفظت القرآن** میں۔ یا اس سے نقش شدہ اشکال مراد ہوں گے، جیسے کہ ہمارے قول: **یحرم للمحدث مس القرآن** میں۔

7 جب کہ احکام شرعیہ کی دلیل صرف لفظ ہے، نہ کہ معنی قدیم۔ تو ائمہ اصول نے

مرتب اجزاء والا نہیں ہے، جیسے وہ لفظ جو اللہ کی ذات کے ساتھ اجزاء کے ترتیب اور ایک دوسرے پر تقدم کے بغیر قائم ہوتا ہے اور ترتیب صرف تلفظ میں ہوتی ہے، آلہ تلفظ کے موافقت نہ کرنے کی وجہ سے۔ یہی مطلب ہے ان کے اس قول کا کہ ''معنی قدیم ہے اور قراءت حادث ہے''۔ بہرحال وہ لفظ جو اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ قائم ہے تو اس میں ترتیب نہیں ہے۔ یہاں تک کہ جس نے اللہ تعالیٰ کا کلام سنا اس نے غیر مرتب اجزاء والا کلام سنا، اس کے آلہ تلفظ کی طرف محتاج نہ ہونے کی وجہ سے۔ یہ ان (محقق صاحب) کے کلام کا حاصل ہے۔

11 اور یہ (صاحب مواقف کا حاصل کلام) اس شخص کے نزدیک صحیح ہو جو ایسے لفظ کا تصور رکھتا ہو جو ذات واجب کے ساتھ قائم ہے درآں حالیکہ وہ مرکب نہیں ہے تلفظ کیے جانے والے حروف سے، یا ایسے متخیل حروف سے جن میں سے بعض کا وجود بعض کے معدوم ہونے کے ساتھ مشروط ہے اور نہ ایسے مرتب اشکال و نقوش سے مرکب ہے جو الفاظ پر دلالت کرتے ہیں۔ ہم تو نہیں سمجھتے ہیں کہ حافظ قرآن کے ذہن کے ساتھ کلام کے قائم ہونے سے، مگر حروف کی صورتوں کا اس کے خزانۂ خیال میں اس طرح جمع اور مرتسم ہونا کہ جب اس کی طرف التفات کرے تو وہ متخیل الفاظ یا مرتب نقوش سے مرکب کلام ہو، اور جب تلفظ کرے تو سنا جانے والا کلام ہو۔

تنبیہ اوپر بیان کردہ حدیث کو امام ابن عدیؒ نے اپنی کتاب: **''الکامل فی ضعفاء الرجال''** میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے:

حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ حَرْبٍ، حَدَّثَنَا ابْنُ حُمَيْدٍ عَنْ جَرِيرٍ، عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ أَبِي صَالِحٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: الْقُرْآنُ كَلَامُ اللَّهِ لَا خَالِقٌ وَلَا مَخْلُوقٌ، وَهُوَ كَلَامُ اللَّهِ، وَمَنْ قَالَ غَيْرَ ذَلِكَ فَهُوَ كَافِرٌ.

(الکامل فی ضعفاء الرجال، ج ۱، ص ۳۴۲ _ المؤلف: أبو أحمد بن عدي الجرجاني رحمه الله (المتوفى ۳۶۵ھ) _ تحقيق: عادل أحمد عبد الموجود، علي محمد معوض _ شارک فی تحقيقه: عبد الفتاح أبو سنة _ الناشر: الكتب

العلمية بيروت لبنان۔ الطبعة الأولى ١٤١٨ھ)

امام ابن عدیؒ فرماتے ہیں: یہ خبر باطل ہے۔

علامہ سخاویؒ فرماتے ہیں:

حدیث: اَلْقُرْآنُ كَلَامُ اللّٰهِ غَيْرُ مَخْلُوْقٍ فَمَنْ قَالَ غَيْرَ هٰذَا فَقَدْ كَفَرَ.

الديلمي من حديث أبي هاشم عبد الله بن أبي سفيان الشعراني عن الربيع بن سليمان قال: ناظر الشافعي حفصا الفرد أحد غلمان بشر المريسي فقال في بعض كلامه: القرآن مخلوق فقال الشافعي: كفرت بالله العظيم. حدثنا عبد الرزاق عن معمر عن الزهري عن أنس رفعه: القرآن كلام الله غير مخلوق ومن قال مخلوق فاقتلوه فإنه كافر. قال الشافعي: وحدثنا ابن عيينة عن الزهري وسعيد بن المسيب عن رافع بن خديج وحذيفة بن اليمان وعمران بن حصين قالوا: سمعنا رسول الله صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قرأ آية ثم قال: فمن قال غير ذلك فقد كفر. انتهى. والمناظرة دون الحديث صحيحة، وتكفير الشافعي لحفص ثابت، أورده البيهقي في مناقب الشافعي ومعرفة السنن وغيرهما من تآليفه، ولكن الحديث من الوجهين بل ومن جميع طرقه باطل والسندان مختلقان على الشافعي قال البيهقي في الأسماء والصفات: ونقل إلينا عن أبي الدرداء مرفوعا: القرآن كلام الله غير مخلوق، وروي ذلك أيضا عن معاذ وابن مسعود وجابر مرفوعا، ولا يصح شيء من ذلك، أسانيده مظلمة لا ينبغي أن يحتج بشيء منها، ولا أن يستشهد بها، وما مر من الأدلة المرفوعة لمعنى كون القرآن كلام الله غير مخلوق ما فيه الكفاية، وكذا ساق عن الصحابة والتابعين وأئمة المسلمين ما فيه مقنع، قال: وعلى هذا مضى صدر الأمة لم يختلفوا في ذلك، ثم نقل عن جعفر بن محمد الصادق فيمن قال إنه مخلوق: إنه يقتل ولا يستتاب، وكذا عن ابن المديني ومالك، وأنه

كافر، زاد مالك: فاقتلوه. وعن ابن مهدي وغيره أنه يستتاب، فإن تاب وإلا ضربت عنقه وقال البخاري في خلق أفعال العباد: تواترت الأخبار عن رسول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أن القرآن كلام الله وأن أمر الله قبل مخلوقاته قال: ولم يذكر عن أحد من المهاجرين والأنصار والتابعين لهم بإحسان خلاف ذلك، وهم الذين أدوا إلينا الكتاب والسنة قرنا بعد قرن، ولم يكن بين أحد من أهل العلم فيه خلاف إلى زمن مالك والثوري وحماد وفقهاء الأمصار، ومضى على ذلك من أدركناه من علماء الحرمين والعراقين والشام ومصر وخراسان إلى آخر الكلام. وأطال أبو الشيخ وغيره في كتب السنة وغيرها بذكر الآثار في ذلك، ولكن الاختلاف في تكفير المتأولين المخطئين من أهل الأهواء شهير، ولبسط ذلك في تمامه في غير هذا المحل. وروينا في جزء الفيل عن أبي بكر يحيى بن أبي طالب قال: من زعم أن القرآن مخلوق فهو كافر، ومن زعم أن الإيمان مخلوق فهو مبتدع، والقرآن بكل جهة غير مخلوق، وفي غيره من عمرو بن دينار قال: أدركت الناس منذ سبعين سنة يقولون: كل شيء دون الله مخلوق ما خلا كلامه فإنه منه وإليه يعود

(المقاصد الحسنة في بيان كثير من الأحاديث المشهورة على الألسنة، ص٤٨٦، ـ ١٢٠٤ رقم: المؤلف: شمس الدين أبو الخير محمد بن عبد الرحمن بن محمد السخاوي (المتوفى ٩٠٢ھ) المحقق: محمد عثمان الخشت ـ الناشر: دار الكتاب العربي، بيروت ـ الطبعة: الأولى، ١٤٠٥ھ)

17 حضرت شیخ محمد بن علی بن عراق الکنانی الشافعی رحمہ اللہ (المتوفی ۹۳۳ھ) کے عقائد

وله نفع الله به عقيدة مختصرة. وهي هذه:

بسم الله الرحمن الرحيم

الحمد لله والصلاة والسلام على رسول الله

1 اَللّٰهُمَّ إِنَّا نُوَحِّدُكَ وَلَا نُحَدُّكَ. ونؤمن بك وَلَا نُكَيِّفُكَ. جَلَّ رَبُّنَا وَعَلَا. تَبَارَكَ وَتَعَالٰى

2 حَيَاته لَيْسَ لَهَا بداية. فالبداية بِالْعَدمِ مسبوقة. قدرته لَيْسَ لَهَا نِهَايَة. فالنهاية بالتحقيق ملحوقة. إِرَادَته لَيْسَ بحادثة. فالحادثة بالاضداد مطروقة

3 سَمعه لَيْسَ بجارحة. فالجارحة مخروقة. بَصَره لَيْسَ بحدقة. فالحدقة مشقوقة

4 علمه لَيْسَ بكسبي. فالكسبي بِالتَّأَمُّلِ وَالِاسْتِدْلَال يعلم وَلَا بضروري. فالضروري على الْإِرَادَة والالتزام تلزم

5 كَلَامه لَيْسَ بِصَوْت. فالأصوات تُوجد وتعدم. وَلَا بِحرف. فالحروف تُؤَخَّرُ وَتقدم

6 ذَاته لَيْسَ بجوهر. فالجوهر بالتحيز مَعْرُوف. وَلَا بِعَرَض. فالعرض باستحالة الْبَقَاء مَوْصُوف. وَلَا بجسم. فالجسم بالجهات مَحْفُوف.

7 هُوَ الله الَّذِي لَا إِلٰه إِلَّا هُوَ الْملك القدوس. على الْعَرْش اسْتَوَى من غير تمكن وَلَا جُلُوس. لَا الْعَرْش لَهُ من قبل الْقَرار. وَلَا الاسْتوَاء من جِهَة الِاسْتِقْرَار. الْعَرْش لَهُ حد وَمِقْدَار. الرب لَا

تُدْرِكُهُ الْأَبْصَار.

8 الْعَرْش تكيفه خواطر الْعُقُول وتصفيه بِالْعَرْضِ والطول وَهُوَ مَعَ ذٰلِكَ مَحْمُول.

9 وَالْقَدِيم لَا يحول وَلَا يَزُول. الْعَرْش بِنَفسِهِ هُوَ الْمَكَان. وَلَه جَوَانِب وأركان. وَكَانَ الله وَلَا مَكَان وَهُوَ الْآن على مَا عَلَيْهِ كَانَ.

10 جلّ عَن التَّشْبِيه وَالتَّقْدِير. والتكييف والتغيير. والتأليف والتصوير لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْء وَهُوَ السَّمِيع الْبَصِير"

11 وَالصَّلَاة وَالسَّلَام على سيدنَا مُحَمَّد الْبشير النذير.

12 ونستغفر الله من كل تَقْصِير. غفرانك رَبنَا وَإِلَيْك الْمصير.

انتهت العقيدة وَشَرحهَا شيخ الْإِسْلَام ابْن حجر الهيتمي.

(النور السافر عن أخبار القرن العاشر، ص ٢/١٧٥، المؤلف: محي الدين عبد القادر بن شيخ بن عبد الله العيدروس (المتوفى ١٠٣٨ھ). الناشر: دار الكتب العلمية بيروت۔ الطبعة: الأولى ١٤٠٥ھ)

ترجمہ شیخ مُحَمَّد بن عَليّ بن عراق الْكِنَانِي الشَّافِعِي عليه (المتوفی ۹۳۳ھ) کا مختصر عقیدہ (اللہ جل مجدہ ان کے اس عقیدہ کو نفع بخش بنائے)۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ. وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ. تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں۔ درود اور سلام اللہ تعالیٰ کے رسول حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ پر ہو۔

1 اے اللہ! ہم تیری توحید کے گن گاتے ہیں اور تجھے پابند حدود و قیود نہیں سمجھتے۔ تجھ پر ایمان لاتے ہیں اور تجھے کسی کیفیت میں محدود نہیں مانتے۔ ہمارا پروردگار بڑی جلالتوں اور علو مرتبت کا حامل، بابرکت اور بلند ہے۔

2 اس کی حیات کی کوئی ابتداء نہیں ہے، کیونکہ ابتداء سے بھی پہلے عدم ہے۔ اس کی قدرت کی کوئی انتہا نہیں کیونکہ یہ امر تحقیق شدہ ہے کہ انتہاء کے مابعد بھی ہے۔ اس کا ارادہ حادث (یعنی مخلوق) نہیں ہے۔ کیونکہ حادث اپنے اضداد کو متعاقب بھی ہے۔

3 اس کی شنوائی کسی عضو کی محتاج نہیں کیونکہ اعضاء فوت یعنی موت کا شکار ہو جاتے ہیں۔

اس کی بینائی سے ہی چیز پر منحصر نہیں کیونکہ آنکھیں بھی تو حرکت کرتی ہیں۔

4 اللہ تعالیٰ کا علم اکتساب کا نتیجہ نہیں کیونکہ اکتسابی علم غور و فکر اور استدلال کا محتاج ہے اور اس کی ضرورت نہیں۔ یوں علم دوسرے پر غالب آجاتی ہے۔ اور لازم کر لینا واجب ہوجاتا ہے۔

5 اللہ تعالیٰ کا کلام آواز کا محتاج نہیں۔ کیونکہ آوازیں موجود بھی ہوتی ہیں معدوم بھی (آواز کبھی آتی ہے کبھی نہیں آتی)۔ اور نہ ہی اس کے کلام کو حرفوں کی احتیاج ہے کیونکہ حروف کبھی بعد میں آتے ہیں کبھی پہلے۔

6 اس کی ذات جوہر نہیں کیونکہ جوہر کے لیے یہ جانا پہچانا امر ہے کہ وہ کسی ایک جگہ منحصر ہوتا ہے۔ اور نہ ہی اس کی ذات (والاصفات) عرض ہے کیونکہ عرض میں اپنے باقی رہنے کے لیے ایک حالت سے دوسری حالت میں بدلنے کی صفت موجود ہے۔ اور نہ ہی اللہ تعالیٰ کی ذات کوئی جسم رکھتی ہے کیونکہ جسم مختلف جہتوں میں ٹھہرا ہوا ہوتا ہے۔

7 اللہ تعالیٰ وہ ذات ہے کہ اس کے سوا کوئی لائق بندگی نہیں۔ وہ منزہ ہے (تمام معائب سے) پاکیزہ ترین ہے۔ وہ عرش پر یوں براجمان ہے کہ نہ مکانیت پذیر اور نہ ہی نشستہ (بیٹھا ہوا) ہے۔ عرش اس کے ٹھہرنے کی مرتبت قرار گاہ نہیں۔ اور نہ ہی اس کا براجمان ہونا قرار گیری کی حیثیت سے ہے۔ عرش تو ایک محدود اور بنی ہوئی شے ہے۔ اور پروردگار (وہ ذات برتر و بالا ہے کہ) آنکھیں اسے پا نہیں سکتیں۔

8 عرش وہ ہے جس کی کیفیت عقلوں میں گزرنے والے خیالات میں آتی ہے۔ اور یہ خیالات جس کو اس کی چوڑائی اور لمبائی میں بیان کرتے ہیں۔ حالانکہ اس کے باوجود (صاحب عرش نے) ذات اختیار کیا ہے۔

9 اور جہاں تک قدیم (ذات باری تعالیٰ) کا تعلق ہے اس میں نہ تبدیلی آتی ہے نہ وہ زوال پذیر ہے۔ عرش اپنی حیثیت میں ایک جگہ ہے۔ اس کی اطراف بھی ہیں، منضبط کنارے بھی۔ اللہ تعالیٰ اس وقت بھی تھا جب کوئی جگہ نہ تھی۔ اور وہ اب بھی اسی طرح ہے جیسے کہ وہ پہلے تھا۔

10 اللہ تعالیٰ ہر تشبیہ و اندازے سے برتر ہے۔ نہ اس کی کیفیت بیان کی جا سکتی ہے۔ اور نہ ہی

میں لائی ہے۔ لہٰذا حق تعالیٰ قدیم اور ازلی ہے۔ تمام اشیاء حادث اور نو پید (بعد کی پیدا کی ہوئی) ہیں اور (حق تعالیٰ) جو قدیم و ازلی ہے اور وہ باقی اور ابدی ہے۔ اور جو چیزیں حادث اور نو آمدہ (نئی پیدا شدہ) ہیں۔ وہ فانی اور ہلاک ہونے والی ہیں یعنی معرض زوال (زوال کے میدان) میں ہیں۔

عقیدہ 2 حق سبحانہ ایک ہے، یگانہ اور منفرد ہے۔ وجوب وجود میں اس کا کوئی شریک نہیں ہے۔ اور عبادت کا استحقاق بھی کسی کو نہیں ہے۔ وجوب وجود اس ذات باری تعالیٰ کے علاوہ کسی کے لیے شایاں نہیں اور نہ اس اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی عبادت کے لائق ہے۔ اور خاص اسی ذات باری تعالیٰ کے لیے صفات کاملہ ہیں۔

عقیدہ 3 من جملہ ان میں (حق تعالیٰ کی صفات) یہ ہیں: حیات، علم، قدرت، ارادہ، سمع، بصر، کلام اور تکوین ہیں جو کہ قدم اور ازلیت (قدیم اور ازلی) صفات سے متصف ہیں۔ اور حضرت ذات جل سلطانہ کے ساتھ قائم ہیں۔ حوادث کے تعلقات صفات کے قدیم ہونے میں خلل انداز نہیں ہوتے اور متعلق کا حدوث ان صفات کی ازلیت کا مانع نہیں ہوتا۔ فلاسفہ اپنی بے وقوفی کی وجہ سے اور معتزلہ اپنے اندھے پن کے باعث حدوث متعلق سے حدوث متعلق کو وابستہ کرتے ہیں۔ اور صفات کاملہ کی نفی کرتے ہیں۔ اور حق تعالیٰ کو جزئیات کا عالم نہیں جانتے کہ جس سے تغیر لازم آتا ہے، جو حدوث کی علامت ہے۔ (فلاسفہ اور معتزلہ) یہ بھی نہیں جانتے کہ صفات ازلی ہوتے ہیں۔ اور صفات کے وہ تعلقات جو اپنے حادث متعلقات کے ساتھ ہیں، وہ بھی حادث ہوتے ہیں۔

عقیدہ 4 نقائص کی باتیں اللہ تعالیٰ کی جناب قدس سے منفی ہیں۔ اللہ تعالیٰ جواہر، اجسام اور اعراض کی صفات و لوازم سے پاک اور منزہ ہے۔ نیز زمان و مکان اور جہت کی بھی اللہ تعالیٰ کی شان میں گنجائش نہیں ہے کیونکہ یہ سب چیزیں اس کی مخلوق ہیں۔ وہ شخص بہت بے خبر ہے جو اللہ تعالیٰ کو فوق العرش جانتا ہے اور فوق کی جہت کا اثبات کرتا ہے، کیونکہ عرش اور اس کے علاوہ بھی تمام چیزیں حادث ہیں اور اس کی مخلوق ہیں۔ مخلوق اور حادث کی کیا مجال ہے کہ وہ خالق قدیم کا مکان بن جائے اور اس کی قرارگاہ ہو

جانے میں اتنا ظہور ہے کہ عرش اس اللہ تعالیٰ کی سب سے اشرف مخلوقات میں سے ہے اور اس میں نورانیت و صفائی تمام مخلوقات سے زیادہ ہے اور اسی لئے وہ آئینہ کا حکم رکھتا ہے جس سے اللہ تعالیٰ کی عظمت و کبریائی کا ظہور ہوتا ہے۔ اس ظہور کے تعلق کی وجہ سے اس کو "عرش اللہ" کہتے ہیں۔ ورنہ عرش وغیرہ تمام اشیاء کی اللہ تعالیٰ کے نزدیک ایک جیسی حیثیت رکھتی ہیں اور سب اس کی مخلوق ہیں۔

عقیدہ 5 اللہ تعالیٰ نہ جسم ہے نہ جسمانی، نہ جوہر ہے نہ عرض، نہ محدود ہے نہ متناہی، نہ حال ہے نہ محل، نہ دور ہے نہ قریب، نہ داخل ہے نہ خارج، بلکہ واضح ہے لیکن ایسی وضاحت نہیں جو ہماری سمجھ میں آ سکے۔ مخفی ہے لیکن ایسا مخفی نہیں جو ہمارے ادراک میں آ سکے۔ وہ قریب ہے لیکن ایسا قریب نہیں جو ہماری عقل میں آ جائے۔ وہ ہمارے ساتھ ہے لیکن ایسی معیت نہیں جو عام طور پر متعارف ہے۔ ہاں ہم یہ مانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ واضح ہے، مخفی ہے، ہمارے قریب ہے اور ہمارے ساتھ ہے لیکن ان صفات کی کیفیت ہم نہیں جانتے کہ وہ کیسی ہے۔ ہم تو جو کہتے ہیں ایسا ہی جانتے ہیں۔ (اگر) اس کی ذات کے ہونے کے بارے میں کچھ بیان کریں تو مجسمہ (یعنی جسم کا قائل ہونے والے) کے مذہب میں قدم رکھتے ہیں۔

عقیدہ 6 اللہ تعالیٰ کسی چیز کے ساتھ متحد نہیں ہے اور نہ کوئی چیز اس کے ساتھ متحد ہے، اور نہ کوئی چیز اللہ تعالیٰ میں حلول کر سکتی ہے، اور نہ وہ کسی چیز میں حلول کرتا ہے۔ تبعیض (حصہ حصہ ہونا)، تجزی (جز جز ہونا) اس کی جناب قدس میں محال ہے اور ترکیب و تحلیل (جز اور جوڑ ہونا) بھی اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ممنوع ہے۔

اللہ تعالیٰ کا مثل اور ہم جنس بھی کوئی نہیں ہے، اور نہ ہی اس کے بیوی بچے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات بے مثل اور بے کیف ہے۔ بے شبہ اور بے نمونہ ہے۔ ہم صرف اتنا جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہیں اور ان صفات کمال کے ساتھ متصف ہیں جن کے ساتھ اس نے خود اپنی ذات کی تعریف فرمائی ہے۔ لیکن جو کچھ اس سے ہماری فہم و ادراک میں آتا ہے اور جو کچھ ہماری عقل تصور کرتی ہے، اللہ تعالیٰ اس سے منزہ اور بلند ہے جیسا کہ بیان کیا جا چکا ہے۔

لَا تُدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْأَبْصَارَ ۚ وَهُوَ اللَّطِيفُ الْخَبِيرُ ۔

(الانعام: ۱۰۳)

ترجمہ: نگاہیں اس کو نہیں پا سکتیں، اور وہ سب نگاہوں کو پا لیتا ہے۔ اس کی ذات اتنی ہی لطیف ہے، اور وہ اتنا ہی باخبر ہے۔

؎ دور بینانِ بارگاہِ الست — بیش ازیں پے نبردہ اند کہ ہست

منظوم ترجمہ: بارگاہِ الست جو پہنچے — کہہ سکے یہ کہ ہاں وہاں وہ ہے

یہ بھی جاننا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کے اسماء توقیفی ہیں یعنی صاحبِ شرع سے سننے پر موقوف ہیں۔ ہر وہ اسم جس کا اطلاق شرع شریف میں حضرت حق سبحانہ پر ہوا ہے اس کا اطلاق کرنا چاہیے اور جس اسم کا نہیں ہوا اس کا اطلاق نہیں کرنا چاہیے۔ اگرچہ اس اسم میں اعلیٰ ہی کمال درجے کے معانی پائے جاتے ہوں مثلاً اللہ تعالیٰ پر "جواد" کا اطلاق کیا جا سکتا ہے کیونکہ یہ اسم آیا ہے مگر (حق تعالیٰ کو) سخی نہیں کہنا چاہیے کیونکہ (حق تعالیٰ کی) یہ صفت شرع میں نہیں آئی۔

عقیدہ: قرآن مجید خداوند جل سلطانہ کا کلام ہے جس کو حرف و آواز کے لباس میں ہمارے پیغمبر علیہ السلام پر نازل فرمایا گیا ہے اور اس کے ذریعے بندوں کو امر و نہی کا حکم کیا گیا ہے۔ جس طرح ہم اپنے کلام نفسی کو تالو اور زبان کے ذریعے حرف و آواز کے لباس میں لا کر ظاہر کرتے ہیں۔ اور اپنے پوشیدہ مقاصد و مطالب کا اظہار کرتے ہیں۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام نفسی کو تالو اور زبان کے واسطے کے بغیر محض اپنی قدرت کاملہ سے حرف و آواز کا لباس عطا فرما کر اپنے بندوں کے لیے بھیجا ہے اور اپنے پوشیدہ اوامر و نواہی کو حرف و آواز کے ضمن میں لا کر ظاہر فرما دیا ہے۔ پس کلام کی دونوں قسمیں یعنی نفسی اور لفظی حق جل وعلا کا کلام ہے اور ان دونوں قسموں پر کلام کا اطلاق کرنا حقیقت کے طور پر ہے جس طرح کہ ہمارے کلام کی دونوں قسمیں نفسی و لفظی حقیقت کے طور پر ہمارا کلام ہیں نہ یہ کہ اس میں اول حقیقت ہے اور قسم ثانی مجاز، کیونکہ مجاز کی نفی جائز ہے اور کلام لفظی کی نفی کرنا اور اس کو کلام خدا نہ کہنا کفر ہے۔ اسی طرح دوسری کتابیں اور صحیفے جو پہلے انبیاء علیہم السلام پر نازل فرمائی گئی

ہیں، سب حق سبحانہ کا کلام ہیں اور جو کچھ قرآن مجید اور ان کتابوں اور صحیفوں میں درج ہے وہ سب اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔ اور جو کچھ کلام مجید اور ان کتابوں و صحیفوں میں درج ہے وہ سب اللہ تعالیٰ کے کلام ہیں جن کا ہر زمانے کے موافق بندوں کو مکلف فرمایا ہے۔

عقیدہ 8 مومنوں کا اللہ تعالیٰ کو بہشت میں بے جہت، بے مقابلہ، بے کیف اور بے احاطہ دیکھنا حق ہے۔ اس رؤیت اخروی اور دیدار پر ہمارا ایمان ہے۔ لیکن اس کی کیفیت میں مشغول نہیں ہوتے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی رؤیت بے چون و بے مثل ہے۔ اور بے چون پر اس دنیا میں اس کی حقیقت ظاہر نہیں ہو سکتی۔ سوائے ایمان لانے کے ان کا کوئی نصیب (حصہ) نہیں۔

فلاسفہ، معتزلہ اور باقی تمام دوسرے باطل فرقوں پر افسوس ہے جو اپنی محرومی اور اندھے پن کی وجہ سے رؤیت اخروی کا انکار کرتے ہیں اور غائب کا قیاس حاضر پر کرتے ہیں۔ اور اس پر بھی ایمان کی دولت سے مشرف نہیں ہوتے۔

(مکتوبات امام ربانی مجدد الف ثانی فارسی دفتر دوم مکتوب نمبر ۱ طبع رؤف اکیڈمی، لاہور)

2 مکتوب نمبر ۲۶۶ دفتر اول میں بیان کردہ عقائد

عقل مندوں پر سب سے اول فرض یہ ہے کہ علمائے اہل سنت والجماعت شکر اللہ تعالیٰ سعیہم جو فرقہ ناجیہ ہیں۔ ان کی تحقیق آراء کے مطابق اپنے عقائد کو درست کریں۔ چنانچہ بعض مسائل میں تھوڑی سی پوشیدگی ہے ان کا اظہار کیا جاتا ہے۔

عقیدہ 1 یہ جاننا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ اپنی ذات مقدس کے ساتھ خود موجود ہے۔ تمام اشیاء اللہ تعالیٰ کی ایجاد سے موجود ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنی ذات و صفات و افعال میں یگانہ ہے۔ حقیقت میں کسی امر میں بھی خواہ وجودی ہو یا غیر وجودی، کوئی بھی اس کے ساتھ شریک نہیں ہے۔

عقیدہ 2 اللہ تعالیٰ کسی چیز میں حلول نہیں کرتا اور نہ ہی کوئی چیز اس میں حلول کر سکتی ہے لیکن

اللہ تعالیٰ محیط اشیاء (یعنی تمام اشیاء کو اپنے احاطہ میں لیے ہوئے) ہے۔ اور ان کے ساتھ قرب و معیت رکھتا ہے۔ وہ احاطہ، قرب و معیت ایسا نہیں ہے جو ہماری فہم قاصر میں آسکے کیونکہ یہ بات اس اللہ تعالیٰ کی جناب قدس کے شایانِ شان نہیں ہے۔ اور (صوفیہ) جو کچھ کشف و شہود سے معلوم کرتے ہیں اللہ تعالیٰ اس سے بھی منزہ ہے کیونکہ ممکن (بشر وغیرہ) کو اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات اور افعال کی حقیقت سے سوائے جہل و نادانی اور حیرت کے کچھ نصیب نہیں ہے۔ غیب پر ایمان لانا چاہیے اور جو کچھ مکشوف و مشہود ہو اس کو کلمہ لا کی نفی کے تحت لانا چاہیے۔

عنقا شکار کس نشود دام باز چیں کاینجا ہمیشہ باد بدست است دام را

منظوم ترجمہ: اٹھا لے جال، شکار عنقا محال کہ یہاں جال کا کچھ بھی ہے مآل

حضرت خواجہ باقی باللہ کی مثنوی کا ایک بیت اس مقام کے مناسب ہے۔

ہنوز ایوان استغنا بلند است مرا فکر رسیدن ناپسند است

منظوم ترجمہ: قصر استغنا تو اونچا ہے ہنوز سخت مشکل وہاں پہنچنا ہے ہنوز

پس ہم ایمان لاتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ "محیط اشیاء" (یعنی تمام اشیاء کو محیط) ہے اور ان سے قریب ہے اور ان کے ساتھ ہے لیکن اس احاطہ اور قرب و معیت کے معنی درحقیقت اللہ تعالیٰ کے ساتھ کیا ہیں۔ وہ ہم نہیں جانتے۔ اس کو احاطہ اور قرب علمی کہنا بھی تاویلات کے متشابہ سے ہے اور ہم اس تاویل کے قائل نہیں ہیں۔

عقیدہ 3 اللہ تعالیٰ کسی چیز کے ساتھ متحد نہیں ہے اور اسی طرح کوئی چیز بھی اللہ تعالیٰ کے ساتھ متحد نہیں ہو سکتی۔

عقیدہ 4 تغیر و تبدل کو اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات اور افعال میں کوئی راہ نہیں ہے۔

فَسُبْحَانَ مَنْ لَا يَتَغَيَّرُ بِذَاتِهِ وَلَا بِصِفَاتِهِ وَلَا فِي أَفْعَالِهِ بِحُدُوثِ الْأَكْوَانِ

ترجمہ: پس پاک ہے وہ ذات جو اپنی ذات و صفات اور افعال میں کائنات (موجودات) کے حدوث (حوادث) سے متغیر نہیں ہوتی۔

عقیدہ 5 اللہ تعالیٰ اپنی ذات و صفات اور افعال میں غنی مطلق ہے اور کسی امر (کام) میں بھی کسی چیز کا محتاج نہیں ہے۔ اور جس طرح وجود میں محتاج نہیں ہے اسی طرح ظہور میں

بھی محتاج نہیں ہے۔

عقیدہ6 اللہ تعالیٰ نقص کی تمام صفتوں (واقسام) اور حدوث کے تمام نشانات سے منزہ اور مبرا ہے۔ جس طرح وہ جسمانی نہیں ہے، مکانی و زمانی بھی نہیں ہے بلکہ تمام صفات کمال اسی کے لیے ثابت ہیں، جن میں سے آٹھ (۸) صفات کمالی وجود ذات اللہ تعالیٰ پر وجود زائد کے ساتھ موجود ہیں۔ اور وہ آٹھ (۸) صفات: حیات، علم، قدرت، ارادہ، سمع، بصر، کلام اور تکوین (پیدا کرنا) ہیں۔ اور یہ صفات خارج میں موجود ہیں۔ اور ایسا نہیں ہے کہ وجود ذات پر وجود زائد کے ساتھ علم میں موجود ہیں اور خارج میں نفس ذات تعالیٰ و تقدس ہیں۔

عقیدہ7 اللہ تعالیٰ کی ذات قدیم و ازلی ہے۔ اس کے سوا کسی کے لیے قدم و ازل ثابت نہیں ہے۔ تمام ملتوں کا اس پر اجماع ہے۔ جو شخص بھی اللہ تعالیٰ کے سوا کسی غیر کے قدم اور ازلیت کا قائل ہو، اس کی تکفیر کی ہے۔

عقیدہ8 اللہ تعالیٰ قادر مختار ہے، ایجاب کی آمیزش اور اضطرار کے گمان سے منزہ و مبرا ہے۔

عقیدہ9 اللہ تعالیٰ کو مومنین آخرت میں بے جہت، بے کیف اور بے شبہ و بے مثال جنت میں دیکھیں گے۔ یہ ایک ایسا مسئلہ ہے کہ جس میں اہل السنت والجماعت کے علاوہ تمام اہل ملت اور غیر اہل ملت سب اس کے منکر ہیں اور بے جہت و بے کیف رؤیت کو جائز نہیں سمجھتے۔

یراہ المؤمنون بغیر کیف ‖ وادراک وضرب من مثال

منظوم ترجمہ: جنتی کو دید حق کی ہوگی سیر ‖ کیف و ادراک اور مثالوں سے بغیر

(مکتوبات امام ربانی مجدد الف ثانی فارسی دفتر اول مکتوب نمبر ۲۶۶ شیخ رؤف اکیڈمی لاہور)

3 مکتوب نمبر ۲ دفتر سوم میں بیان کردہ عقائد

عقیدہ 1 اللہ تعالیٰ بذاتِ اقدس خود موجود ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ہستی اپنی خودی سے موجود ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے ہے۔ اب بھی ویسا ہی ہے اور ہمیشہ ایسا ہی رہے گا۔ عدمِ سابق اور عدمِ لاحق کو اللہ تعالیٰ کی جنابِ اقدس میں کوئی راہ نہیں ہے کیونکہ وجوبِ وجود اس مقدس درگاہ کا کمینہ خادم ہے اور سلبِ عدم اس بارگاہِ محترم کا کمینہ خاکروب ہے۔

اللہ تعالیٰ ایک ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں، نہ اس کے وجوبِ وجود میں، نہ اس کی الوہیت میں، نہ استحقاقِ عبادت میں۔ کیونکہ شریک تو اس وقت درکار ہوتا ہے جب وہ اللہ تعالیٰ کافی نہ ہو اور مستقل نہ ہو۔ یہ نقص کی علامت ہے جو وجوب والوہیت کے منافی ہے اور جب کہ وہ کافی اور مستقل ہے تو اس کا شریک بیکار و عبث ہوگا کیونکہ وہ بھی نقص کی علامت ہے۔ جو الوہیت و وجوب کے منافی ہے۔ لہٰذا شریک کا اثبات دو شریکوں میں سے ایک شریک کے نقص کو مستلزم ہے جو شرکت کے منافی ہے۔ لہٰذا شرکت کا اثبات شرکت کی نفی کے لیے لازم ہوا اور یہ محال ہے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ کا شریک محال ہوا۔

عقیدہ 2 اللہ تعالیٰ کی صفاتِ کاملہ ہیں جیسے: حیات، علم، قدرت، ارادہ، سمع، بصر، کلام اور تکوین (پیدا کرنا)۔ ان صفاتِ ثمانیہ (آٹھ صفتوں) کو "صفاتِ حقیقیہ" کہتے ہیں جو کہ قدیم ہیں اور اللہ تعالیٰ کی ذات پر وجودِ زائد کے ساتھ خارج میں موجود ہیں جیسے کہ علمائے اہلِ حق کے نزدیک ثابت اور طے شدہ امر ہے۔

عقیدہ 3 اللہ تعالیٰ کلیات و جزئیات کا عالم ہے اور اسرار و پوشیدہ چیزوں کا جاننے والا ہے۔ آسمانوں اور زمینوں میں ایک حقیر ترین ذرہ کی مانند بھی کوئی چیز اللہ تعالیٰ کے علم سے باہر نہیں ہے۔ ہاں چونکہ اللہ تعالیٰ تمام اشیاء کا خالق ہے۔ لہٰذا وہ تمام چیزوں کا جاننے والا بھی ہوا کیونکہ پیدا کرنے والے کو پیدا کی ہوئی چیزوں کا علم ہونا ضروری ہے۔

عقیدہ 4 اللہ تعالیٰ ازل سے ابد تک ایک کلام کے ساتھ متکلم ہے۔ اگر امر ہے تو اسی ایک کلام سے ہے اور اگر نہی ہے تو وہ بھی اسی ایک کلام سے ہے۔ اسی طرح تمام اخبار و استخبار (خبر

دینا اور خبر طلب کرنا) اسی کلام سے پیدا ہوئے ہیں۔ اگر توریت و انجیل ہے تو وہ بھی اسی کلام پر دلیل ہے۔ اور اگر زبور و فرقان (قرآن) ہے تو وہ بھی اسی کلام کا نشان ہے۔ اسی طرح باقی تمام صحیفے اور کتابیں جو نبیوں علیہم السلام پر نازل ہوئی ہیں۔ اسی ایک کلام کی تفصیل ہیں۔ جب ازل و ابد اس وسعت و درازی کے باوجود وہاں (اللہ تعالیٰ کے نزدیک) آن واحد ہے بلکہ وہاں آن کی بھی گنجائش نہیں ہے کیونکہ آن کا اطلاق بھی اس مقام میں تنگی عبارت کی وجہ سے ہے۔ لہٰذا وہ کلام جو اس آن میں صادر ہوگا ایک کلمہ بلکہ ایک حرف بلکہ ایک نقطہ ہوگا اور اس نقطہ کا اطلاق بھی اس جگہ آن (واحد) کے اطلاق کے مانند ہے جو تنگی عبارت کی وجہ سے واقع ہے ورنہ نقطہ بھی اس کی گنجائش نہیں رکھتا۔ اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کی وسعت عالم بے چونی و بے چگونی سے ہے اور اس وسعت و تنگی سے جو امکان کی صفات ہیں وہ اس سے پاک و منزہ ہے۔

عقیدہ 5 مومنوں کو جنت میں بے چونی و بے چگونی کے طور پر اللہ تعالیٰ کا دیدار ہوگا کیونکہ وہ رویت جو بے چون سے متعلق ہے وہ بھی بے چون ہوگی، بلکہ دیکھنے والا بھی بے چونی کی وجہ سے حظ وافر حاصل کرے گا تاکہ بے چون کو دیکھ سکے۔

(مکتوبات امام ربانی مجدد الف ثانی فارسی دفتر سوم حصہ ہشتم مکتوب نمبر ۱۷ ص ۳۵، ۳۶ طبع رؤف اکیڈمی لاہور)

19 حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ (المتوفی ۱۱۷۶ھ) کے عقائد

"اَلْعَقِيْدَةُ الْحَسَنَةُ" میں بیان کردہ عقائد

أما بعد: فيقول الفقير الى رحمة الله الكريم، أحمد المدعو بولي الله ابن عبد الرحيم أحسن الله تعالى اليهما. أشهد الله تعالى ومن حضر من الملائكة والجن والانس، أني أعتقد من صميم قلبي أن:

للعالم صانعاً، قديماً، لم يزل ولا يزال واجباً. وجوده ممتنعاً عدمه. وهو الكبير. المتعال متصفاً بجميع صفات الكمال، منزّهاً عن جميع المخلوقات. قادرٌ على جميع الممكنات. مريدٌ لجميع الكائنات. حيٌّ سميعٌ بصيرٌ. لَا شِبْهَ لَهٗ ولا ضِدَّ له، ولا نِدَّ له، ولا مثل له. ولا شريك له في وجوب الوجود ولا استحقاق العبادة. ولا في الخلق والتدبير. فلا يستحق العبادة أي أقصى غاية التعظيم الا هو ولا يشفي مريضاً. ولا يرزق رزقا. ولا يكشف ضرا الا هو. بمعنى أن يقول لشيء "كن" فيكون لا بمعنى التسبب العادي الظاهري. كما يقال شفى الطبيبُ المريضَ. ورزق الامير الجند فهذا غيره وان اشتبه في اللفظ ولا ظهيرَ له. ولا يحل في غيره ولا يتحد بغيره. ولا يقوم بذاته حادثٌ وليس في ذاته ولا في صفاته حدوث. وانما الحدوث في تعلق الصفات بمتعلقاته حتى يظهر الافعالُ. وحقيقته ان التعلق أيضا ليس بحادث ولكن الحادث هو المتعلق. فيظهر احكام المتعلق متفاوتاً لتفاوت المتعلقات.

وهو بريءٌ عن الحدوث والتجدد من جميع الوجود. ليس بجوهر ولا عرضٍ ولا جسمٍ ولا في حيّزٍ وجهةٍ. ولا يُشار اليه بهُنَا وهُنَاكَ. ولا

يَصِحُّ عليه الحركةُ والانتقالُ والتَّبَدُّلُ في ذاته ولا صفاته. ولا الجهلُ ولا الكِذْبُ. وهو فوق العرش كما وصف نفسه ولكن لا بمعنى التَّحَيُّزِ والجهةِ بل لا يعلم كُنْهَ هذا التفوُّقِ والاستواء إلَّا هو. والراسخون في العلم ممن آتاه الله من لدنهُ عِلماً.

وهو مرئي للمومنين يوم القيامة بوجهين:

أحدهما: أن يكشف عليهم انكشافاً بليغاً أكثر من التصديق به عقلا وكأنه الرؤية بالبصر، إلا أنه من غير موازاةٍ ومقابلةٍ وجهةٍ ولونٍ وشكلٍ. وهذا الوجه قال به المعتزلة وغيرهم. وهو حق. وإنما خطأهم في تأويلهم الرؤية بهذا المعنى أو حصرهم الرؤية في هذا المعنى.

وثانيهما: أن يتمثل لهم بصورٍ كثيرةٍ كما هو مذكورٌ في السنة. فيرونه بأبصارهم بالشكل واللون والمواجهة كما يقع في المنام كما أخبر به النبي صلى الله عليه وسلم حيث قال: رأيت ربي في أحسن صورةٍ. فيرون هنالك عياناً ما يرون في الدنيا مناماً. وهذان الوجهان نفهمهما ونعتقدهما. وان كان اللهُ تعالى ورسولُه أراد بالرؤية غيرهما. فنحن آمنا بمراد الله تعالى ورسوله وان لم نعلم بعينه ذلك.

ما شاء الله كان وما لم يشأ لم يكن. والكفر والمعاصي بخلقه وارادته ولا يرضاه. وهو غني لا يحتاج الى شيء في ذاته وصفاته. ولا حاكم عليه. ولا يجب عليه شئ بإيجاب غيره. نعم! إن يَعِدْ شيئاً فيتحقق بالوعد كما ورد فهو ضامن على الله تعالى. وجميع أفعاله يتضمن الحكمة والمصلحة الكلية على ما يعلم. ولا يجب عليه اللطف الجزئي الخاص أو الأصلح الخاص. لا قبيح منه ولا يُنْسَبُ فيما يفعل أو يحكم الى جورٍ أو ظلمٍ يراعي الحكمةَ فيما خلق وأمر. لا أنه يستكمل نفسه وصفاته بشيء. وأن يكون له حاجةٌ وغرضٌ فان ذلك ضعفٌ وقُبْحٌ. لا حاكم سواه. فليس للعقل حكمٌ في حسن الأشياء وقُبحها. وكون الفعل

سبباً للثواب والعقاب، وانما حسن الاشياء وقبحها بقضاء الله وحكمه و تكليفه للناس. فمنها ما يدرك العقلُ وَجْهَهُ ومصلحته و مناسبته للثواب والعقاب. ومنها: لا يدركه الا بأخبار الرسل عن الله تعالى. وكل صفة من صفاته واحدة بالذات، غير متناهية بحسب التعلق والتجدد انما هو في المتعلق بالمعنى المذكور.

(**العقيدة الحسنة** ص ۷۲ تا ۸۵۔ المؤلف: حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (المتوفی ۱۱۷۶ھ)۔ تحقیق متن عقیدۃ الطحاوی۔ طبع ادارہ نشر و اشاعت، مدرسہ نصرۃ العلوم، گوجرانوالہ)

ترجمہ: اما بعد! یوں کہتا ہے: بندہ اپنے رب کی رحمت کا محتاج: "احمد" جس کو ولی اللہ بن عبد الرحیم کے نام سے پکارا جاتا ہے، اللہ تعالیٰ ان دونوں پر احسان فرمائے کہ میں اللہ تعالیٰ کو اور جو ملائکہ، جنات اور انسان حاضر ہیں، ان کو گواہ بنا کر اپنے عقائد کے بارے میں کہتا ہوں کہ میں خلوصِ قلب سے اس بات کا اعتقاد رکھتا ہوں کہ تمام عالم کا ایک صانع (بنانے والا) قدیم ہے جو ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا۔

جس کا وجود واجب ہے اور اس کا عدم ممتنع ہے (جس کا ہونا ضروری اور اس پر فنا اور عدم محال ہے)۔ اور وہ بڑا اور عالی شان ہے۔ اور تمام کامل صفات کے ساتھ متصف ہے۔ اور زوال اور نقص کی تمام علامتوں سے پاک اور منزہ ہے۔ وہ تمام مخلوقات کا خالق ہے۔ اور تمام کائنات کی باتوں کا جاننے والا ہے۔ اور تمام مخلوقات پر پوری قدرت رکھتا ہے۔ اور تمام کائنات (کی ایجاد و قیام) کا ارادہ کرنے والا ہے۔ زندہ ہے، سننے اور دیکھنے والا ہے۔ کوئی چیز اس کے مشابہ نہیں اور نہ کوئی چیز اس کے ضد اور مقابل ہے، اور نہ کوئی چیز اس کی مثل ہے۔ اس کے واجب الوجود ہونے اور عبادت کے استحقاق اور پیدا کرنے اور تدبیر میں کوئی اس کا شریک نہیں۔ پس عبادت کا استحقاق اس کے سوا کسی کے لیے نہیں۔ اور عبادت انتہائی درجے کی تعظیم کو کہا جاتا ہے۔ کسی مریض کو اس کے سوا کوئی شفا نہیں بخشتا اور نہ کسی کو اس کے سوا کوئی روزی پہنچاتا ہے اور ضرر اور تکلیف کو اس کے سوا کوئی دور نہیں کر سکتا۔ اور اس کا یہ کام اس طرح ہے

کہ جب وہ کسی چیز کو (بغیر ظاہری اسباب کے) کہہ دے کہ "ہو جا" تو وہ ہو جاتی
ہے۔ اس طرح نہیں جس طرح ظاہری و عادی اسباب کے تحت کوئی چیز ہوتی ہے۔
جیسا کہ لوگ کہتے ہیں کہ طبیب نے مریض کو شفا دی، اور امیر لشکر نے لشکر کو رزق دیا
(کیونکہ یہاں مراد ظاہری اسباب کے تحت علاج و معالجہ کرنا اور تنخواہ وغیرہ دینا ہوتا
ہے)۔ یہ معنی اس کے علاوہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے لیے بولا جاتا ہے۔ اگرچہ الفاظ ایک
جیسے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کا کوئی معین اور پشت پناہ نہیں، اور نہ وہ کسی دوسری چیز میں
حلول کرتا ہے۔ اور نہ وہ غیر کے ساتھ مل کر متحد ہوتا ہے۔ اور اس کی ذات کے ساتھ
کوئی حادث چیز قائم نہیں ہو سکتی (نو پیدا چیز جو پہلے نہ تھی)۔ پس اس کی ذات اور
صفات میں کسی قسم کا حدوث نہیں ہے۔ البتہ جب اس کی صفت کا تعلق اپنے
متعلقات کے ساتھ ہوتا ہے تو اس تعلق میں حدوث ہوتا ہے تاکہ افعال ظاہر
ہوں۔ اور حقیقت میں یہ تعلق بھی حادث نہیں ہے۔ حادث صرف ان صفات کے
متعلقات (تمام کائنات اللہ کے سوا) ہی ہوتے ہیں، اس لیے اس تعلق کے احکام بھی
مختلف اور متفاوت ہوتے ہیں (ورنہ اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات میں مطلقاً کسی قسم
کا حدوث نہیں)۔ اور وہ باری تعالیٰ ہر وجہ اور ہر طریق پر حدوث اور تجدد سے بری
اور پاک ہے۔ اور وہ نہ جوہر ہے (جو کسی زمان اور مکان میں خود قائم ہوتا ہے۔ اور نہ
عرض ہے (دوسری چیز کے ساتھ قائم ہو جیسے رنگ، شکل وغیرہ) اور نہ وہ جسم ہے اور نہ
کسی مکان اور جہت میں ہے۔ اور نہ اس کی طرف یہاں اور وہاں کے ساتھ اشارہ کیا
جا سکتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ اپنی ذات اور صفات میں نہ حرکت کرتا ہے۔ اور نہ ایک جگہ
سے دوسری جگہ منتقل ہوتا ہے۔ اور نہ بدلتا ہے اور اس میں جہل اور کذب بھی روا نہیں
یعنی کذب اور جہل کا صدور اس سے محال ہے۔ اور وہ عرش کے اوپر ہے جیسا کہ خود
اس نے اپنے بارہ میں فوق العرش ہونا بیان کیا ہے۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ عرش
اس کا مکان ہے اور فوق اس کی جہت ہے۔ بلکہ اس کی فوقیت اور استواء کی حقیقت اس
کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ یا پھر وہ پختہ کار علماء جانتے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے علم لدنی
عطا فرمایا ہے۔

اور باری تعالیٰ کا دیدار ایمان والوں کو قیامت کے دن نصیب ہوگا اور اس دیدار کی دو طرح وضاحت کی گئی ہے۔ ایک اس طرح کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان مومنین پر ایسا انکشاف تام ہو جائے گا جو عقلی تصدیق سے بہت زیادہ ہوگا، گویا کہ آنکھوں سے دیکھ رہے لیکن اس میں سامنا، مقابلہ اور جہت اور رنگ اور شکل نہیں ہوگا۔ اور یہ وجہ اسی ہے کہ اس کا قول فرقہ معتزلہ نے اور دوسرے لوگوں (مثلاً شیعہ وغیرہ) نے بھی کیا ہے۔ اور یہ بات فی نفسہ حق اور درست ہے لیکن اس کی غلطی یہ ہے کہ وہ رویت کا یہی معنی کرتے ہیں یا رویت کو اسی معنی میں منحصر مانتے ہیں (جس کی وجہ سے رویت بالابصار کا انکار کرتے ہیں)۔

اور دوسرا معنی رویت کا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مختلف صورتوں میں ان کے سامنے متمثل ہو جیسا کہ سنت اور احادیث میں مذکور ہے۔ پس وہ لوگ باری تعالیٰ کو اپنی آنکھوں کے ساتھ شکل، صورت اور رنگ اور آمنے سامنے کی طرح دیکھیں گے، جیسا کہ خواب میں واقع ہوتا ہے جس کی خبر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دی ہے، جہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ: "میں نے اپنے رب کو اچھی صورت میں دیکھا ہے"۔ اسی طرح لوگ قیامت میں اس کو عیاناً یعنی بالکل ظاہری آنکھوں سے دیکھیں گے۔ جس طرح دنیا میں خواب کے اندر دیکھتے ہیں اور رویت کی یہ دونوں صورتیں ایسی ہیں جن کو ہم سمجھتے ہیں اور ان پر اعتقاد رکھتے ہیں۔ اور اگر اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد رویت سے ان کے علاوہ کوئی اور معنی ہو تو پھر ہم اس پر ایمان رکھتے ہیں جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولوں کی مراد ہے۔ اگرچہ ہم بعینہ اس معنی کو نہ سمجھتے ہوں۔ اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے وہ ہوتا ہے اور جو نہ چاہے وہ نہیں ہوتا۔ اور کفر اور دیگر معاصی اور گناہ اس کے پیدا کرنے اور ارادہ کرنے سے ظاہر ہوتے ہیں لیکن وہ ان کو پسند نہیں کرتا۔ اور وہ ایسا غنی اور بے نیاز ہے جو اپنی ذات اور صفات میں کسی چیز کی طرف احتیاج نہیں رکھتا۔ اور نہ اس پر کوئی حاکم ہے، اور نہ اس پر کوئی چیز کسی غیر کو واجب کرنے سے واجب ہوتی ہے۔ ہاں! لیکن وہ خود (از راہِ لطف وکرم) کسی چیز کا وعدہ فرماتا ہے تو پھر وہ اس کو پورا کرتا ہے، اس وعدے کے خلاف نہیں کرتا۔ جیسا کہ حدیث میں اس

قسم کے الفاظ کہتے ہیں کہ "وہ چیز اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے یا اللہ تعالیٰ اس کا ضامن ہے"۔ اور اللہ تعالیٰ کے تمام معلومات اور مصلحت حکمیہ (عمومی مصلحت) جیسے کہ وہ سمجھا جاتا ہے اس پر مشتمل ہوتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ پر کسی خاص فرد یا خاص جزئی چیز کے بارہ میں رعایت ضروری (جزئیات) جو واجب نہیں (جیسا کہ معتزلہ وغیرہ کا اعتقاد ہے کہ جو چیز بندوں کے لیے اصلح ہو وہ اللہ تعالیٰ پر واجب ہوتی ہے)۔ اور کوئی بات اللہ کی طرف سے حق نہیں ہوتی اور بندہ اپنے کاموں اور اپنے نفسوں میں ظلم اور ناانصافی کی طرف بڑھ نہیں پاتا (اللہ تعالیٰ کسی پر ظلم اور ناانصافی نہیں کرتا)۔ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ پیدا کیا ہے یا جو حکم دیا ہے اس میں حکمت کی رعایت ضروری ہے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ اپنی ذات اور صفات میں کسی شے سے تکمیل حاصل کرتا ہے۔ (حکمت کی رعایت سے کسی ذات یا صفت میں جو کمال پیدا ہوا ہو نہیں)۔ اور اس کو کسی چیز کی طرف رغبت اور غرض بھی نہیں کیونکہ یہ کمزوری اور قباحت (بری) بات ہے۔ اللہ تعالیٰ اس سے پاک ہے۔

اس کے سوا کوئی حاکم نہیں۔ نہ ہی عقل کے لیے اشیاء کے حسن و قبح میں کوئی حکم یا فیصلہ نہیں ہے (جیسا کہ معتزلہ وغیرہ کہتے ہیں کہ اشیاء کا حسن و قبح عقلی ہے)۔ اور اسی طرح کسی فعل کے ثواب یا عقاب کے سبب ہونے میں بھی عقل کا دخل نہیں ہے۔ اشیاء کا حسن و قبح اللہ تعالیٰ کے فیصلہ اور اس کے حکم سے ہوتا ہے اور اس وجہ سے کہ اس نے لوگوں کو مکلف بنایا ہے (یعنی حسن و قبح شریعت سے مکلف ہونے کی وجہ سے ہے نہ کہ عقل کی وجہ)۔ بعض چیزیں ایسی ہیں کہ عقل ان کو سمجھ سکتی ہے اور ان میں ثواب یا عقاب کی مصلحت اور مناسبت بھی پائی جاتی ہے۔ اور بعض چیزیں ایسی ہیں کہ عقل ان کے حسن و قبح کا ادراک نہیں کر سکتی، جب تک اللہ تعالیٰ کے رسول یا نبی اللہ تعالیٰ کی طرف سے بتا نہ دیں۔

اور اللہ تعالیٰ کی ہر صفت اپنی حقیقت اصلیت کے اعتبار سے واحد ہے۔ اور باعتبار تعلقات کے غیر متناہی اور بے انتہا ہے۔ اور حدوث و تجدد اس صفت میں نہیں بلکہ اس چیز (ممکن و حادث اشیاء) میں ہوتا ہے جس کے ساتھ اس صفت کا تعلق ہے۔

اپنے اپنے وقت میں اس کے ارادے کے موافق پیدا ہوتی ہے۔

عقیدہ 12 اللہ تعالیٰ جسم نہیں رکھتا، نہ طول و عرض و عمق۔ نہ ہی وہ شکل و صورت رکھتا ہے۔

عقیدہ 13 اللہ تعالیٰ مکان نہیں رکھتا۔ نہ اوپر نیچے کی طرح اس کے لیے کوئی طرف ہے۔ یہ مذہب اہل السنت والجماعت کا ہے۔

عقیدہ 14 اللہ تعالیٰ کسی چیز میں سرایت نہیں کرتا، نہ کسی بدنی قالب میں نمودار ہوتا ہے۔

عقیدہ 15 اللہ تعالیٰ نظر آنے والے اعراض کے ساتھ متصف نہیں۔ تو رنگ، بو یا ان جیسی دوسری کیفیات نہیں رکھتا۔

عقیدہ 16 باری تعالیٰ کی ذات مقدس کسی چیز میں چھپ نہیں سکتی۔ نہ سمو سکتی ہے۔

عقیدہ 17 اللہ تعالیٰ کے لیے "بدا" جائز نہیں۔ وہ یہ ہے کہ حق تعالیٰ ایک چیز کا ارادہ فرمائے۔ پھر اس کو کسی دوسری چیز میں مصلحت نظر آئے جو پہلے معلوم نہ ہو سکی۔ لہٰذا پہلے ارادے سے دست بردار ہو کر دوسرے ارادہ کو اختیار فرمائے۔ اور یہ خیال اس بات کو چاہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ناعاقبت اندیش ہے اور امور کے نتائج سے جاہل۔ پناہ خدا کی!!۔ اللہ تعالیٰ اس سے بہت بالا و برتر ہے۔

عقیدہ 18 اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے کسی کے کفر و گمراہی پر راضی نہیں ہوتا جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: **وَلَا يَرْضٰى لِعِبَادِهِ الْكُفْرَ**

ترجمہ اور وہ اپنے بندوں کے کفر پر خوش نہیں ہے۔

عقیدہ 19 اللہ تعالیٰ پر کوئی چیز واجب نہیں ہے۔ اہل السنت کا مذہب یہی ہے۔

عقیدہ 20 بندے سے جو کچھ اعمال سرزد ہوتے ہیں۔ بھلائی، برائی، کفر و ایمان، اطاعت و نافرمانی، وہ سب اللہ تعالیٰ کے پیدا کیے ہوئے ہیں۔ ان کی پیدائش میں بندے کو کوئی دخل نہیں۔ ہاں کسب و عمل بندے کا ہے۔ اور اسی کسب و عمل پر اس کو بدلہ ملے گا۔ اہل السنت کا مذہب یہی ہے۔

عقیدہ 21 بندہ کو حق تعالیٰ سے مکانی یا جسمانی قرب حاصل ہونا مقصود نہیں۔ اس سے قرب و نزدیکی مختلف درجے، رضامندی، اور خوشنودی کی ہے۔ اہل السنت کا مذہب یہی ہے۔

تھا۔

نیز جہات امورِ اضافیہ اور نسبیہ میں سے ہیں۔ مثلاً فوق، تحت، یمین اور شمال یہ سب چیزیں حادث ہیں۔ نسبت کے بدلنے سے ان میں تغیر و تبدل ہوتا رہتا ہے۔ ایک شے کسی اعتبار سے فوق ہے اور کسی اعتبار سے تحت ہے۔ پس یہ کیسے ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ ازل میں کسی جہت یا سمت کے ساتھ مخصوص ہو۔ جہت اور سمت حادث کے لیے ہوتی ہیں۔ ازلی کے لیے نہیں ہوتی۔ پس ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے لیے نہ کوئی مکان ہے، نہ کوئی جہت ہے اور نہ کوئی سمت ہے۔ مکان، جہت اور سمت تو محدود اور متناہی کے لیے ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ کے لیے نہ کوئی حد ہے اور نہ کوئی نہایت ہے۔

اس کی ذات سمت، جہت، مکان اور زمان کی حدود اور قیود سے پاک ہے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ کے متعلق یہ سوال نہیں ہو سکتا کہ وہ کہاں ہے؟ اور کب سے ہے؟ اس لیے کہ وہ مکان اور زمان سے سابق اور مقدم ہے۔ مکان اور زمان سب اسی کی مخلوق ہیں۔ وہ خود لامکان اور لازمان ہے۔ اس کی ذات مکان اور زمان پر موقوف نہیں بلکہ زمان اور مکان کی ذات اس کے وجود پر موقوف ہے۔ مشبہ اور مجسمہ یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے لیے جہت ہے اور وہ جہتِ فوق میں ہے اور اللہ تعالیٰ عرش پر متمکن ہے:

سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يَصِفُوْنَ۔ (الانعام: ۱۰۰)

2 صفاتِ متشابہات جیسے استواء علی العرش کی تحقیق

علماء اہلِ سنت والجماعت یہ کہتے ہیں کہ براہینِ قطعیہ اور دلائلِ عقلیہ نقلیہ سے یہ ثابت ہو چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ مخلوق کی مشابہت، مماثلت، کیفیت، کمیت، مکان اور جہت سے پاک اور منزہ ہے۔ لہٰذا جن آیات اور احادیث میں اللہ تعالیٰ کی ذات کو آسمان یا عرش کی طرف منسوب کیا ہے ان کا یہ مطلب نہیں کہ آسمان اور عرش اللہ تعالیٰ کا مکان اور مستقر ہے بلکہ ان سے اللہ تعالیٰ کی شانِ رفعت، علو، عظمت اور کبریائی کو بیان کرنا مقصود ہے۔ اس لیے کہ مخلوقات میں سب سے بلند عرشِ عظیم ہے۔ ورنہ عرش سے لے کر فرش تک سارا عالم اس کے سامنے ایک ذرہ بے مقدار

ہے

٤ وَفَوْقَ كُلِّ ذِي عِلْمٍ عَلِيمٌ. (یوسف: ٧٦)

ترجمہ اور جتنے علم والے ہیں ان سب کے اوپر ایک بڑا علم رکھنے والا موجود ہے۔

٥ وَإِنَّا فَوْقَهُمْ قَاهِرُونَ. (اعراف: ١٢٧)

ترجمہ اور ہمیں ان پر پورا پورا قابو حاصل ہے۔

میں فوقیت مرتبہ اور فوقیت قہر اور غلبہ مراد ہے۔

جن آیات اور احادیث میں اللہ تعالیٰ کے قرب اور بعد کا ذکر آیا ہے۔ اس سے مسافت کے اعتبار سے قرب اور بعد مراد نہیں، بلکہ معنوی قرب اور بعد مراد ہے۔

نزول خداوندی سے نزول رحمت یا اللہ تعالیٰ کا بندوں کی طرف متوجہ ہونا مراد ہے۔ معاذ اللہ اللہ تعالیٰ کا بلندی سے پستی کی طرف آنا مراد نہیں۔ دعا کے وقت آسمان کی طرف ہاتھ اٹھانا اس لیے نہیں کہ آسمان اللہ تعالیٰ کا مکان ہے بلکہ اس لیے ہے کہ آسمان قبلۂ دعا ہے جیسا کہ خانہ کعبہ قبلۂ نماز ہے۔ خانہ کعبہ کو جو بیت اللہ کہا جاتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کا گھر ہے۔ معاذ اللہ یہ مطلب نہیں کہ خانہ کعبہ اللہ تعالیٰ کا مکان ہے اور اس کے رہنے کی جگہ ہے۔ سمت قبلہ عابدین کی عبادت کے لیے مقرر کی گئی ہے۔ معاذ اللہ معبود کی سمت نہیں۔ پس جیسے کعبہ نماز کا قبلہ ہے ویسے ہی آسمان دعا کا قبلہ ہے اور دونوں صورتوں میں اللہ تعالیٰ اس سے منزہ ہے کہ وہ خانہ کعبہ کے اندر یا آسمان کے اندر متمکن ہو۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ ان اوصاف کو اوصاف تشبیہی کہتے ہیں اور اوصاف تنزیہی اور اوصاف جلالی بھی کہتے ہیں اور علم وقدرت اور سمع وبصر جیسے اوصاف کو اوصاف تحمیدی اور اوصاف جمالی کہتے ہیں۔

مجسمہ اور مشبہہ یہ کہتے ہیں کہ عرش ایک قسم کا تخت ہے اور اللہ تعالیٰ اس پر مستوی ہے یعنی اس پر مستقر اور متمکن ہے اور فرشتے اس عرش کو اٹھائے ہوئے ہیں۔ اور

الرَّحْمَٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوَىٰ. (سورت طٰہٰ: ٥)

ترجمہ بڑی رحمت والا عرش پر مستوی ہے۔

کے ظاہر لفظ سے استدلال کرتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ استوا علی العرش سے عرش پر بیٹھنا مراد ہے۔

بعض یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہر مکان میں ہے اور ہر جگہ موجود ہے اور اللہ تعالیٰ کے اس قول سے حجت پکڑتے ہیں:

1 مَا يَكُونُ مِن نَّجْوَىٰ ثَلَاثَةٍ إِلَّا هُوَ رَابِعُهُمْ وَلَا خَمْسَةٍ إِلَّا هُوَ سَادِسُهُمْ وَلَا أَدْنَىٰ مِن ذَٰلِكَ وَلَا أَكْثَرَ إِلَّا هُوَ مَعَهُمْ أَيْنَ مَا كَانُوا۔

(المجادلہ: ۷)

ترجمہ کبھی تین آدمیوں میں کوئی سرگوشی ایسی نہیں ہوتی جس میں چوتھا وہ نہ ہو، اور نہ پانچ آدمیوں کی کوئی سرگوشی ایسی ہوتی ہے جس میں چھٹا وہ نہ ہو۔ اور چاہے سرگوشی کرنے والے اس سے کم ہوں یا زیادہ، وہ جہاں بھی ہوں، اللہ تعالیٰ اُن کے ساتھ ہوتا ہے۔

اور حق تعالیٰ کے ان اقوال سے دلیل پکڑتے ہیں:

2 وَنَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيدِ۔ (سورت ق: ۱۶)

ترجمہ اور ہم اُس کی شہ رگ سے بھی زیادہ اُس کے قریب ہیں۔

3 وَنَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنكُمْ وَلَٰكِن لَّا تُبْصِرُونَ۔ (الواقعہ: ۸۵)

ترجمہ اور تم سے زیادہ ہم اس کے قریب ہوتے ہیں مگر تمہیں نظر نہیں آتا۔

4 وَهُوَ الَّذِي فِي السَّمَاءِ إِلَٰهٌ وَفِي الْأَرْضِ إِلَٰهٌ وَهُوَ الْحَكِيمُ الْعَلِيمُ۔

(الزخرف: ۸۴)

ترجمہ وہی (اللہ تعالیٰ) ہے جو آسمان میں بھی معبود ہے اور زمین میں بھی معبود۔ اور وہی ہے جو حکمت کا بھی مالک ہے، علم کا بھی مالک۔

اہل السنت والجماعت کہتے ہیں کہ قرآن مجید میں اس قسم کی جس قدر آیتیں وارد ہوئی ہیں، ان سے اللہ تعالیٰ کے کمالِ علو و رفعتِ شان کو اور اس کا احاطۂ علم و قدرت کو بیان کرنا مقصود ہے کہ اللہ تعالیٰ کا علم اور قدرت تمام کائنات کو محیط ہے جیسا کہ ایک حدیث قدسی میں آیا ہے:

قلب المؤمن بين اصبعين من أصابع الرحمٰن۔

ترجمہ: مؤمن کا دل رحمٰن کی دو انگلیوں کے درمیان ہے۔

سو اس سے بالاجماع متعارف، ظاہری اور حسی معنی مراد نہیں بلکہ اس سے قدرت علی التقلیب بیان کرنا ہے کہ قلب (دل) اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے، جدھر چاہے، پھیر دے۔

حدیث میں حجرِ اسود کے متعلق یہ آیا ہے:

أنه يمين الله في الأرض

ترجمہ: حجرِ اسود زمین میں اللہ تعالیٰ کا دایاں ہاتھ ہے۔

تو یہاں بھی بالاتفاق ظاہری معنی مراد نہیں، بلکہ معنی مجازی مراد ہیں کہ حجرِ اسود کو بوسہ دینا گویا اللہ تعالیٰ سے مصافحہ کرنا اور اس کے دستِ قدرت کو بوسہ دینا ہے، جیسا کہ قرآنِ حکیم میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

إِنَّ الَّذِينَ يُبَايِعُونَكَ إِنَّمَا يُبَايِعُونَ اللَّهَ ۚ يَدُ اللَّهِ فَوْقَ أَيْدِيهِمْ ۚ (الفتح:۱۰)

ترجمہ: (اے پیغمبر!) جو لوگ تم سے بیعت کر رہے ہیں، وہ درحقیقت اللہ تعالیٰ سے بیعت کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ہاتھ اُن کے ہاتھوں پر ہے۔

یعنی جو لوگ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دستِ مبارک پر بیعت کرتے ہیں گویا وہ اللہ تعالیٰ سے بیعت کرتے ہیں۔ یہاں بھی بالاتفاق معنی مجازی مراد ہیں۔ معاذ اللہ! یہ مطلب نہیں کہ اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دونوں ایک دوسرے کے عین ہیں۔ اسی طرح سمجھو کہ استواء علی العرش سے ظاہری اور حسی معنی مراد نہیں کہ اللہ تعالیٰ عرش پر بیٹھا ہوا ہے بلکہ اس سے اللہ تعالیٰ کی علوِ شان اور رفعتِ مرتبہ کو بتلانا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

رَفِيعُ الدَّرَجَاتِ ذُو الْعَرْشِ (المؤمن:۱۵)

ترجمہ: وہ رفیع الدرجات ہے، وہ عرش کا مالک ہے۔

اسی طرح جس حدیث میں یہ آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر شب آسمانِ دنیا پر نزول فرماتا ہے۔ سو معاذ اللہ! اس کا یہ مطلب نہیں کہ اللہ تعالیٰ کوئی جسم ہے کہ عرش سے اتر کر

آسمان دنیا پر آتا ہے بلکہ اس خاص وقت میں اس کی رحمت کا نزول یا کسی رحمت کے فرشتہ کا آسمان دنیا پر اترنا مراد ہے اور اللہ تعالیٰ کا بندے سے قرب اور بعد باعتبار مسافت کے مراد نہیں بلکہ قرب سے عزت و کرامت اور بعد سے ذلت و اہانت مراد ہے۔ مطیع فرماں بردار بندہ اللہ تعالیٰ سے بلا کیفیت اور بلا کسی مسافت کے قریب ہے اور نافرمان بندہ بلا کسی کیفیت اور بلا کسی مسافت کے اللہ تعالیٰ سے بعید ہے۔

اہل السنت والجماعت کا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مکان، جہت اور سمت سے پاک ومنزہ ہے۔ اس لیے کہ جو چیز کسی مکان میں ہوتی ہے تو وہ محدود ہوتی ہے اور مقداری ہوتی ہے اور جس میں مقدار، مسافت، اور مساحت ہو مکان سے کم ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ مقدار، مساحت، مسافت اور کمی اور زیادتی سے منزہ ہے اور جو چیز سمت اور جہت میں ہوتی ہے تو وہ اس سمت اور جہت میں محصور اور محدود ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ اس سے بھی منزہ ہے۔ مکان، زمان، جہت اور سمت سب اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہے۔ ازل میں صرف اللہ تعالیٰ تھا اور اس کے سوا کوئی شے نہ تھی، نہ مکان اور زمان نہ عرش اور کرسی، نہ زمین اور آسمان۔ اس نے اپنی قدرت سے عرش، کرسی، زمین وآسمان کو پیدا کیا۔ وہ اللہ تعالیٰ ان چیزوں کے پیدا کرنے کے بعد اسی شان سے ہے جس شان سے وہ مکان، زمان، زمین وآسمان کے پیدا کرنے سے پہلے تھا۔ ہم اہل السنت والجماعت ایمان لاتے اس بات پر کہ بلا کسی تشبیہ اور تمثیل کے اور بلا کسی کمیت اور کیفیت کے اور بلا کسی مسافت اور مساحت کے رحمٰن کا استواء عرش پر حق ہے جس معنی کو اللہ تعالیٰ نے ارادہ فرمایا ہے اور جو اس کی شان کے لائق ہے جس کا علم اللہ تعالیٰ ہی کو ہے۔ معاذ اللہ یہ مطلب نہیں کہ جیسے بادشاہ تخت پر بیٹھتا ہے ایسا ہی اللہ تعالیٰ بھی عرش پر بیٹھا ہوا ہے اور عرش پر مستقر اور متمکن ہے۔ اس لیے کہ تمکن اور استقرار شان حادث اور جسم کی ہے۔ مکان مکین کو محیط ہوتا ہے اور عرش تو ایک جسم عظیم نورانی ہے جو اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہے۔ اس کی کیا مجال کہ وہ اللہ تعالیٰ کو اٹھا سکے۔ معاذ اللہ! عرش اللہ تعالیٰ کو اٹھائے ہوئے نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کا لطف اور قدرت عرش کو اٹھائے ہوئے اور تھامے ہوئے ہے۔

اس کے کلام بسیط کے اوراق ہیں جو دل میں مختلف آثار ہیں۔

کلام ایک صفت کمال ہے اور گونگا ہونا عیب ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے لیے تمام صفات کمال ثابت ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ تمام صفات نقص سے پاک اور منزہ ہے۔ اور کلام چونکہ اللہ تعالیٰ کی صفت ذاتی ہے اس لیے وہ قدیم ہوگی، حادث نہ ہوگی، کیونکہ قدیم کی صفت بھی قدیم ہوتی ہے۔

بعض اہل بدعت کا یہ قول ہے کہ اللہ تعالیٰ اس معنی میں متکلم ہے کہ وہ خالق کلام ہے۔ یعنی دوسرے میں کلام کو پیدا کرتا ہے۔ یہ سراسر جہالت اور نادانی ہے اور لغت عرب سے بے خبری ہے۔ متحرک لغت میں اس کو کہتے ہیں جو خود حرکت کے ساتھ موصوف ہو۔ جو دوسرے میں حرکت پیدا کرے، اس کو متحرک نہیں کہا جاتا۔ اسی طرح خالق کلام کو متکلم نہیں کہا جاتا۔

جاننا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کی صفت کلام میں کسی کو کلام نہیں۔ مطلقاً کلام کرنا تمام اہل اسلام کے نزدیک مسلّم اور متفق علیہ ہے۔ البتہ اختلاف اس کی حقیقت اور کیفیت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کا کلام کس طرح ہے اور کیوں کر ہے؟ حضرات متکلمین کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا کلام حروف اور اصوات سے مرکب نہیں۔ اللہ تعالیٰ کا کلام اس کی ایک صفت ہے جو اس کی ذات کے ساتھ قائم ہے۔ اس میں نہ حرف ہے اور نہ آواز ہے اور یہ حروف عربی اور نقوش کتابی اس کے کلام قدیم کی دلالات اور عبارات ہیں۔ جن کے ذریعہ اس کا کلام قدیم پڑھا جاتا ہے اور سنا جاتا ہے۔ اور جن حروف اور کلمات کے ذریعہ ہم کلام خداوندی کی تلاوت اور قراءت کرتے ہیں یہ حروف اس کے کلام قدیم کا لباس ہیں، اس کا عین نہیں۔ عقلاً یہ بات محال ہے کہ امر قدیم کسی حادث اور فانی ذات کی حادث اور فانی زبان اور فانی حلقوم کے ساتھ قائم ہو سکے۔ یا کوئی امر قدیم کسی حادث اور فانی میں حلول کر سکے۔ حادث قدیم کا محل نہیں ہو سکتا۔ البتہ ایک حادث چیز قدیم کے لیے آئینہ اور مظہر اور تجلی گاہ بن سکتی ہے۔ آئینہ کی تجلی میں آسمان دکھلائی دے سکتا ہے مگر آئینہ کی تجلی آسمان کا محل اور ظرف نہیں ہو سکتی۔ اس لیے تمام حضرات متکلمین اور تمام علماء و عارفین اس بات پر متفق ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا کلام جو

میں قرآن کے غیر مخلوق ہونے کی طرف اشارہ ہے۔ "إذ فما من مخلوق إلا فيه عوج" ۔ کوئی مخلوق شیٔ ایسی نہیں ہے جس میں کجی نہ ہو۔ قرآن کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: "غير ذي عوج" ۔ اس میں کوئی کجی نہیں۔

3 حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو خانہ کعبہ کے سامنے "یارب القرآن" کہتے ہوئے سنا تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہ کلمہ زبان سے مت نکال۔ "إن كل مربوب مخلوق" کیونکہ ہر مربوب مخلوق ہوتا ہے اور قرآن غیر مخلوق ہے۔

4 نیز اگر قرآن مخلوق ہوتا تو اس کی مثل لانا بھی ممکن ہوتا۔ یہ حافظ نور پشتی کے کلام کا خلاصہ ہے (عقائد اسلام ، مولانا محمد ادریس کاندھلوی ص ۶۲ ، ۶۳)

حضرت مجدد الف ثانیؒ فرماتے ہیں:

قرآن مجید اللہ تعالیٰ کا کلام ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے حرف اور آواز کا لباس دے کر ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل فرمایا ہے اور بندوں کو اس کے ساتھ امرونہی کا مخاطب بنایا ہے۔ جس طرح ہم اپنے نفسی کلام کو کام اور زبان کے ذریعہ حرف اور آواز کے لباس میں لاکر ظاہر کرتے ہیں۔ اور اس طرح اپنے پوشیدہ مقاصد و مطالب کو عرصہ ظہور میں لاتے ہیں۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام نفسی کو بغیر کام وزبان کے وسیلے کے محض اپنی قدرت کاملہ سے حروف اور آواز کا لباس عطا فرماکر اپنے بندوں پر بھیجا ہے۔ اور اپنے پوشیدہ اوامر و نواہی کو حروف اور آواز کے ضمن میں لاکر ظہور کے میدان میں جلوہ گر کیا ہے۔ پس کلام کی دونوں قسمیں یعنی کلام نفسی اور کلام لفظی حقیقتاً اللہ تعالیٰ کا کلام ہیں۔ اور دونوں قسموں پر کلام کا اطلاق حقیقت کے طور پر ہے جس طرح کہ ہمارے کلام کی دونوں قسمیں نفسی اور لفظی حقیقت کے طور پر ہمارا کلام ہیں۔ نہ یہ کہ قسم اول (نفسی) تو حقیقت ہے اور دوسری قسم (لفظی) مجاز ہے۔ اس لیے کہ مجاز کی علامت ہی یہ ہے کہ اس کی نفی جائز ہو۔ اور کلام لفظی کی نفی کرنا اور اس کو کلام خداوندی نہ کہنا بلاشبہ کفر ہے۔

(مکتوبات امام ربانی مجدد الف ثانی ، دفتر دوم ، مکتوب نمبر ۲)

1 جیسے قرآن کریم میں ہے کہ کافر کہتے ہیں:

مدلول کے جو کہ باعتبار ہماری زبانوں اور کتابت کے) مگر قرآن کی قراءت اور اس کی سماعت اور اس کی کتابت حادث اور مخلوق ہے۔ اس لیے کہ قراءت، سماعت اور کتابت یہ بندے کے افعال ہیں اور بندے کے افعال حادث اور مخلوق ہیں۔ امام بخاری اور دیگر علمائے محققین کا یہی مسلک ہے۔

امام ذہلی کا مسلک یہ تھا کہ جو شخص یہ کہے کہ لفظی بالقرآن حادث یعنی قرآن کا تلفظ اور اس کی سماعت حادث ہے تو وہ شخص مبتدع ہے۔ جو لوگ لفظی بالقرآن حادث کہنے کو بدعت کہتے تھے ان کو اصطلاح علماء میں فرقہ لفظیہ کہا جاتا ہے۔

یہی مسئلہ امام بخاری اور امام ذہلی کے درمیان میں تکدر اور تنافر کا باعث بنا۔ حقیقت وہی ہے جو امام بخاری فرماتے ہیں کہ قرآن کریم قدیم ہے مگر قرآن کی قراءت اور اس کی سماعت حادث اور مخلوق ہے۔ اس لیے کہ قراءت اور سماعت بندہ کا فعل ہے۔ لیکن امام ذہلی لفظی بالقرآن حادث کہنے کو اس لیے ناپسند فرماتے تھے کہ ان الفاظ سے کسی کو ملفوظ اور مقروء کے حادث اور مخلوق ہونے کا شبہ نہ ہو جائے۔ اس احتیاط کی بنا پر اس لفظ کے استعمال سے منع فرماتے اور چونکہ اس قسم کی تعبیر عہد صحابہؓ اور تابعین میں نہ تھی۔ اس لیے اس کو بدعت فرماتے۔ اس قسم کا اطلاق اگرچہ بدعت شرعیہ کی حدود سے باہر ہے لیکن امام ذہلی جیسے امام عالی مقام کی بارگاہ میں اتنا تغیر بھی بدعت سمجھا گیا۔

امام بخاری کا مقصد یہ تھا کہ صفت خداوندی اور فعل عبد کا فرق واضح ہو جائے۔ اور تعبیر ایسی صاف ہو جائے کہ کوئی قصور فہم کی وجہ سے حادث کو قدیم اور قدیم کو حادث نہ سمجھ جائے۔

وَلِكُلٍّ وِجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّيهَا فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرَاتِ۔ (البقرہ: ۱۴۸)

(عقائد الاسلام مصنف حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی ص ۲۶۴، ۲۶۵)

عقائد اور نماز کے بارے میں چند کتابیں

1:۔ إيضاح المرام في ترك القراءة خلف الإمام (ترکِ قراءت مقتدی)

2:۔ راحة العينين في ترك رفع اليدين (ترکِ رفع یدین)

3:۔ الدر الثمين في الإخفاء بآمين (اخفاء آمین)

4:۔ إيضاح الدليل في بيان صفات الرب الجليل (صفات باری تعالیٰ اور مسلک اہل السنت والجماعت)

5:۔ الكلمة في الرد على أهل التشبيه في قوله تعالى: الرحمن على العرش استوى "استواء علی العرش"

6:۔ أحسن البيان في تنزيه الله عن الجهة والمكان "اللہ تعالیٰ جہت اور مکان سے پاک ہیں"

7:۔ اردو ترجمہ [illegible]: الحقائق الجلية في الرد على ابن تيمية فيما أورده في الفتوى الحموية (مصنف علامہ ابن جہبل)

8:۔ التقريب في الرد على عقائد أهل التجسيم والتشبيه (صفات متشابہات اور مسلک اہل السنت)

9:۔ السنة المؤكدة في وضع اليدين تحت السرة (زیر ناف ہاتھ باندھنا مسنون طریقہ)

10:۔ الحق المبين في صفة صلوة خير المرسلين ([illegible])

11:۔ بچوں کے لئے طریقۂ نماز

12:۔ أنوار المصابيح في صلوة التراويح (نماز تراویح)

13:۔ عقل سليم في عقيدة التوحيد "لا إله إلا الله" کا مفہوم و مطلب)

14:۔ صفات باری تعالیٰ اور اکابر علماء امت کے عقائد

15:۔ أزهار القلائد في توضيح العقائد (عقائد اہل السنت والجماعت)

16:۔ شانِ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم

17:۔ مقام خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم

18:۔ عظمت اہل بیت رضی اللہ عنہم

19:۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ

20:۔ حضرت امام ابو حنیفہ

21:۔ حضرت امام ابو یوسف اور حضرت امام محمد

22:۔ اسلام کے بنیادی عقائد

عقائد اور نماز کے بارے میں چند مفید کتابیں

1:۔ اِیْضَاحُ الْمَرَامِ فِیْ تَرْکِ الْقِرَاءَۃِ خَلْفَ الْاِمَامِ (ترک قراءت مقتدی)

2:۔ رَاحَۃُ الْعَیْنَیْنِ فِیْ تَرْکِ رَفْعِ الْیَدَیْنِ (ترک رفع یدین)

3:۔ اَلدُّرُّ الثَّمِیْنُ فِی الْاِخْفَاءِ بِآمِیْنَ (اخفاء آمین)

4:۔ اِیْضَاحُ الدَّلِیْلِ فِیْ بَیَانِ صِفَاتِ الرَّبِّ الْجَلِیْلِ
(صفات باری تعالیٰ اور مسلک اہل السنت والجماعت)

5:۔ اَلتَّنْزِیْہُ فِی الرَّدِّ عَلٰی اَہْلِ التَّشْبِیْہِ فِیْ قَوْلِہٖ تَعَالٰی: اَلرَّحْمٰنُ عَلَی الْعَرْشِ اسْتَوٰی
"استواء علی العرش"

6:۔ اَحْسَنُ الْبَیَانِ فِیْ تَنْزِیْہِ اللّٰہِ عَنِ الْجِہَۃِ وَالْمَکَانِ "اللہ تعالیٰ بغیر جہت ومکان کے موجود ہیں"

7:۔ دلائل حقائق اردو ترجمہ۔ اَلْحَقَائِقُ الْجَلِیَّۃُ فِی الرَّدِّ عَلَی ابْنِ تَیْمِیَّۃَ فِیْ مَا اَوْرَدَہٗ فِی الْفَتْوَی الْحَمَوِیَّۃِ (مصنف علامہ ابن جہبل)

8:۔ اَلتَّنْزِیْہُ فِی الرَّدِّ عَلٰی عَقَائِدِ اَہْلِ التَّجْسِیْمِ وَالتَّشْبِیْہِ
صفات متشابہات اور غیر مقلدین کے عقائد

9:۔ اَلسُّنَّۃُ الْغَرَّاءُ فِیْ وَضْعِ الْیَدَیْنِ تَحْتَ السُّرَّۃِ (نماز میں ہاتھ باندھنے کا مسنون طریقہ)

10:۔ اَلْقَوْلُ الْمَتِیْنُ فِیْ صِفَۃِ صَلٰوۃِ رَحْمَۃٍ لِّلْعَالَمِیْنَ (رحمۃ للعالمین ﷺ کا طریقۂ نماز)

11:۔ خواتین کا مسنون طریقۂ نماز

12:۔ اَنْوَارُ الْمَصَابِیْحِ فِیْ صَلٰوۃِ التَّرَاوِیْحِ (نماز تراویح)

13:۔ اسلام کے بنیادی عقائد

14:۔ عِقْدُ الْجِیْدِ فِیْ عَقِیْدَۃِ التَّوْحِیْدِ ("لا الٰہ الا اللہ" کا مفہوم ومطلب)

15:۔ اَنْوَارُ الْقَلَائِدِ فِیْ تَوْضِیْحِ الْعَقَائِدِ (عقائد اہل السنت والجماعت)

عقائد اور نماز کے بارے میں چند مفید کتابیں

1:۔ إِيضَاحُ الْمَرَامِ فِي تَرْكِ الْقِرَاءَةِ خَلْفَ الْإِمَامِ (ترک قراءت مقتدی)

2:۔ رَاحَةُ الْعَيْنَيْنِ فِي تَرْكِ رَفْعِ الْيَدَيْنِ (ترک رفع یدین)

3:۔ اَلدُّرُّ الثَّمِينُ فِي الْإِخْفَاءِ بِآمِينَ (اخفاء آمین)

4:۔ إِيضَاحُ الدَّلِيلِ فِي بَيَانِ صِفَاتِ الرَّبِّ الْجَلِيلِ
(صفات باری تعالیٰ اور مسلک اہل السنت والجماعت)

5:۔ اَلتَّنْزِيهُ فِي الرَّدِّ عَلَى أَهْلِ التَّشْبِيهِ فِي قَوْلِهِ تَعَالَى: اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى
"استواء علی العرش"

6:۔ أَحْسَنُ الْبَيَانِ فِي تَنْزِيهِ اللّٰهِ عَنِ الْجِهَةِ وَالْمَكَانِ "اللہ تعالیٰ بغیر جہت و مکان کے موجود ہیں"

7:۔ ردّ ابن تیمیہ حقائق اردو ترجمہ۔ اَلْحَقَائِقُ الْجَلِيَّةُ فِي الرَّدِّ عَلَى ابْنِ تَيْمِيَّةَ فِي مَا أَوْرَدَهُ فِي الْفَتْوٰى الْحَمَوِيَّةِ (مصنف علامہ ابن المعلم)

8:۔ اَلتَّنْزِيهُ فِي الرَّدِّ عَلَى عَقَائِدِ أَهْلِ التَّجْسِيمِ وَالتَّشْبِيهِ
صفات متشابہات اور غیر مقلدین کے عقائد

9:۔ اَلسُّنَّةُ الْغَرَّاءُ فِي وَضْعِ الْيَدَيْنِ تَحْتَ السُّرَّةِ (نماز میں ہاتھ باندھنے کا مسنون طریقہ)

10:۔ اَلْحَبْلُ الْمَتِينُ فِي صِفَةِ صَلٰوةِ رَحْمَةٍ لِّلْعَالَمِينَ (رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقۂ نماز)

11:۔ خواتین کا مسنون طریقۂ نماز

12:۔ أَنْوَارُ الْمَصَابِيحِ فِي صَلٰوةِ التَّرَاوِيحِ (نماز تراویح)

13:۔ اسلام کے بنیادی عقائد

14:۔ عِقْدُ الْجِيدِ فِي عَقِيدَةِ التَّوْحِيدِ ("لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ" کا مفہوم و مطلب)

15:۔ أَنْوَارُ الْقَلَائِدِ فِي تَوْضِيحِ الْعَقَائِدِ (عقائد اہل السنت والجماعت)